

تحقیقات

العلماء الكرام والائمة الاعلام

في نبوة سيد الانام عليه الصلاة والسلام

في عالمي الارواح والاجسام

مصنف

اشرف العلماء شيخ الحديث

علامہ محمد اشرف سائیدہ زیادہ مجیدہ عالی

جامعہ غوثیہ مہر یہ منیر الاسلام، یونیورسٹی روڈ سرگودھا

اضافه شده اشاعتِ ثانى

تحقیقات

العلماء الكرام والائمة الاعلام
فى مسئلة نبوة سيد الانام عليه الصلاة
والسلام فى عالمى الارواح والاجسام

اشرف العلماء، شيخ الحديث والتفسير
ابو الحسنات علامه محمد اشرف سيالوى زید مجده

ناشر

جامعه غوثية مہریہ منیر الاسلام سرگودھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

تحقیقات العلماء الكرام والائمة الاعلام في

نام کتاب

مسئلة نبوة سيد الانام عليه الصلاة والسلام

في عالمي الارواح والاجسام

اشرف العلماء شيخ الحديث والتفسير ابو

مصنف

الحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجده

العالي

۲۰۸ صفحات

ضخامت

قیمت

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام سرگودھا

ناشر

تاریخ اشاعت (باردوم) نومبر 2010ء / ذی الحج 1431ھ

ملنے کے پتے

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام، کالج روڈ سرگودھا، 0483-724695

جامعہ رضویہ احسن القرآن دینہ 0544-633881

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
10	سخن اولیں	01
18	تاثرات و تقریظات علمائے اہل سنت	02
18	استاذ العلماء، حضرت علامہ مفتی عبدالرشید رضوی، جھنگ	03
19	حضرت علامہ مولانا صالح محمد نقشبندی، میانوالی	04
22	حضرت علامہ مولانا عمر حیات باروی، لیہ	05
29	حضرت علامہ مولانا مفتی غلام حسن قادری، لاہور	06
30	حضرت علامہ مولانا غلام محمد بندیا لوی شرق پوری	07
39	حضرت علامہ مولانا محمد اقبال مصطفوی، لاہور	08
46	علامہ مفتی محمد رشید چشتی، سرگودھا	09
48	استاذ العلماء علامہ علی احمد سندیلوی، لاہور	10
52	محدث اعظم علیہ الرحمہ کے ایک مرید کا مکتوب	11
54	آغاز کتاب	12
58	گناہ بے گناہی	13
61	بہتان عظیم	14
63	باب اول۔ الزام و اتہام کا مبدا و منشا	15

- 78 کیا عالم ارواح میں پیدا ہوتے ہی سید عالم منصب نبوت پر فائز تھے؟ 16
- 79 کیا سرکار ﷺ نے چالیس سال تک نبوت کو چھپائے رکھا؟ 17
- 81 دعویٰ نبوت اور تبلیغ سے قبل نبوت تسلیم کرنے والے میر سید کی نظر میں 18
- 82 کسی بھی نبی کو احنفائے نبوت کا پابند نہیں کیا گیا 19
- 85 نبی کا غیر شرعی امور پر سکوت ناقابل تصور ہے 20
- 88 کیا اعلان نبوت کے بغیر کسی کو نبی اور رسول بنانے کا مقصد پورا ہو سکتا ہے؟ 21
- 95 کیا نبی کے لیے تبلیغ احکام ضروری نہیں؟ 22
- 102 ارواح کاملین کا بشری لباس میں منتقل ہونا ان میں تغیر پیدا کرتا ہے یا نہیں؟ 23
- 103 پہلی وحی والی حدیث کے متعلق غور طلب امور 24
- 104 امر اول - دوم 25
- 106 سوم - چہارم 26
- 114 روح مجرد اور متعلق بالبدن کا فرق 27
- 119 نبی اکرم ﷺ کے بدن اقدس اور روح مبارک کے درمیانی حجاب کا دور ہونا (شق صدر کی حکمتیں) 28
- 124 اعلیٰ حضرت کے والد گرامی علیہما الرحمہ کا ارشاد 29

125	سچی خوابوں کے ساتھ وحی کا آغاز کیوں کیا گیا؟	30
130	معانقہ جبریل علیہ السلام اور بوچنے کی حکمت	31
132	رویائے صالحہ سے آغاز وحی	32
135	حتی بلغ منی الجهد اور روح مجرد و متعلق بالبدن کا فرق	33
137	ملک الموت کا بشری روپ دھارنا اور آنکھ کا پھوٹنا	34
137	جبریل علیہ السلام پہلی وحی پر بشری حالت میں کیوں ڈھلے؟	35
138	پہلی وحی کے بعد تعطل اور انقطاع کی حکمت	36
142	کیا عالم ارواح والی نبوت عالم اجسام میں مؤثر اور موجب اصلاح تھی؟	37
146	دونبوتیں اور دو رسالتیں	38
149	عالم ارواح میں نبوت کب عطا کی گئی؟ مراحل کا بیان	39
156	ولادت پاک کے فوراً بعد نبوت کیوں نہ عطا کی گئی؟	40
159	بعض ”محققین“ کی غلط فہمی کا ازالہ	41
160	عالم اجسام میں جلوہ گر ہونے پر نبوت و رسالت کب حاصل ہوئی؟	42
162	باب دوم	43
	عالم اجسام میں چالیس سال بعد اعطائے نبوت پر قرآنی دلائل اور جلیل القدر ائمہ تفسیر کی تفسیرات	
162	پہلی آیہ مبارکہ اور اس کی تفسیر	44
165	دوسری آیہ مبارکہ	45

167	فائدہ عظیمہ	46
168	تیسری آیہ مبارکہ	47
173	چوتھی آیہ مبارکہ	48
178	پانچویں آیہ مبارکہ	49
186	باب سوم	50

چالیس سال بعد اعطائے نبوت پر احادیث طیبہ

سے دلائل

187	اہل بیت کرام علیہم الرضوان کی شہادت	51
189	ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شہادت	52
191	نبوت و رسالت میں فرق، شیخ محقق علیہ الرحمہ کے الفاظ میں	53
196	انبیائے کرام علیہم السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ کا معمول اور	54

عادت جاریہ

200	باب چہارم	55
-----	------------------	----

علمائے اسلام اور اکابرین ملت کی تصریحات

216	شیخ محقق علیہ الرحمہ کی عبارات	56
-----	--------------------------------	----

219	حضرت ورقہ کی صحابیت کے متعلق اکابر کا اختلاف اور شیخ	57
-----	--	----

محقق علیہ الرحمہ کی رائے

230	نبوت سے قبل نبی کریم ﷺ کی عبادت کس کی شریعت پر تھی	58
-----	--	----

223	حضرت ورقہ کی صحابیت اور پہلی وحی کے نزول پر سید عالم	59
-----	--	----

ﷺ کے لیے نبوت کا ثبوت

236	شیخ محقق علیہ الرحمہ کی دس عبارات	60
256	باب پنجم	61
	چالیس سال بعد اعطائے نبوت کے متعلق شبہات کا ازالہ	
256	پہلا شبہ --- نبوت عیسیٰ علیہ السلام سے استدلال	62
265	دوسرا شبہ --- کنت نبیا لئح سے استدلال	63
274	تیسرا شبہ --- دو نبوتیں اور دو رسالتیں	64
277	کیا دل اقدس کا بچپن سے بیدار ہونا بالفعل نبوت کی دلیل ہے	65
287	کیا زمانہ عصمت کو نبوت کی دلیل بنانا درست ہے؟	66
288	کیا آپ ﷺ کا امت کے ساتھ موازنہ اسی وقت سے	67
	بالفعل نبوت کو مستلزم ہے؟	
290	جب سے شق صدر ہوا کیا آپ اس وقت سے نبی تھے؟	68
294	کیا انبیاء علیہم السلام منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے	69
	ولی ہوتے ہیں یا نبی؟	
308	ایک شبہ --- انبیاء قبل از نبوت ولی ہوتے ہیں	70
311	امام آلوسی کے ارشاد سے مغالطہ وہی کی کوشش	71
312	لفظ وحی کے عمومی مفہوم کا بیان	72
316	علامہ آلوسی علیہ الرحمہ کا عندیہ اور نظریہ	73
319	صلائے عام	74
328	امام آلوسی علیہ الرحمہ کی پہلی عبارت	75
330	بیان الفوائد	76

333	امام آلوسی علیہ الرحمہ کی دوسری عبارت	77
334	امام آلوسی علیہ الرحمہ کی تیسری عبارت	78
336	امام آلوسی علیہ الرحمہ کی چوتھی عبارت	79
337	امام آلوسی علیہ الرحمہ کی پانچویں عبارت	80
339	بعثت کا مفہوم	81
342	متی وجبت لك النبوة کے متعلق --- ایک اہم سوال	82
346	علامہ علی قاری علیہ الرحمہ کا نظریہ	83
348	اعلان نبوت سے قبل نبوت ماننے کی اہمیت	84
352	عذر لنگ	85
353	ابتدائے ولادت سے نبوت والے نظریہ کی حیثیت	86
354	سیالوی صاحب کے کلام میں باہم تعارض کا توہم	87
356	تتمہ بحث	88
	صحابہ کرام، علمائے اعلام، محدثین کرام اور صلحائے امت علیہم الرضوان کی عبارات	
	از علامہ غلام نصیر الدین سیالوی	
356	اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ارشاد گرامی	89
374	نبوة بالقوة اور بالفعل کا فرق --- امام بیضاوی کا نظریہ	90
380	تتمہ ثانیہ	91
390	حضور غوث پاک علیہ الرحمہ کا ارشاد	92
399	حضور پیر سیال علیہ الرحمہ کا نظریہ	93

حضور سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمہ کا نظریہ:

جبریل علیہ السلام 27 رجب کو پنجمیری لے کر آئے۔ (غنیۃ الطالبین)

حضور پیر سیال کے استاذ شارح بخاری، حافظ عمر دراز علیہ الرحمہ کا نظریہ:

”حضور ﷺ کی نبوت کی مدت 23 سال تھی اور حضور کا فرمان خشیت علی نفسی

بار نبوت کی وجہ سے تھا کہ میں نبوت کی ذمہ داری کیسے اٹھاؤں گا“ (مخ الباری ص: 9)

حضور پیر سیال خواجہ شمس العارفین علیہ الرحمہ کا نظریہ:

”پہلی وحی کے بعد ورقہ بن نوفل نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا تمہیں خوشخبری

ہو کہ حضور ﷺ اس امت کے نبی ہیں اور یہ آپ کی نبوت کا آغاز ہے“

(مرآہ العاشقین فارسی، ص: 20، اردو، ص: 29)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ارشاد:

جب سورہ اقرء نازل ہوئی تو آپ ﷺ کو فضیلت رسالت حاصل ہوئی تو قریب تھا کہ

کلام الہی کی ہیبت سے روح اقدس پرواز کر جائے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے چادر

اڑھاؤ!، جب چادر اوڑھائی گئی تو آپ کا اضطراب کم ہوا“ (مطلع القمرین ص: 123)

حضور پیر سید مہر علی شاہ علیہ الرحمہ کا ارشاد:

چوں رسید ﷺ بچھل سال و یک روز خدائے تعالیٰ بروے نبوت نازل

فرمود۔ جبریل علیہ السلام در غار حراء بروے فرستاد (تحقیق الحق، ص: 133)

”جب حضور ﷺ کی عمر 40 سال اور ایک دن کو پہنچی تو اللہ نے آپ پر نبوت نازل

فرمائی اور غار حراء میں جبریل امین کو آپ کی خدمت میں بھیجا آپ کی نبوت کا آغاز 8 ربیع الاول

کو ہوا“

شخصِ اولیس

نہی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس محورِ ایمان اور مدارِ ایقان ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت اور دیگر کمالاتِ عالیہ کا دل و جان سے اقرار، ایمان و اسلام کا اولین تقاضا اور ان کا انکار بدترین کفر اور گم راہی کا سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی صاحبِ ایمان بقائمی ہوش و حواس کسی بھی ایسے قول و فعل کا مرتکب نہیں ہوتا جو بارگاہِ رسالت کے ادب و تعظیم کے منافی ہو۔ اور اگر کوئی شخص بد قسمتی سے اس جرم کا مرتکب ہو تو اس کے لیے قرآن و سنت میں جو احکام ہیں وہ اہل علم سے قطعاً پوشیدہ نہیں۔ علمائے دیوبند اور دیگر گمراہ فرقوں سے ہمارے اکابر کا سخت ترین رویہ اور ان کے بارے میں امام اہل سنت، مجاہد تحریک آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور دیگر درجنوں اکابرین علیہم الرحمہ کی تصنیفات و تالیفات اس بات کی دلیل ہیں کہ اہل سنت کے نزدیک مقامِ رسالت کے منکرین اور گستاخانِ نبوت کے لیے کوئی نرم گوشہ موجود نہیں۔ جب کمالاتِ نبوت و رسالت کا انکار اور نہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی اتنا قبیح اور شنیع جرم ہے تو کسی پر اس کی فردِ جرم عائد کرتے ہوئے بھی حزم و احتیاط کا دامن ہرگز نہیں چھوڑا جانا چاہیے۔ اکابر علمائے دیوبند کی تکفیر سے پہلے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے جس احتیاط کا مظاہرہ کیا اور ہر ممکن ذریعے سے اتمامِ حجت کیا وہ ان کی کتابوں سے روز روشن کی طرح واضح ہے۔

گزشتہ کئی مہینوں سے اشرف العلماء شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ العالی کے حوالے سے علماء، واعظین اور مقررین کے ہاں عجیب و غریب نظریات دیکھنے اور سننے کو مل رہے ہیں۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ (معاذ اللہ) ”انہوں نے سرکار کی نبوت و رسالت کا انکار کر دیا“

کوئی انہیں ”بے ادب اور گستاخ“، تو کوئی ”علمی گھمنڈ کا شکار“ کہہ کر اپنا ”مذہبی فریضہ“ ادا کر رہا ہے۔ یہ ساری باتیں سن کر اور اہل علم اور صاحبانِ محراب و منبر کا یہ رویہ دیکھ کر دل پر جو کیفیات گزرتی رہیں انہیں تحریر کی صورت نہیں دی جاسکتی انہیں صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ میں یہاں پر اپنے ہم عصر اہل علم اور معترضین سے چند گزارشات کرنا چاہوں گا:

(۱) بعض لوگوں کا مبلغ علم یہ ہے کہ وہ عربی عبارت درست نہیں پڑھ سکتے، جن کا مطالعہ تقریروں کی کتابوں تک اور وسعت معلومات چند کیسٹوں اور سی ڈیز تک محدود ہے، لیکن انہوں نے اس معاملے کو یوں اچھالا جیسے یہ بچوں کا کھیل ہو، اگر ان سے یہ پوچھا جائے کہ عقائد کی دس معتبر عربی کتب کے نام گنوادو تو شاید وہ نہ گنوا سکیں، نہ ہی انہیں اس بات کا علم ہے کہ معتقدات کے کتنے مراتب ہیں، اور مسئلہ مجوٹ فیہا کا تعلق کس مرتبے سے ہے۔ امہات کتب تک ان کی رسائی نہیں۔ لیکن انہیں بھی سستی شہرت کا شوق چرایا، میں ان سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اتنی عظیم شخصیت جس کے تلامذہ آج مسند تدریس کی رونق ہیں، جس کی ایک درجن سے زائد کتب، ہزاروں خطبات اور بیسیوں تلامذہ ان کی علمی وجاہت کی دلیل ہیں۔ جس کی ساری زندگی بد عقیدہ لوگوں کے خلاف جہاد میں گزری، مناظرہ جھنگ کی فتح و نصرت جس کے ماتھے کا جھومر ہے۔ آپ کس منہ سے ان کی شان میں لب کشائی کر رہے ہیں؟ آپ خاموشی اختیار فرمائیں اس لیے کہ آپ اس طرح کے مسائل میں گفتگو کے اہل نہیں ہیں۔ یہ علماء کا باہمی مسئلہ ہے۔

(۲) اہل علم جو اس مسئلے میں گفتگو کے اہل ہیں ان پر یہ افسوس ہے کہ سوائے دو یا تین اہل علم کے کسی بھی مہربان نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اصل مسئلہ ہے کیا؟ حضرت اشرف العلماء کا کیا موقف ہے؟ اس موقف کے دلائل کیا ہیں؟ کیا ان کا موقف اکابر اہل سنت کے موقف سے جداگانہ ہے؟ یا وہی موقف ہے جس کی تصریحات درجنوں اکابر اپنی اپنی

تصانیف میں فرما چکے ہیں۔ زیادہ تر سنی سنائی باتوں اور سینہ بہ سینہ چلنے والی روایات پر اعتماد کرتے ہوئے مخالفت اور کردار کشی کی مہم کا آغاز کر دیا گیا۔ کم از کم اہل علم سے اس سلوک کی قطعاً توقع نہیں کی جاسکتی تھی مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

جب سے یہ مسئلہ اٹھا ہے، بارہا حضرت الاستاذ نے متعدد حضرات کی موجودگی میں برملا

کہا کہ

”میں اپنی بات کو حرف آخر نہیں سمجھتا، اگر کسی اہل علم کو میری رائے سے اختلاف ہو تو وہ وضاحت فرمائیں اگر ان کی بات اکابر کی رائے کے موافق ہوئی تو اسے ضرور تسلیم کیا جائے گا“

(۳) میں احباب اہل سنت سے بالعموم اور علمائے کرام سے بالخصوص یہ گزارش کروں گا کہ ہمارے ہاں رجالِ کار کی پہلے ہی کمی ہے۔ ایک ایک شخص کئی کئی میدانوں میں مصروف کار ہے جو کوئی دنیا سے جاتا ہے اس کا کوئی متبادل نظر نہیں آتا۔ ایسے میں اپنے ہی ہم مسلک علماء کے ساتھ محاسنت اور منافرت کا یہ تعلق کسی طرح بھی مناسب نہیں، باہمی غلط فہمیوں کا ازالہ گفتگو کے ذریعے ہو سکتا ہے، لیکن اگر ہر کوئی اپنے گھر میں بیٹھ کر دوسرے پر تیر طعن پھینکتا رہے تو خلیجیں بڑھتی رہتی ہیں۔

(۴) ہمارے بہت سے مہربان ایسے ہیں کہ جن کی تیغ زبان و قلم پچھلے عرصے میں حضرت اشرف العلماء پر مسلسل حملہ آور رہی ہے، لیکن مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آسکی کہ انہوں نے صاحبزادہ نصیر الدین نصیر کی وفات پر خصوصی نمبر شائع کیے، اپنے رسائل و جرائد میں ان کی ”خدماتِ دینیہ“ اور ان کے علم و فن کا اعتراف کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے، حالانکہ یہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے وفات سے تقریباً آٹھ سال پہلے سے نجدیت کی بولی بولنی شرع کی، انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام علیہم الرضوان سے استمداد و استعانت کو

شُرک ٹھہرایا، انبیاء و اولیاء کو من دون اللہ قرار دیا، اور ان پاکیزہ ہستیوں کو ایسے مجرم سے تشبیہ دی جسے کسی جابر بادشاہ نے الٹا لٹکایا ہوا ہو اور ان پر تیر و تفنگ اور ہر قسم کے اسلحہ کو استعمال کر رہا ہو، اور طرفہ یہ کہ حضرت نے یہ سب کچھ حضرت سیدنا غوث اعظم اور حضرت پیر سید مہر علی شاہ علیہما الرحمہ کی مقدس ذوات کی طرف منسوب ٹھہرایا، بعض تقاریر میں حضرت مولائے مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بلا فصل تسلیم کر کے مخالف کو مناظرہ کا چیلنج کیا (اصل تقریر محفوظ ہے) یہاں پیر صاحب کی کتاب ”اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت“ کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں، یاد رہے کہ یہ کتاب لمحہ موجود تک پوری آب و تاب کے ساتھ شائع ہو کر فروخت ہو رہی ہے:

اقتباس (۱):

”مقام غور ہے کہ جو شخصیت پوری زندگی اللہ کو یا غوث کہہ کر پکارتی رہی آج ہم لفظ غوث کو اسی شخصیت کے لیے مختص سمجھتے ہیں ازراہ انصاف خود فیصلہ کیجیے کہ اگر ہم پیران پیر کو یا غوث اعظم کہہ کر پکاریں گے تو وہ خوش ہوں گے یا اس ذات کو یا غوث کہہ کر پکارنے میں خوش ہوں گے کہ جس کو خود پیران پیر پوری زندگی یا غوث کہہ کر یاد کرتے رہے“ (ص: 20)

(۲):

”انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے کسی نبی یا رسول کو مدد کے لیے نہیں پکارا، بلکہ سب نے صرف اللہ ہی کو پکارا“ (ص: 21)

(۳):

”انبیاء اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ فضل بعضہم علی بعض کی وضاحت کے باوجود ہم میں سے کوئی افضل و ارفع نبی یا رسول اس لائق نہیں کہ اسے مدد کے لیے پکارا جائے، من انصاری الی اللہ جیسی آیات کا مفہوم بھی وہ نہیں ہے جو آج کل ہمارے ہاں مروج ہے بلکہ اس تعاون کی دعوت سے مراد بھی دنیا میں مدد حاصل کرنا ہے“ (ایضاً)

(۴)

”معترض صاحب اگر اب بھی میری بات تسلیم نہیں کرتے تو پھر ان پر لازم ہے کہ میری پیش کردہ حدیث اور دلائل کے مقابلے میں کوئی ایسی حدیث پیش کر دیں جس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے انسان یا شخصیت سے مانگ لینے اور اسے بوقت مشکل پکار لینے کی اجازت دی گئی ہو، آج تک میرے مطالعہ میں کوئی ایسی حدیث نہیں آئی بلکہ تمام مجموعہ ہائے احادیث میں ایسی ایک حدیث شریف بھی نہ پڑھی اور نہ کسی سے سنی الخ“ (ص: 30)

(۵)

”آج ہمارے مومن کہلوانے والے اسی دوہرے طرز عمل کا شکار ہیں۔ جب ہر طرف سے طوفان اور مصیبتیں گھری لیتی ہیں تو خالص العقیدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں یا اللہ بس تو ہی تو ہے تو بچالے، تیرے سوا اور کوئی نہیں، لیکن جب سچ کر خشکی پر پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں فلاں بزرگ نے مہربانی کی، مرشد کریم نے کرم فرمایا، غوث پاک نے بچالیا، غریب نواز نے سہارا دیا وغیرہ وغیرہ“ (ص: 92)

(۶)

”قرآن و سنت کے دلائل قطعیہ سے یہ امر آفتاب نیروز کی طرح مبرہن ہو چکا کہ مافوق الاسباب استعانت کے لائق صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ ہے، ہاں تحت الاسباب امور میں استعانت کی نسبت مخلوق کی طرف کی جاسکتی ہے اور یہ شرعاً ممنوع نہیں“ (ص: 113)

(ان اقتباسات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد) کیا ہمیں اپنے مہربانوں سے یہ پوچھنے کی اجازت ہے کہ جس شخص نے تقریباً آٹھ سال تک نجدی عقائد کی تبلیغ کی ہو، جس کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کے عقائد متزلزل ہوئے ہوں، جس کے حوالے دیوبندی علماء اپنی مجالس و محافل میں دے کر کہتے ہوں کہ اصل پیر تو یہ شخص ہے، جس نے حضرت سیدنا غوث اعظم سے استعانت

کو بھی شرک قرار دیا ہو، وہ تو یہ سب کچھ کرنے کے بعد قابل احترام بھی رہے، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے اس کی خدمات کا اعتراف بھی کیا جائے، اور اسے غوث اعظم کا سچا وارث سمجھا جائے اور دوسری طرف جس کی ساری زندگی نجدی عقائد کی تردید اور مسلک حق کی ترویج میں بسر ہوئی ہو، جس نے جھنگ شہر جیسے مرکز نجدیت میں، سپاہ صحابہ جیسی گھناؤنی جماعت کے لیڈر کے چھکے چھڑا کر اہل سنت کا دفاع کیا ہو، جس کی ساری زندگی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اور دیگر اکابر کا دفاع کرتے ہوئے گزری ہو، وہ اس لائق بھی نہیں کہ اس سے پوچھ ہی لیا جائے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ آپ کا صحیح موقف کیا ہے؟ اور پھر اتنی تکلیف بھی گوارا کر لی جائے کہ اس سے پوچھنے کے بعد اکابر اہل سنت (بشمول مفسرین، شراح حدیث، صوفیائے امت، صلحائے ملت) کی کتابیں ہی دیکھ لی جائیں کہ آخر ہمارے یہ مقتدا اور پیشوا ہمیں کیا راستہ دکھا کر گئے ہیں۔

راقم ایک دفعہ لاہور میں مکتبہ نبویہ پر حاضر ہوا، علامہ اقبال احمد فاروقی زید مجدہ جلوہ فرما تھے، کسی بات پر اشرف العلماء کا ذکر چلا تو یوں گل فشاں ہوئے:

”یہ وہی مولانا اشرف صاحب ہیں جو غوث اعظم کے گستاخ ہیں“

راقم ان کے اور اپنے درمیان عمر کے تفاوتِ عظیم کی وجہ سے خاموش رہا، ورنہ جی چاہا کہ دامن پکڑ کے پوچھوں کہ حضور! جس غریب نے صرف اتنا کہا کہ ”قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ“ کے عموم میں صحابہ کرام علیہم الرضوان اور خود حضور غوث اعظم علیہ الرحمہ کے اکابر مشائخ داخل نہیں وہ تو آپ کی نظروں میں گستاخ ہے (اگرچہ اس نظریہ پر درجنوں اکابر کی تصریحات موجود ہیں) لیکن جو انہیں بھی اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام علیہم الرضوان کو ایک مجرم، بے بس اور کمزور ترین شخص سے تشبیہ دے رہا ہے وہ لائق صد تکریم و تعظیم ہے۔ ایسے مواقع پر انا للہ وانا الیہ راجعون کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں اکابر اہل سنت کا موقف:

حضرت اشرف العلماء کے خیال میں اس مسئلہ کے بارے میں اکابر اہل سنت کا

موقف یہ ہے کہ:

”عالم ارواح اور عالم اجسام کے احکام جدا جدا ہوتے ہیں، روح مجرد عن البدن اور روح مع البدن کے احکام، تقاضوں اور معاملات میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بقول عرفائے امت عالم ارواح میں بایں معنی نبوت و رسالت سے نوازا کہ آپ کی روح اقدس، ارواح انبیاء اور ملائکہ کی معلم و مربی ٹھہری۔ لیکن عالم اجسام میں بشمول سید عالم ﷺ کسی نبی کو بھی چالیس سال سے پہلے مقام نبوت پر فائز نہیں کیا گیا، یہی اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ رہی، اور ارواح کے مادی اجسام میں آجانے کے بعد بشری اجسام کا تقاضا بھی یہی تھا کہ یہ بارِ عظیم ان پر اسی وقت ڈالا جائے جب وہ جسمانی، روحانی اور ذہنی طور پر اس کے لیے مکمل طور پر تیار ہو چکے ہوں، سید عالم ﷺ کا شق صدر، پہلے سچی خوابوں کا آنا اور اس طرح کے امور اسی استعداد اور صلاحیت کو اتمام تک پہنچانے کے لیے تھے“

حضرت اشرف العلماء نے پیش نظر کتاب میں اس دعویٰ پر قرآن و سنت، ارشادات

علمائے کلام، تصریحات علمائے ظاہر، اور فرامین صوفیاء و صلحاء کی روشنی میں بھرپور گفتگو کی ہے۔

یہاں ہم چند غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری سمجھتے ہیں:

(۱) بعض مہربانوں نے یہ سمجھ لیا کہ چالیس سال سے قبل اعطائے نبوت ثابت

نہ کرنا سرکارِ دو عالم ﷺ کی توہین ہے حالانکہ اگر وہ نظر انصاف سے اشرف العلماء کی تحریر

پڑھیں گے اور ٹھنڈے دل و دماغ سے اس پر غور فرمائیں گے تو حقیقت کو اس کے برعکس پائیں

گے۔ چالیس سال سے قبل نبوت عطا نہ فرمائے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ سید عالم ﷺ

اس عرصہ میں ایک عام عرب شخص کی طرح زندگی گزارتے رہے، بلکہ عصمت الہی، عفت و پاک

دامنی، راست گفتاری و درست گوئی اور اس جیسے اوصاف عالیہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آراستہ فرمایا، اور یہی اوصاف ایک مومن کامل کے لیے مقام ولایت تک پہنچنے کے اسباب بنتے ہیں، گویا آپ کی قبل از نبوت کی زندگی ایک کامل ترین انسان اور عارف حق کی زندگی تھی اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے قبل از نبوت کی حیات طیبہ کو بطور دلیل پیش فرمایا۔

(۲) دوسری طرف ہمارے مہربانوں کی نظر شاید اس طرف نہیں گئی کہ پیدائشی طور۔

پر نبوت تسلیم کرنا (قرآن و سنت کی تصریحات اور اکابر کی سینکڑوں وضاحتوں کے تو خلاف ہے ہی) کتنے ہی ایسے لائیکل مسائل پیدا کر دے گا جن کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔ تفصیل انشاء اللہ کتاب میں اپنے مقام پر آپ ملاحظہ کریں گے۔

(۳) آخر میں اہل علم سے صرف اتنی گزارش ہے کہ اس تحریر کو ٹھنڈے دل و دماغ

سے پوری توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس کو خلاف حق سمجھیں تو علمی انداز میں خامیوں کی نشان دہی فرمائیں۔ حضرت اشرف العلماء نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، اکابر کی ترجمانی کی ہے۔ اگر ان کی تحقیق اہل علم کی نظر میں اصلاح طلب ہے تو ضرور اصلاح فرمائیں، ہم انشاء اللہ شخصیت کی پیروی کی بجائے حق کی پیروی کریں گے یہی ہمارے اساتذہ کرام کی ہمیں تربیت ہے، ہماری یہی دعا ہے:

اللهم اربنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد اشرف الخلق اجمعین

ناکارہ خلائق

محمد سہیل احمد سیالوی

یکے از تلامذہ اشرف العلماء

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ / اپریل ۲۰۱۰ء

تأثرات :

استاذ العلماء، عمدة الفضلاء، شیخ الحدیث والفقہ

حضرت علامہ مولانا مفتی عبد الرشید رضوی قادری

دامت برکاتہم العالیہ

خليفة مجاز حضرت محدث اعظم عليه الرحمہ صغارہ التحصیل دار العلوم

منظر اسلام بریلی شریف سابق خطیب جامع مسجد رضوی فیصل آباد

بسم الله الرحمن الرحيم، محمد ونصلي على رسوله الكريم، اما بعد :

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد اشرف سیالوی زید مجدہ نے جو تحقیق اثیق کی ہے اس کے

بعد کسی کے خیالات باطلہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رکھی، ہم اپنے اسلاف کرام کی راہ کو ہرگز نہیں

چھوڑ سکتے، اسی پر عمل پیرا ہوں گے۔ امام عبدالشکور سالمی جو حضرت داتا گنج بخش علیہما الرحمہ کے ہم

عصر ہیں، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، حضور پیر سیال، حضور غوث اعظم اور حضرت پیر مہر علی شاہ

علیہم الرحمہ سب کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے قبل بالقوة اور اعلان نبوت کے

بعد بالفعل نبی تھے، علامہ سیالوی کی تحقیق کامل واکمل ہے مخالفین میں سے کسی نے دلائل کے

ساتھ اس کا جواب نہیں دیا۔ فقط

محمد عبدالرشید رضوی

مہتمم جامعہ قطبیہ رضویہ

چک نمبر ۲۳۳، تحصیل و ضلع جھنگ

۲۲ شوال المکرم ۱۴۳۱ھ بروز ہفتہ

تأثرات :

حضرت علامہ مولانا صالح محمد نقشبندی

صدر مدرس، مدرسہ غوثیہ فیض العلوم، میانہ محلہ، میانوالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ

وعلی الک واصحابک یا سیدی یا حبیب اللہ

حضور نبی کریم، شفیع معظم، احمد مجتبیٰ حضرت جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالفعل نبوت چالیس

سال کی عمر میں عطا ہونے کے بارے میں، محسن اہل سنت و مناظر اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد

اشرف سیالوی نفع اللہ بہ عبادہ کے دلائل کو بغور پڑھنے کا موقع ملا اور نہایت مضبوط پایا۔ اس

بارے میں جتنے بھی اعتراضات ممکن تھے حضرت نے سب کے تشفی بخش جوابات بھی دیے ہیں۔

قرآن و حدیث اور تصریحات اکابر سے اپنے موقف کو واضح فرمایا۔ ان کے بیان کردہ حقائق کو

یکسر مسترد کر دینا اور ایسا موقف اپنانا کہ جو اکابرین کے بارے میں غلط فہمیوں کو جنم دے اور پھر

اس پر دلائل دینے کی بجائے فریق مخالف پر طعن و تشنیع کرنا اور ان کے ساتھ اس موضوع پہ گفتگو

کرنے سے بھی گریز کرنا یہ نہ مسلک کے لیے فائدہ مند ہے اور نہ ہی کوئی دین کی خدمت ہے۔

دعویٰ یہ ہے کہ ہم اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت علیہ الرحمہ کے پیروکار ہیں۔ حالانکہ اعلیٰ حضرت نے تو

اپنے مخالفین کی گستاخانہ عبارات پر از خود مناظروں کے لیے انہیں بلایا، خطوط بھیجے، اپنے

نمائندے بھیجے کہ جہاں چاہو میں بات کرنے کو تیار ہوں اور یہ کیسی اعلیٰ حضرت کی عقیدت مندی

ہے کہ ایک بندہ زندہ سلامت موجود ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ آؤ میرے ساتھ اس مسئلہ پہ بات کرو

لیکن نہ کوئی ان کے پاس جا رہا ہے اور نہ ہی کوئی انہیں اپنے پاس آنے کی دعوت دینے کیلئے تیار

ہے۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ حضرت نے بار بار اس بات کو دہرایا ہے کہ میرے موقف کے خلاف کسی مسلمہ بزرگ کے ارشادات پیش کر دو اور مجھے اس بارے میں قائل کر دو تو میں رجوع کرنے کے لیے تیار ہوں۔ حضرت شیخ الحدیث کے موقف کے مخالفین علماء کرام سے نہایت ادب کے ساتھ درخواست ہے کہ اہل سنت پر رحم فرمائیں۔ اور جو دلائل ان کے پاس اپنے موقف کے موقف کے لیے موجود ہیں ان کو سامنے لائیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے، اور جس فریق کا موقف درست نہ ہو وہ رجوع الی الحق (جو کہ اہل حق کا شیوہ رہا ہے) سے گریز نہ کریں۔

فقیر کو تحقیقات پڑھنے کا اتفاق ہوا، کتاب مذکور علمی جواہر کا مرقع اور تحقیق و تدقیق کا بے کنار ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے اور جسے بھی رب لم یزل ولا یزال نے شغف علم سے حظ وافر تفویض فرمایا ہے، وہ اسے پڑھ کر یوں گویا ہوا:

لله در المصنف

ضلع لیہ بالخصوص تحصیل چو بارہ کے کچھ حضرات سے اس بارے میں بات ہوئی جو کہ سیالوی صاحب سے نالاں تھے، جب قبلہ کا موقف بدلائل سماعت کیا تو بے ساختہ بول اٹھے کہ حقیقت میں مسئلہ اب سمجھ آیا۔ اسی طرح بارو شریف میں بات چلی، بعد از سماعت دلائل آستانہ کے صدر مدرس فرمانے لگے کہ جب تفاسیر اور علامہ بہانی کی تحریرات پڑھی جاتی ہیں تو سیالوی صاحب کا موقف روشن اور منور ہو جاتا ہے۔

مفتی محمد رفیق الحسنی صاحب (کراچی) نے فرمایا کہ علامہ سیالوی صاحب کا موقف پیچیدہ ضرور ہے لیکن بنظر عمیق جائزہ لینے سے حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

”تحقیقات“ کے دلائل و براہین اور تحقیقات و تدقیقات کے سامنے ”تجلیات“ کبھی ت العنکبوت نظر آتی ہے اس کے بارے میں اتنا ہی کہا جاسکتا ہے:

آنکھیں اگر ہوں بند تو پھر دن بھی رات ہے اس میں ہے کیا قصور بھلا آفتاب کا
صد حیف کہ قبل ازیں جب کبھی تنازع و اختلاف کی تند و تیز آندھوں نے خرمن اہل
سنت کی جانب رخ کیا، یا سیل رواں کی لہریں اہل سنت کے کھلیان کو خس و خاشاک کی مانند
بہا کر لے جانے کے لیے لپکیں تو اس پر ہول اور دور میں حضور قبلہ تند و تیز آندھیوں اور سیل رواں
کے سامنے کوہ ہمالیہ ثابت ہوئے، اور مسلک کو ممکنہ تباہی و بربادی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں
گرنے سے بچا کر مسلک پر احسان عظیم فرمایا۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسی معظم و محترم و معتبر ہستی کے ساتھ اس وقت اردو خواں
طبقہ الجھا ہوا دکھائی دیتا ہے، جن کی صورت حال یہ ہے کہ کتب درس نظامی کا ادراک تو کجا مبتدی
کتب سے استفادہ جن کے بس کاروگ نہیں، بقول شخصے

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کر گسوں میں

اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شہبازی

بقول سعدی شیرازی:

اگر نہ بیند بروز شپیرہ چشم پشیرہ آفتاب را چہ گناہ

اعوذ باللہ ان اکون من الجاہلین - اللہم نور قلبی بنور علیک و اشرح

صدری بنور معرفتک و بارتک وسلم۔

صالح محمد نقشبندی

صدر مدرس مدرسہ غوثیہ فیض العلوم

میانہ محلہ، میانوالی

تأثرات :

حضرت علامہ مولانا محمد عمر حیات باروی زید مجددہ

بسم الله الرحمن الرحيم - نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسول الکریم، اما بعد:

حضرت علامہ اشرف العلماء محمد اشرف سیالوی دام فیوضہ کی نئی تصنیف تحقیقات کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ بفضلہ تعالیٰ کام مطابق نام اور اپنے موضوع پر تام پایا۔ امام المناظرین علامہ سیالوی صاحب کا یہ پہلا تحقیقی شاہکار نہیں ہے، قبل ازاں انکی مصنفات، تحفہ حسینہ، کوثر الخیرات، تنویر الابصار بنور النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم، جلاء الصدور وغیر ہم اپنی عظمت و حقانیت کا سکہ منوا چکی ہیں۔ علامہ سیالوی صاحب کے معاندین بھی انکی ندرت کے معترف، گن گاتے، استفادہ کرتے اور ان سے استدالات پیش کرتے ہیں۔ علامہ موصوف کا امتیاز یہ ہے کہ وہ محض تصنیفات کی تعداد بڑھانے کیلئے نہیں بلکہ ہمیشہ تحقیق طلب مسائل کو ہی موضوع بناتے ہیں اور ہمیشہ فلیظہر العالم علمہ پر لبیک کہتے اور اس کا حق ادا کرتے ہیں۔

بندہ کو تحقیقات کی طباعت پذیری سے قبل بھی اس موضوع پر مطالعہ تھا خصوصاً جب سے جناب صاحبزادہ نصیر الدین گولڑوی سے مناقشہ سامنے آیا تو تجسس بڑھتا گیا۔ متعلقہ موضوع پر مسلک حقہ کی جس کتاب کو اٹھایا علامہ سیالوی صاحب کے موقف کا مؤید اور انکے حق میں ناطق پایا۔

تحقیقات کے نام سے ظاہر ہے کہ حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ کسی نئے نظریہ کے بانی نہیں، کہ انکو موضوع سخن بنایا جائے، ہاں کسی کو اگر کہیں فساد استدلال، غلطی حوالہ، تحریف عبارت وغیرہ نظر آئے تو بحث کا حق ہے، لیکن اس میں کسی کو حق کلام نہیں، اور اسلام نے بلاوجہ علماء حقہ کی توہین و تحقیر کو کفر قرار دیا ہے۔ اگر علامہ سیالوی صاحب جیسے علماء العلماء وراثۃ

الانبیاء، علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل میں شامل نہیں تو میں ضفادۃ البئر سے پوچھتا ہوں ان احادیث کا مصداق کون ہیں؟

بندہ علمائے حقہ کا خوشہ چین ہے، علامہ سیالوی صاحب میرے نزدیک ان علماء مشاہیر سے ہیں جو سنیت کے ترجمان، تنازعات میں مرجع اور جن کا قول ہمارے لیے قول فیصل ہے۔ بندہ خود کو کسی تقریظ و تائید کے قابل نہیں سمجھتا۔ چند واقعاتی و مشاہداتی تاثرات حوالہ قرطاس کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

تحقیقات و اختلافات:

تحقیق کا مطلب کسی چیز کی مکمل چھان بین یا حق کو ثابت کرنا ہے۔ اہل فن نے تحقیق کے دس سے زائد معانی بیان کئے ہیں۔

مثلاً (۱) عالمانہ چھان بین اور تفتیش (۲) کسی چیز کی حقیقت تک پہنچنے کیلئے محتاط تفکر و تدبر (۳) ہر چیز کی تفتیش یا چھان بین جو قابل اعتماد ذرائع سے ہو۔ (۴) تحقیق ایک طرز مطالعہ کا نام ہے۔ جس میں موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔ وغیرہم (تحقیق کے اصول و مبادی)

پھر تحقیق کی بہت سی اقسام ہیں۔ تاریخی تحقیق، تعمیری تحقیق، تجرباتی تحقیق وغیرہم۔ اور اسکی اغراض میں سے سب سے اہم تطہیر فکر اور تعمیر فکر ہے۔

عزیزان والا شان:

ہمارا دعویٰ ہی نہیں، امر واقع ہے کہ ہمارے اہل سنت و جماعت کے تمام عقائد و نظریات کا ماخذ منبع اولہ شرعیہ ہیں۔ ہمارے امام، امام الائمہ، سرانجام الامہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان: اذا صح الحدیث فهو مذہبی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اس کی شناخت کو قائم رکھنے والا اور مسلمہ اکابرین سے سرمو انحراف نہ کرنے والا ہی سنی بریلوی کہلاتا ہے۔

ایسے لوگ جو حق کے گویاں، حق کیلئے پویاں ہوں ان کے لیے علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی زید مجدہ کی ”تحقیقات“ مینارہ نور ہے اور ”آفتاب آمد دلیل آفتاب“ کا مصداق ہے، لیکن:

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ہمارے معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی موجود ہے جن کا مدار محض مفروضے، قصے کہانیاں ہیں، جن کو تحقیق سے کوئی کام نہیں۔ جن کا نعرہ یہ ہے کہ

عاشقاں را چہ کار با تحقیق ہر کجا نام او قربانیم

ان کے لیے تحقیقات علامہ سیالوی صاحب صدا بہ صحرا ہے یا بھینس کے سامنے بانسری بجانے کے مترادف۔ علامہ سیالوی صاحب کے معاندین نے بندہ ام (محمد عمر حیات باروی) اور دارالعلوم کے دیگر مدرسین کو سیالوی اینڈ کمپنی سے موسوم کر کے مراسلات شروع کر دیے، بندہ نے ایک خط میں مسلک حقہ کی تقریباً چالیس معتبر کتب کی اصل عبارات مع حوالہ جات پیش کیں کہ ہم بندگان حق ہیں جو ان کا مفہوم اور صحیح محمل ہے ہم اس کے پیرو ہیں۔ ان پر جو نقد و نظر ہے آگاہ فرمائیں۔

جو جواب موصول ہوا وہ بھی لا جواب تھا، اشرف علی تھانوی کے ملفوظات اور دیگر اردو رسائل کے چند اوراق کے فوٹو اسٹیٹ۔ سرورق مرقوم پر تھا ”جی ان کو پڑھیے“۔ میں یہ دیکھ کر ورطہ حیرت میں ڈوب گیا کہ

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

اور صوفی شیراز کا یہ شعر ذہن میں مچلنے لگا:

آنکہ چوں پستہ دیدمش ہمہ مغز پوست در پوست بود چو پیاز

جب نام نہاد مناظر و محقق (نام لکھنا مناسب نہیں سمجھتا) کا مبلغ علمی اور کنہ مطالعہ کا یہ

عالم ہو کہ اپنے اکابرین کی تصریحات و معتقدات سے نابلد ہی نہیں انہیں سمجھنے سے بھی

قاصر ہو، وہاں عام مقررین و واعظین کا کیا حال ہوگا جن کا مقصد ہی طبلہ نوائی اور بدلہ سنجی سے لوگوں کو بے وقوف بنانا ہوتا ہے۔ طرفہ یہ کہ ان موصولہ اوراق میں کوئی حوالہ علامہ سیالوی صاحب کے خلاف نہ تھا، نہ ہی میرے پیش کردہ کسی حوالہ کا جواب (اصل ریکارڈ موجود ہے)

بہیں تفاوتِ سرہ از کجا اس تا کجا

نقد و نظر:

تنقید بھی تحقیق کے اقسام سے شمار ہوتی ہے۔ تحقیق میں دریافت پر زور ہوتا ہے اور تنقید میں پرکھ پر، دونوں ہی تخلیق کی شاخیں اور ادب کی مختلف شکلیں ہیں جب قواعد و ضوابط کے مطابق ہوں۔ میری دانست کے مطابق منصفہ شہودہ پر جلوہ گر ہونے والا کوئی قابل ذکر انسان تنقید سے محفوظ نہیں

بقول حماسی: لا خیر فی من لیس یعرف حاسداً

فقہ کے امام ہوں یا حدیث کے، رازی دوراں ہو، یا غزالی زمان سب کو نقد و نظر کی پر خارا دیوں سے گزرنا پڑا۔ مثبت تنقید محقق کیلئے احقاقِ حق میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ ذہنی بالیدگی اور نظر کی پختگی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن یہ ہر کہ و مدہ اور ہیچ مداں کا کام نہیں۔

علامہ سیالوی صاحب مدظلہ پر تنقید کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ریسرچ و مہارت میں انکے ہم پلہ ہی نہیں عالی مرتبت ہو۔ جبکہ واقع میں ناقدین کی اکثریت ایسی ہے جو نقض و منع کے مفہوم سے ناواقف، دلیل و شاہد کے فرق سے نا آشنا، مناظرہ، مکابرہ، معارضہ، مجادلہ وغیرہ ہا کی تعریفات سے بھی نابلد ہیں۔ محض سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے آسمان پر تھوکنے کا اوچھا، تھکنڈا استعمال کر رہے ہیں۔

آسمانِ راحق بود گر خوں بار و بر زمین

مشاہیر علماء حقہ کی طرف سے کوئی اختلاف سنا منے نہیں آیا، صرف چند عقل کے بونے

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

کے مطابق واویلا کر رہے ہیں۔ میری دانست کے مطابق:

☆ بہت سے نقادوں کو علم ہی نہیں ہے کہ متنازعہ مسئلہ کیا ہے، اور اسکمیں علامہ

سیالوی صاحب کا موقف کیا ہے۔

☆ تنقید موضوع سے عدم ملاہست و مہارست کی وجہ سے ہے۔

☆ تنقید بغیر وجہ شرعی اور محض تنقید برائے تنقید ہے۔

☆ علامہ سیالوی صاحب کے موقف کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔

☆ جہاں کسی کو غبار نظر آیا اس کی نظر و فکر کا دھوکا ہے۔

جب ان معترضین سے کہا جائے کہ سٹیجوں اور سپیکروں پر ڈیٹیکٹرز مارنے کی بجائے،

وحدت سنیت کے مزید ٹکڑے کرنے اور دین ملائی سبیل اللہ فساد کے بجائے آئیے سیالوی

صاحب سے بالمشافہہ ملاقات کر کے افہام و تفہیم کر لیں تو آئیں بائیں شائیں کرتے ہیں۔ ان

بے پرکی الاپنے والوں کو یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ امت مسلمہ خصوصاً اہل سنت و جماعت کیلئے

حضرت کے فاتحانہ مناظرے، بے مثل تقاریر، انمول تصانیف، لاجواب انداز تدریس، ایسے

کارہائے تاباں ایسی تنقید سے ہرگز دھندلے نہیں ہو سکتے اور نہ ان کے محاسن و محامد پر کوئی فرق

پڑتے، ہاں ناقدین کیلئے خسران مبین ہے۔

دین اسلام کو زندہ لوگوں کی ضرورت:

یہ امر مسلم ہے کہ دین اسلام آخری عالم گیر اور زندہ جاوید دین ہے۔ اس کی بنیاد ابدی

عقائد و نظریات پر مبنی ہے اور وہ بوجہ عالمگیریت حوادث و واقعات اور تنوع سے بھرا ہوا ہے۔ اسکا

واسطہ مختلف انسانوں اور مختلف تہذیبوں سے ہے۔ اور جوں جوں مرور ایام سے کائنات کے

پردے انسانی عقل و فکر کے سامنے کھلتے جا رہے ہیں تجسس و تحقیق کے عمل مسلسل کی ضرورت

بڑھتی جا رہی ہے۔ ان تبدیلیوں اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے خالق ارض و سماں نے اپنے فضل و کرم سے امت محمدیہ ﷺ میں ایسے لوگ پیدا فرمائے اور فرماتا رہے گا جو اس کامل و مکمل دین کو افراط و تفریط سے بچا کر نئی نسلوں تک پہنچاتے رہیں گے۔ اسی مردم خیزی اور شانِ مجددیت کی طرف آقا و عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لو كان العلم عند ثريا لذهب به الرجل من فارس او من ابناء فارس حتى

(صحیح مسلم ص 231 ج 2)

یتناولہ

”اگر دین ثریا پر ہوتا تب بھی فارس کا ایک شخص یا فارس کے لوگوں میں سے ایک شخص

اس کو حاصل کر لیتا“

ان الله يبعث لهذه الامة على راس كل مائة سنة من يجدد لها دينها

(مشکوٰۃ المصابیح ص 36)

”یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو برس پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا، جو ان کا دین

تازہ کرے گا“

تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور کے فتنوں کی سرکوبی کیلئے اللہ رب العزت نے زندہ اشخاص

سے ہی جس کو چاہا مجدد بننے کا اعزاز بخشا، اٹھارہ لاکھ مسلمانوں کے قتل کرنے والے تاتاریوں

کیلئے جب کوئی مزاحمت کار نہ رہا تو اللہ رب العزت نے انہی سے محافظ اسلام پیدا کر دیے۔

ولله در القائل

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

میرا مقصد مصلحین و مجددین کا احصاء و شمار نہیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ غالباً کسی مجدد

محقق کو خصوصاً دور حاضر میں تو نہایت ہی شاذ و نادر ہے کہ ایسے منصب و مرتبہ کے کسی شخص کو اس کی

زندگی میں ایسا تسلیم کیا گیا ہو۔ بلکہ ہر دور میں کام کو کرنے والوں کا دست و بازو بننے کی بجائے ان

کے دست و بازو باندھنے کی کوششیں کی گئیں۔ مسائل میں الجھانے، مشکلات پیدا کرنے، سازشیں پھیلانے کو معاصرین نے بطور فریضہ ادا کیا، لیکن وہی شخص جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو سب و شتم بکنے والے تعریفوں کے پل باندھتے ہیں، عرس اعراس میں مسابقت کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ کاش یہ عقیدت و یگانگت انکی زندگی میں ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

ایں دعا از من از جملہ جہاں آمین باد

المرام این کہ:

اے ممبر و محراب کے وارثو! اور اے اصحاب حل و عقد!

آئیے آج بھی کسی ایسے محقق مجدد پر متفق ہو جائیں جس کا قول پوری سنیت کیلئے قول

فیصل ہو، علامہ سیالوی صاحب کو مرافعت سے تامل نہ ہوگا۔

اگر ایسا ممکن نہ ہو تو مسلمہ اکابرین شاہ عبدالحق محدث دہلوی، امام اہل سنت اعلیٰ

حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی وغیرہما سے کسی کو فیصل مان لو، دودھ کا دودھ پانی کا پانی

ہو جائے گا۔ اللہم ارننا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

الراقم

ابوالحسنات محمد عمر حیات باروی

خادم دارالعلوم حنفیہ بارویہ شمس المدارس رجسٹرڈ

تخصیص چوبارہ ضلع لیہ

رابطہ نمبر: 0301-7850664 0312-7850664

تأثرات :

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی غلام حسن قادری زید مجدہ العالی

مفتی، دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد :

فقیر نے اشرف العلماء، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ کی تازہ کتاب

”تحقیقات العلماء الکرام والأئمة الأعلام فی نبوة سید الانام فی عالمی الارواح

والاجسام“ دیکھی۔ حضرت کی دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی دلائل باہرہ سے مزین پایا،

حضرت نے اس مسئلہ پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، اپنے موقف پر قرآن و سنت، اقوال علماء اور

ارشادات اسلاف کی صورت میں ناقابل تردید دلائل جمع فرمانے کے ساتھ ساتھ تمام ممکنہ

اشتباہات اور اشکالات کے شافی جواب بھی سپرد قلم فرمائے ہیں فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

فقیر اس مسئلہ میں مکمل طور پر آپ کے موقف سے اتفاق کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سب کو فہم

ثاقب عطا فرمائے۔ اور انا کی چار دیواری سے نکل کر فہم حق کی دولت حاصل کرنے کی توفیق بخشے

۔ آمین

غلام حسن قادری

مفتی، دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور

تأثرات:

فاضلِ جلیل، عالمِ نبیل

حضرت علامہ مولانا غلام محمد بندیا لوی شرقپوری زید مجدہ

بسم الله الرحمن الرحيم۔ الحمد لمن لمع اجنان العلماء الكرام والائمة
الاعلام ومن اصطفى من عبادة العلماء الائمة المجتهدين ومن شرح صدورهم
للشريعة وللنبوة النبوية ومن ارسل ثانيا في عالم الاجساد بعد بلوغه الاربعين سنة
من عمره (الى) والصلوة والسلام على النبي المختار وآله الاطهار وصحبه الاخيار۔ اما
بعد:

مدعی اور مقصود کو احاطہ تحریر میں لانے سے قبل تین مقدمات کا ذکر ضروری ہے، تاکہ
مقرضین و معاندین کے اعتراضات کا سدہ اور اوہام فاسدہ مکمل طور پر مندرج ہو جائیں۔

مقدمہ اولی:

دارفنا میں دو قسم کے انسان ہیں، مسلم اور کافر۔ مسلم پھر دو قسم ہیں: عالم اور بے علم اور
عالم پھر دو قسم ہیں: مجتہد اور غیر مجتہد۔ اور عالم مجتہد وہ نفوس قدسیہ ہیں جو لائق تقلید و اتباع
ہیں۔ جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، عالم غیر مجتہد کی بھی متعدد انواع و اقسام ہیں، جو ارباب
علم سے مخفی نہیں ہیں۔ غیر عالم کی بھی دو قسمیں ہیں مطیع اور غیر مطیع۔ الحاصل غیر عالم کو کوئی الجھن
درپیش ہو تو عالم کی طرف رجوع کرے اور اگر کسی عالم کو ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کی حقیقت تک
اس کی عقل و دانش کی رسائی نہ ہو تو اس کو مستند اور ثقہ عالم بلکہ مجتہد کی طرف رجوع کرنا لازم
ہے۔ تاکہ وہ مسئلہ ٹھس اور اس کی طرح واضح اور روشن ہو جائے۔

مقدمہ ثانیہ:

عصمت نبوت و رسالت کا خاصہ ہے لیکن خاصہ لازمہ بھی ہوتا ہے اور مفارقة بھی، اور لازمہ مختص بہا کے مساوی بھی ہوتا ہے اور اخص بھی، اور حقیقیہ بھی ہوتا ہے اور اضافیہ بھی۔ کتابت انسان کا خاصہ ہے لیکن کتابت بالفصل خاصہ مفارقة ہے اور کتابت بالقوہ خاصہ لازمہ ہے اور نوع انسان کے مساوی ہے لیکن کیونکہ ہر فرد انسانی کا بالقوہ کا تب ہونا ضروری ہے اور حیوان کی نسبت اخص ہے کیونکہ جہاں بھی متحقق ہوگا وہ حیوان کی جنس میں داخل ہوگا لیکن بعض انواع میں اس کا تحقق ناممکن بھی ہے۔ ماشی ہونا انسان کا خاصہ اضافیہ ہے کہ جمادات و نباتات میں اس کا تحقق نہیں ہو سکتا لیکن انسان کے علاوہ دیگر انواع حیوانیہ میں پایا جاتا ہے اور عرض عام بھی ہے انسان کیلئے اگرچہ ماشی بالقوہ حیوان کیلئے خاصہ مساویہ ہے۔ الغرض جو عرض عام کے مقابل ہے وہ خاصہ حقیقیہ ہے اور اضافیہ اور عرض عام میں منافاة نہیں ہے۔ عصمت، انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے مگر یہ عام ہے اور خاصہ حقیقیہ نہیں بلکہ اضافیہ ہے۔ ملائکہ بھی معصوم ہیں۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام بھی معصوم ہیں حالت نبوت میں بھی اور نبوت سے پہلے بھی، لہذا محض عصمت کے تحقق سے بالفعل نبوت کا تحقق تو کجا انسانیت کا تحقق بھی لازم نہیں آتا تامل حق التامل۔

مقدمہ ثالثہ:

مسائل تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ضروریات دین۔ ضروریات عقائد اہل سنت اور مختلف فیہ فیما بین اہل السنہ۔ پہلا قسم ایسا ہے جو دین میں بدلتا ثابت ہوتا ہے اور اس میں انکار و عناد بلکہ شک و تردد بھی موجب کفر ہوتا ہے اور جو ایسے کافر کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے مثلاً زید، عمرو بلکہ ہرنچے اور پاگل اور چار پائے کو علم غیب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مماثل اور مساوی قرار دینا آپ کی صریح توہین اور کھلا کفر ہے۔

ضروریات و عقائد اہل سنت:

یہ وہ مسائل ہیں جو اہل سنت کے ہاں حتمی طور پر ثابت ہیں، ان کا منکر اہل سنت سے خارج ہو کر بدعتی فرقوں میں داخل ہو جائے گا۔ اور ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہو جائیگا۔ مثلاً کوئی اسلام کا دعویٰ نہ کرے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا انکار کر دے تو وہ خارجی بن جائیگا۔ اور سنی نہیں رہے گا۔ اور کوئی انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل البشر حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو نہیں مانتا تو وہ شیعہ اور روافض میں شمار ہوگا اور اہل سنت و الجماعت سے خارج ہو کر ضلالت و گمراہی کا شکار ہو جائے گا۔ تیسرے قسم کے مسائل میں خود اہل سنت چونکہ مختلف ہیں لہذا وہاں ضلالت و گمراہی کا فتویٰ بھی عائد نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ کفر و شرک کا۔ جیسے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حقیقت روح کا علم بکنہہ وغیرہ۔

آدم برسر مطلب:

مقدمہ اولیٰ کی بنا پر التماس ہے کہ عوام کو علماء کرام کی طرف اور ان کو انحصار الخواص فضلاء اور اہل اجتہاد اور لائق استنباط حضرات کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اور یہی اللہ کریم کا ارشاد گرامی ہے۔ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون اور بالخصوص اسلاف کرام کی کتب عقائد اور تفاسیر اور کتب سیرت وغیرہ موجود ہیں ان کی طرف رجوع کر لیا جائے تاکہ اذا تحیرتم فی الامور فاستمعینوا باہل القبور پر عمل بھی ہو جائے۔

مقدمہ ثالثہ کے پیش نظر اس مسئلہ کی حیثیت متعین کرنا ضروری ہے تو لامحالہ یہ تیسری قسم میں شمار کیا جائے گا کیوں کہ خود اکابرین اہل سنت اور ہمارے اسلاف کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے یا نہیں؟ بعض عرفاء اور بعض علماء ظاہر وہاں آپ کے بالفعل نبی ہونے کے قائل ہیں جبکہ بعض

اکابرین کے نزدیک صرف آپ کے نبی ﷺ ہنائے کی تشہیر اور اعلانات مقصود تھے یا مستقبل میں آپ ﷺ کے نبی بنائے جانے کے تحقق اور یقینی وقوع کے پیش نظر صیغہ ماضی کے ساتھ اس کو تعبیر کر دیا گیا۔ علیٰ ہذا القیاس عالم اجسام میں آپ ﷺ کے وجود مسعود پر وہی نبوت آپ میں برقرار رہی یا چالیس سال کے بعد حسب معمول اور عادت جاریہ اور قانون قدرت کے تحت آپ ﷺ کو نبی بنایا گیا۔ لہذا اس مسئلہ میں کسی کو کافر و منافق اور ضال و مضل اور گمراہ و بے دین کے فتاویٰ جات سے نوازنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ معاملہ صرف دلائل کے راجح اور مرجوح ہونے کا ہے، یا اجتہاد کے صواب اور مطابق للواقع ہونے کا ہے یا اس کے خطا اور نا صواب اور خلاف واقع ہونے کا۔

ہمارے مخالفین نے وقت ولادت اور آغاز آفرینش سے ہی نبی کریم ﷺ کے بالفعل نبی ہونے کا دعویٰ کیا، اور اس پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ کا معصوم ہونا آغاز ولادت سے مسلم حقیقت ہے اور معصوم ہونا نبی کا ہی خاصہ لازمہ ہے تو لامحالہ آپ کی نبوت بھی آغاز ولادت سے تسلیم کرنا لازم ہے۔ مقدمہ ثانیہ میں اس کا جواب واضح ہو چکا کہ یہ خاصہ اضافیہ ہے اور عام ہے۔ ملائکہ بھی معصوم ہیں۔ لیکن وہ نبی نہیں۔ اور ہر نبی ابتداء آفرینش سے ہی معصوم ہوتا ہے۔ لیکن سوائے حضرات عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام یا نبی کریم ﷺ کے دوسرے ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش پینچمبر کے حق میں پیدائشی نبوت کا قول اسلاف میں سے کسی نے نہیں کیا۔ لہذا جن دلیل کا تخلف تین کے علاوہ اور بھی وہ عند البعض تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار مواد میں پایا جائے کیونکر اس کو کوئی شخص دلیل کہہ سکتا ہے؟ اور اس کو معرض استدلال میں پیش کر سکتا ہے؟ مثلاً حرارت سورج کو لازم ہے لیکن آگ کے ذریعے بھی متحقق ہو سکتی ہے اور رگڑ کے ذریعے بھی، تو حرارت کے وجود و تحقق سے سورج کے وجود و ثبوت اور طلوع و عکس ریزی پر استدلال عقل کا اندھا ہی کر سکتا ہے نہ کہ کوئی صاحب بصیرت اور مالک

فراست۔

علامہ محمد اشرف سیالوی نے اس استدلال پر لازم آنے والے استحالہ کو اس طرح احسن پیرائے میں بیان فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والسلام نبوت سے قبل بھی معصوم ہوتے ہیں اور نبوت کے حصول کے بعد بھی، تو اگر بقول مستدل جب سے معصوم ہوتے ہیں تب سے نبوت بھی ان میں متحقق ہو جائے تو ان کا نبوت ملنے سے پہلے نبی بننا لازم آئے گا، جب کہ ہر عظیم انسان کے نزدیک تقدم الشیء علی نفسه محال ہوتا ہے اور بدیہی البطلان۔ جبکہ نظریہ مذکورہ اور استدلال مزبور کو یہ استحالہ بدیہی البطلان لازم بھی ہے۔ اور اس کا بطلان اس استدلال اور نظریہ کے بطلان کو مستلزم بھی ہے۔

بنائے فاسد:

اس مستدل صاحب کا بنائے فاسد اس طرز استدلال میں یہ ہے کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے عرصہ میں ولی ہوں تو پھر واجب العصمت نہیں ہو سکتے، کیونکہ اولیاء کرام کا ولایت سے قبل یا اس کے بعد معصوم ہونا ضروری نہیں ہے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننا ضروری ہے تاکہ عصمت کا وجوب ثابت ہو سکے۔

(۱) دریافت طلب امر یہ ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام تو بالا جماع آغاز ولادت سے نبی نہیں بلکہ چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اس منصب پر فائز ہوئے، تو اس دلیل کی رو سے ان کو بھی روز ولایت سے نبی ماننا لازم ہوگا اور اس امر کا لازم بھی واضح ہے اور اس کے بطلان پر بھی اجماع ہے لہذا کوئی صاحب عقل و دانش اس طرز استدلال کو کیونکر اپنا سکتا ہے۔

(۲) اگر ان کو اس دورانہ میں ولی تسلیم نہ کیا جائے بلکہ عام مومنین کی سطح پر رکھا جائے بلکہ بقول بعض ان کو عام انسانوں کی سطح پر رکھا جائے جن میں کفر اور ضلالت کا نعوذ باللہ تحقق ہو سکے تو اس وقت کیا آپ کا استدلال عام اور کامل واکمل ہو جائیگا؟ صرف ان میں ولایت

کا تحقق اس استدلال کے تام اور کامل ہونے میں مانع ہوگا نعوذ باللہ۔

اور اللہ تعالیٰ نے جن ہستیوں کو اس اعلیٰ ترین منصب پر فائز کرنا ہوتا ہے روز اول سے ہی ان کو اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے تحت طاہر و مطہر اور بے داغ سیرت و کردار کا مالک بنا دیتا ہے۔ تاکہ اعلان نبوت کے بعد کسی بد باطن کو ان کے دامن عظمت پر ایسی گرو اڑانے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی امی جان کی پاکیزگی اور طہارت ظاہر کروائی اور خود سولہ یا اٹھارہ آیات نازل فرما کر محبوب کریم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کی طہارت دامن واضح فرمائی تاکہ بالواسطہ طور بھی پر ان کی مقدس خاتون کو ہدف تنقید اور مورد طعن و تشنیع نہ بنایا جاسکے۔ حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ بننے سے پہلے ہی جبار کی دست درازی سے اس کے ہاتھ اور پہلو کو مفلوج کر کے محفوظ رکھا تاکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذات پر ان کی وجہ سے کوئی حرف نہ آسکے بلکہ ان کی اولاد کیلئے ایسی امی جان سے پیدا ہونا سرمایہ فخر و ناز بن جائے۔

(۳) اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی کی ولایت بہت کامل و اکمل اور ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے، حتیٰ کہ بہت سے علماء اعلام اور آئمہ کرام نے ان کی ولایت کو ان کی نبوت سے بھی ارفع و اعلیٰ اور فائق و برتر قرار دیا ہے، کیونکہ نبوت و رسالت میں مخلوق کی طرف توجہ اور ان کے ساتھ مشغولیت ہوتی ہے، جبکہ انکی ولایت میں مخلوق سے توجہ ہٹا کر الہ العالمین کی ذات بابرکات کی طرف مکمل طور پر توجہ اور استغراق ہوتا ہے، لہذا یہ ولایت اور ہے اور اولیاء کرام کی ولایت اور ہے، جس طرح عام مومنین بھی عبد ہیں، اور انبیاء کرام علیہم السلام بھی عبد ہیں اور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی عبد ہیں لیکن درمیان میں کس قدر عظیم تفاوت ہے،

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر

اسی طرح ان دونوں ولایتوں میں بھی عظیم تفاوت ہے، اولیاء کرام والی ولایت ممکن
العصمت ہے جبکہ انبیاء کرام والی ولایت واجب العصمت ہے۔

متنبیہ:

ان بزرگم خورش محققین عصر کا اس ولایت کو واجب العصمت سمجھنے کو جنون اور دیوانگی
قرار دینا سینکڑوں علمائے اعلام اور آئمہ کرام اور اکابرین وقت کو مجنون اور دیوانہ قرار دینے کے
مترادف ہے، اور قیامت کے خاص علامات میں سے ہے۔ کیونکہ اخلاف کی اسلاف پر تنقید اور
اصاغر کی اکابر پر طنز اور تشنیع علامات قیامت سے ہے۔ قابل غور اور لائق التفات یہ امر ہے کہ ان
محققین نے چالیس سال کے بعد محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منصب نبوت پر فائز تسلیم کرنا
آپ کی بے ادبی اور گستاخی قرار دیا ہے۔ اور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور تحقیر ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ
متقدمین و متاخرین علماء کرام اور اولیاء امت اور عرفاء ملت کی عظیم اکثریت کا نظریہ و عندیہ اور
موقف یہی ہے بلکہ بہت سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھی یہی عقیدہ و نظریہ منقول ہے (جیسے کہ
کتاب مستطاب کے مطالعہ سے واضح ہو جائیگا) تو گویا اس فتویٰ کی زد میں وہ سارے اکابرین
ملت اور اساطین امت بھی آجائیں گے۔ اس عقیدہ کے قائلین پر ہمیں یہ افسوس نہیں کہ انہوں
نے ایسے کیونکر کہا کیونکہ یہ تو قرب قیامت کا لازمی تقاضا ہے۔ البتہ یہ فکر ہے کہ وہ اپنے ایمان
اور نکاح کی خیر منائیں۔ کیونکہ کسی مسلمان کو کافر کہنے سے وہ کفر اسی قائل کی طرف راجع اور عائد
ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی نے تحقیقات العلماء الکرام والائمة
الاعلام فی نبوة سید الانام فی عالمی الارواح والا جسام لکھ کر اور دلائل و براہین کے
ساتھ مزین و آراستہ فرما کر صرف عوام اہل سنت پر نہیں بلکہ خواص اور علماء و فضلاء پر بھی بہت بڑا
احسان فرمایا جس کا بدلہ چکانے سے امت مصطفویہ عاجز و قاصر ہے۔

بندہ نے آپ کی اس تحریر ”تحقیقات“ کا اکثر مقامات سے مطالعہ کیا ہے اور بندہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ واقعی تحقیقات معقولات و منقولات اور تصدیقات و براہین کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہے، اور دلائل قاہرہ اور براہین باہرہ سے مملو ہے۔ جائزہ لیا تو ارقام الحروف نے ”تحقیقات“ کے مخفی گوشوں کا نظر عمیق سے جائزہ لیا تو اسے تحقیقات و ہبہ اور تدقیقات الہامیہ کا معدن اور عطا ہائے نبویہ کا مخزن اور تصدیقات ثنائیہ کا مجموعہ اور مجسمہ پایا۔

اس کتاب سے معاندین کیلئے تو استفادہ و استفادہ ناممکن ہے اور ان معترضین کیلئے بھی جن کا مقصد و خید صرف اور صرف اعتراض کرنا اور اسی میں اپنے لیے سامان فرحت و شادمانی اور متاع فخر و ناز تلاش کرنا ہوتا ہے۔

البتہ ایسے مرتابین کیلئے جو اوہام و اغلوطات کی تاریک شب میں بھٹکتے پھر رہے ہوں، حضرت اشرف العلماء کی یہ تحریر منزل مقصود تک رسائی کیلئے روشن چراغ اور سراج منیر ثابت ہوگی، اور واصل الی المقصود کرنے والی ہادی اور رہبر ثابت ہوگی۔ اور ایسے منصفین کیلئے جو قبول حق اور راہ صواب پر گامزن ہونے کے متمنی تھے اور حضرت شیخ الحدیث کے اس تحقیقی شاہکار کے شدت سے منتظر اور چشم براہ تھے۔ انکی آنکھوں کیلئے انشاء اللہ ٹھنڈک ثابت ہوگی اور بے چین دلوں کیلئے سامان صد تسکین اور قرار و اطمینان کی موجب ہوگی۔

القول فیصل:

بحر العلوم و الفنون حضرت شیخ الحدیث نے دلائل و براہین وافرہ اور حجج متکثرہ کے ساتھ اپنے دعوائے حق اور ادعائے صادق کو ثابت کر دیا ہے۔ اور اس امر کا اعتراف و اقرار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں چھوڑا اور کسی حیل و حجت اور عذر و بہانہ کی گنجائش نہیں چھوڑی کہ واقعی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور عالم اجسام میں ظاہر ہونے پر چالیس سال تک ولایت کبریٰ اور محبوبیت عظمیٰ کے مرتبہ پر فائز تھے۔ اور باطنی اور روحانی نبوت کے ساتھ

ساتھ جسمانی طور پر بالقوة نبی تھے۔ اور معصوم عن الخطا والذنوب اور بعد ازاں بالفعل نبی اور رسول اور رسولوں نبیوں کے امام اور مہمان لامکاں بنے، اس طرح کہ مکین سدرہ بھی ان کی گودراہ کو نہ پہنچ سکا اور نہ ہی کسی نبی و رسول ﷺ کی روح آپ کی پرواز کا ساتھ دے سکی۔

ہر یک بقدر خویش بجائے رسیدہ است
آنجا کہ جائے نیست تو آنجا رسیدہ ای
سیمرغ روح پیچ کس از انبیاء نتافت
آنجا کہ تو بیال کرامت پریدہ ای

شیخ سعدی کہتے ہیں:

بگفتا فراتر مجالم نماند
بماندم کہ نیروے بالم نماند
اگر یکسر موئے برتر پریم
فروغ تجلی بسوزد پریم

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

مسئلہ مذکورہ معاندین اور متعنتین کی سمجھ میں نہیں آسکتا، البتہ منصفین اور متلاشیان

حق کے عقول و اذہان اور قلوب و ضمائر اس کو ضرور قبول کریں گے۔

حرره العبد الضعیف غلام محمد بدیالوی شرقپوری

خویدم المیراث،

مدینة العلوم جامعہ نبویہ شرقپور شریف

تکریظ

الفاضل الجلیل حضرت علامہ مولانا محمد اقبال مصطفوی صاحب

دامت برکاتہ الی یوم الدین

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد: قال اللہ تعالیٰ: اقراء باسم ربک

الذی خلق الایة عن البراء رضی اللہ عنہ قال بعث اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولہ

یومئذ اربعون سنة ویوم قال الامام النووی فی الاسماء واللغات بالاتفاق انہ صلی اللہ علیہ وسلم

بعث رسولا الی الناس كافة وهو ابن اربعین سنة وقیل اربعین سنة ویوما واقام بمكة

بعد النبوة ثلاث عشرة سنة تعریف النبی: النبی انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق

لتبلیغ الاحکام۔

موجودہ دور کے علماء کرام کے درمیان رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم اجسام کے لحاظ سے

نبوت کے آغاز کے متعلق جو اختلاف و نزاع سامنے آیا ہے۔ یعنی جامع المعقول والمنقول

اشرف العلماء الاعلام ابوالحسنات محمد اشرف الیالوی کا نظریہ و عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

قبل از نزول وحی، آغاز ولادت سے ولایت کے اعلیٰ ارفع مقام پر فائز تھے۔ اور چالیس سال

کے بعد جبرئیل امین کے غار حراء میں سورہ علق کی ابتدائی آیات کیساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کے

بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر فائز ہوئے۔ جبکہ انکے مخالفین آغاز ولادت سے ہی آپ کو بالفعل

نبی ماننے پر مصر ہیں اور اس پر تقریری، تحریری اور حکایتی ابحاث چھیڑ کر مسلک اہل سنت

والجماعت اور عوام و خواص میں اضطراب اور بے چینی پیدا کر رہے ہیں۔

بندہ کی پر خلوص گزارش ہے کہ علامہ سیالوی صاحب کا موقف برحق ہے اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ اور علماء علام اور اکابرین اسلام کی تحریرات سے اس موقف کا برحق ہونا

روز روشن کی طرح واضح ہے، کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے ولادت سے بالفعل نبی نہیں بلکہ نزول وحی

اور نزول آیات کے زمانہ سے آپ ﷺ کو نبوت حاصل ہوئی۔

مسئلہ متنازعہ فیہ میں اشرف العلماء نے اپنی کتاب مستطاب تحقیقات العلماء

الکرام و الائمة الاعلام فی نبوة سيد الانام فی عالمی الارواح والاجسام میں اپنے موقف متین پر مضبوط دلائل قائم کیے ہیں۔ جن میں آیات کلام مجید اور انکی اسلاف کی طرف سے کی گئی تفسیرات اور احادیث نبویہ اور انکی اکابر کی طرف سے کی گئی تشریحات اور عرفائے زمان و علماء اعلام کے ارشادات بھی شامل ہیں، مزید برآں شہادات عقل بھی مندرج ہیں۔

راقم الحروف فقیر محمد اقبال مصطفوی مدرس جامعہ ہجویریہ داتا دربار لاہور، نے کتاب

مذکورہ کا پوری توجہ اور غور و خوض کیساتھ مطالعہ کیا ہے۔ میرے مطالعہ، نظر و فکر اور غور و خوض کا حاصل اور ثمر و نتیجہ یہی ہے کہ عمدۃ الازکیاء، اشرف العلماء کا موقف شریف درجہ حق حقیق پر مبنی ہے۔ اور بندہ بالجزم والیقین کہتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام وقت ولادت سے غار حراء میں نزول وحی تک کے درمیانی عرصہ میں ولایت شریفہ عالیہ کے درجہ پر فائز رہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے مزید فضل و احسان فرمایا اور عمر شریف کے چالیس سال گزرنے پر رسول امین جبرائیل علیہ السلام کو آپ ﷺ پر نازل فرما کر اور نزول قرآن کا آغاز فرما کر تاج نبوت سے بہرہ ور فرمایا۔

علامہ سیالوی کے مخالفین نے آپ کے خلاف انتہائی گھٹیا اور نازیبا طریقہ اور وطیرہ

اختیار کیا، جس کی وجہ صرف اور صرف حسد، عناد، تعنت، عدم مطالعہ اور عدم دیانت و امانت ہے۔

حق یہ تھا کہ یہ لوگ آیات قرآنیہ کی تفسیرات، احادیث مبارکہ کی تشریحات اور علماء اعلام کی تصریحات و تحقیقات کا مطالعہ کرتے اور اصل مسئلہ کی حقیقت معلوم کر کے، دائرہ علم و دانش اور

حیطہ دیانت و امانت میں رہ کر نبی آخر الزمان ﷺ کی مدت ولایت اور مدت نبوت کا علیحدہ علیحدہ

زمانہ پیش کرتے، نہ کہ یکسر از وقت ولادت قطعاً حتماً آپ ﷺ کو مرتبہ نبوت پر فائز یقین کرتے

فقیر راقم الحروف کی نظر میں یہ گروپ دینی کتب اور کتب سیر کے مطالعہ سے بالکل تہی دامن ہے

مطالعہ کی زحمت گوارا کیے بغیر سنی سنائی باتوں کی دھن میں اناڑی رہ کر مد مقابل بنا ہوا ہے۔
 فقیر کے نزدیک نبوت اللہ تعالیٰ اور اسکے بندوں کے درمیان سفارت کا نام ہے اور نبی
 وہ انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کیلئے معبود فرمائے اور مخلوق دو قسم پر
 ہے، اورح اور اجسام۔ اورح میں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے روح محمد ﷺ کو پیدا فرمایا۔
 آپکی ﷺ روح اقدس تسبیح کہتی تھی اور ملائکہ اسکی اتباع و اقتداء میں تسبیح کہتے تھے۔ جس سے
 لازمی طور پر ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی نبوت و سفارت اور افادہ و افاقہ والی شان عالم ارواح میں
 بالفعل متحقق ہو چکی تھی، جیسا کہ حضرت شیخ ابراہیم کورائی اپنے شیخ عارف قشاشی کے حوالے سے
 فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی نبوت لوح و قلم وغیرہما سے بھی سابق تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ
 ﷺ کو عالم ارواح میں نبی نبایا اور ارواح کو آپ ﷺ کے اس منصب پر مطلع فرمایا، اور انہیں
 آپ کی معرفت نبوت اور اس کے اقرار کا پابند فرمایا، الی آخرہ۔ (تفصیل تحقیقات میں ملاحظہ
 فرمائیں) یہ تیسرا مرحلہ اور مرتبہ آپکی نبوت کا تھا۔ پھر آپ ﷺ کو بالفعل عالم اجسام میں
 موجود فرمایا اور کمالات نبوت کیساتھ آپ کے جسم شریف کو مشرف فرمایا۔

لہذا یہ امر ذہین نشین رہنا چاہیے کہ عالم ارواح اور عالم اجسام کے احکام جداگانہ ہیں
 اور بدن سے مجرد روح اور بدن میں حلول کرنیوالی روح کے درمیان یون بعد اور بعد شدید ہوتا
 ہے۔ روح مجرد میں لطافت محضہ اور نورانیت خالصہ ہوتی ہے۔ جبکہ روح متعلق بالبدن پر بدن
 کے اثرات غالب آجاتے ہیں اور جب تک اجسام کی پرورش و تربیت اور تدبیر و تصرف میں
 مصروف رہتی ہیں تو انکی وہ لطیف صلاحیتیں اور استعدادیں اور قوائے روحانیہ اور توانائیاں کمزور
 پڑ جاتی ہیں بلکہ بدنی کثافت اور جسمانی عوارض کی وجہ سے مغلوب ہو جاتی ہیں، لیکن جب
 مجاہدات و ریاضات اور عبادات و اعمال شاقہ اور ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتی ہیں اور ارواح کو
 روحانی غذا ملنے لگ جاتی ہے تو انکی سابقہ چمک دمک اور نورانیت اور قوت و طاقت بحال ہو جاتی

ہے یوں ان میں اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کیساتھ ربط و تعلق کی صلاحیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ تب وہ خلافت و نیابت اور نبوت و رسالت کے قابل اور لائق ہو جاتی ہیں۔ اور قانون قدرت اور عالم اسباب میں جاری معمول یہی ہے، کہ چالیس سال میں ابدان کے حجابات اٹھتے ہیں اور یہ کثیف پردے چھٹتے ہیں اور اسکے بعد ان کو منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا جاتا ہے۔

لہذا نبی آخر الزمان ﷺ بھی عمر شریف کے چالیس سال پورے کرنے پر تمام صلاحیات اور استعدادات کے جامع بن جانے اور نبوت کے عمل اور تبلیغ احکام اور اوامر و نواہی کی تعلیم اور تمام دینی و دنیوی امور سمجھانے اور بروئے کار لانے اور تمام تر تدابیر اور تصرفات میں متاہل اور مستعد و مستبد ہو گئے تو تاج نبوت انکے سر پر سجایا گیا۔ اور خلعت رسالت سے ان کو نواز گیا۔

محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چالیس سال کی عمر شریف تک کوئی بات نبوت کے بارے میں نہیں کی۔ بلکہ چالیس سال کے بعد بھی اپنی سادہ زندگی اور امانت و دیانت اور صداقت و عدالت کا ہی حوالہ دیکر اس دعویٰ نبوت میں اٹھیں اور صادق ہونے پر استدلال فرمایا، کما قال اللہ تعالیٰ: قل لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم ولا اذراکم بہ فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون“ کیا کوئی عقلمند اس امر کا قائل ہو سکتا ہے کہ ایک مقدس شخصیت منصب نبوت پر فائز ہو مگر نبوت کے دو تہائی عرصہ میں نہ اسکا اظہار و اعلان کرے نہ احکام خداوند تعالیٰ کی تبلیغ کرے نہ معروف کا حکم دے اور نہ منکرات سے منع کرے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں آپ کے متعلق اظہار کے طور پر فرمایا: قد كانت مدة اقامته بین اظهر ناقبل النبوة اربعین سنة۔ انکا ہمارے درمیان نبوت سے قبل قیام کا عرصہ چالیس سال تھا۔ صاحب البیت ادری بمافیہ کے مصداق گھر والوں کی گواہی سے بہتر اور برتر گواہی کسی کی ہو سکتی ہے؟

قال الله تعالى: ما كنت تدري ما الكتاب ولا الايمان۔

اسکی تفسیر میں حضرت علامہ ابو حیان اندلسی فرماتے ہیں کہ:

”تم وحی سے قبل قرآن کی قراءت و تلاوت کرنا نہیں جانتے تھے۔ اور نہ یہ کہ لوگوں کو

ایمان کی طرف دعوت کیسے دی جائے“

حضرت ابو بکر حداد فرماتے ہیں کہ:

”آنحضرت ﷺ نزول وحی سے قبل دین ابراہیم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا

کرتے تھے“

حضرت علامہ اسماعیل علیہ السلام حقی روح البیان میں فرماتے ہیں:

”محبوب خداوند کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شریعت کی

اتباع کرتے تھے۔ اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ تا آنکہ آپ ﷺ پر

وحی نازل ہوئی اور نبوت و رسالت عطا ہوئی تب اپنی شریعت پر عمل پیرا ہوئے“

وغیر ذالک من التفاسیر، جن سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نزول وحی اور نزول کتاب

سے قبل بالفعل نبی نہیں تھے۔ ورنہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی اتباع و اقتداء

کیوں کرتے جبکہ وہ عالم اور رواج میں آپ کے، تبع اور مقتدی تھے۔

بحیراء راہب نے بھی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی شہادت دی اور اسکی تصدیق کی

لیکن شیخ اجل شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ صحابی نہیں ہے بلکہ ان لوگوں میں سے

ہے جو آپ کی نبوت کے ظہور اور اعلان سے پہلے آپ پر ایمان لائے جس طرح حبیب

نجار وغیرہ۔ بلکہ ورقہ ابن نوفل نے ابتدائی وحی کے نزول پر آپ کے نبی آخر الزمان ہونے کی

بشارت دی اور آپ کی نبوت کی تصدیق فرمائی لیکن شیخ محقق نے انکو بھی صحابی تسلیم نہیں کیا کیونکہ یہ

وحی نبوت کے مقدمات اور تمہیدات میں سے تھی۔ اور آپ بالفعل اور عملی طور پر تبلیغ کے مرحلہ میں

نہیں تھے۔

وقت ولادت سے ہی آپ کو بالفصل نبی ماننے والوں سے ہمارا سوال ہے کہ جب چالیس سال بعد وحی اور نزول قرآن سے آپ ﷺ کو نواز گیا تو حضرت ورقہ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما کے سامنے آپ نے بطور تائید ہی کیوں نہ فرمادیا کہ میں تو بچپن سے ہی نبی ہوں۔ حضرت خدیجہ جیسی وفا شعار اور خدمت کار اور مجسمہ اخلاص و وفا کو بطور راز ہی کیوں نہ بتلادیا کہ میں روز ولادت سے منصب نبوت پر فائز ہوں۔ بلکہ اپنے شفیق و رحیم جدا مجد اور پیاری امی جان کو کیوں نہ یہ بشارت سنائی اور انکی خوش عقیدگیوں کو کیوں نہ چار چاند لگائے۔ حضرت ابو بکر صدیق جیسے مخلص اور محبت صادق اور ہراز و دمساز کو اور سفر و حضر کے رفیق و صاحب کو بھی آپ ﷺ نے آگہی نہ بخشی اور انہیں بھی آپ ﷺ کو ملنے والے اس منصب پر اطلاع ہوئی اور آپ کے اس شاندار مستقبل کی نشاندہی ہوئی تو بحیرا راہب کے ذریعے کیا آنحضرت ﷺ نے اپنی نبوت حقہ کو چھپائے رکھا؟ کیا ایسی حقیقت حقہ کو چھپانا نبی ﷺ کی ذات مقدسہ کو زیبا ہو سکتا ہے؟ حالانکہ احکام خداوندی کی تبلیغ نبی پر فرض ہوتی ہے، اور نبی کی بعثت کا بنیادی مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ لوگوں پر راہ راست اور صراط مستقیم کو واضح کریں۔ لہذا نبی ﷺ کی ذات کے متعلق یہ وہم اور گمان کہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی سے قاصر یا غافل رہے سراسر کفر ہے۔

یہ تمام تر شواہد اس امر کے شاہد صادق ہیں کہ آنحضرت ﷺ عمر شریف کے چالیس سال تک عالم اجسام میں بالفعل اور عملی طور پر نبی نہیں تھے۔ اسی لئے بعض علمائے امت اور عرفائے ملت نے آپ ﷺ کیلئے دو نبوتیں اور رسالتیں کی ہیں ایک عالم اور ارح میں ملائکہ میں اور ارواح انبیاء علیہم السلام کیلئے اور دوسری نبوت و رسالت عالم اجسام میں تمام انسانوں، جنوں اور ملائکہ بلکہ ساری مخلوقات کیلئے جو عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر عطا کی گئی۔

مخالف گروپ پر حیرت ہے کہ تمام علماء و فقہاء اور محدثین و مفسرین زمانہ قبل از نبوت

وزمانہ بعد از نبوت کی تقسیم میں آنحضرت ﷺ کی تیس (23) سالہ مدت نبوت کی تصریحات فرماتے ہیں، کسی ایک صاحب علم و فضل سے تریسٹھ سال مدت نبوت کا قول ثابت نہیں۔ اسی قبل از نبوت کے زمانہ اور بعد از نبوت کے زمانہ کی تقسیم اور اس مدت کی تعیین سے ہی حق اور حقیقت اور واقع اور نفس الامر کی تلاش اور جستجو باسانی کی جاسکتی ہے۔ واللہ الموفق۔ والحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

الفقیر محمد اقبال مصطفوی

مدرس جامعہ ہجویریہ، داتا دربار لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تأثرات عالیہ

استاذ العلماء، مفتی اعظم سرگودھا، حضرت علامہ مولانا محمد رشید چشتی
مفتی، جامعہ مدنیہ غوثیہ کمپنی باغ سرگودھا

شیخ الحدیث جامع المنقول والمعقول حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی کی
ذات گرامی تعارف کی محتاج نہیں ہے، ارباب علم و فضل کو معلوم ہے کہ حضرت شیخ الحدیث
صاحب نے اپنے فرض منصبی کا پاس کرتے ہوئے اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں دین متین کی
خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہیں۔ شب و روز محنت کر کے بذریعہ تدریس مسلک حقہ کو کثیر تعداد
میں علماء، خطباء اور مدرسین مہیا فرمائے، جہاں اور جب بھی اہل سنت کو کسی باطل فرقے کے
ساتھ مناظرہ کی ضرورت پیش آئی ہے تو جناب قبلہ شیخ الحدیث صاحب ہی مقابلہ کے لیے میدان
میں اترے، مخالف قوتوں کا مقابلہ کیا اور مسلک حقہ اہل سنت کے سر پر کامیابی کا تاج سجا کر علماء
اہل سنت سے خراج تحسین حاصل کیا۔

تدریس، مناظرہ اور محققانہ خطابت کے ساتھ ساتھ گونا گوں تدریسی اور تبلیغی
مصروفیات کے باوجود آپ نے تصنیف و تالیف میں بھی عمدہ اور نفیس کارنامے انجام دیے جو کہ
اہل علم و ذوق سے مخفی نہیں ہیں۔ میں نے آپ کی تازہ کتاب "تحقیقات العلماء الکرام
والائمة الاعلام فی نبوة سید الانام ﷺ فی عالمی الارواح والاجسام" کا بنظر غائر
مطالعہ کیا ہے، حضور والا نے محققانہ انداز میں دلائل و براہین کے ساتھ اپنے موقف کو قرآن و
حدیث کی نصوص، بزرگان دین کے اقوال اور سلف صالحین کے ارشادات سے بالکل واضح کر دیا
ہے، اب کسی کے لیے اس مسئلہ میں بحث و تمحیص کی گنجائش نہیں ہے۔

قبلہ استاذ مکرم نے اس مسئلہ کی تحقیق و تدقیق کا حق ادا کر دیا ہے اور اہل حوالے سے

علمائے اہل سنت کو جو غلط فہمی تھی اس کا ازالہ فرما دیا ہے۔ آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اکابرین اہل سنت یعنی حضور سیدنا غوث اعظم، حضور پیر سید مہر علی شاہ، حضور پیر طریقت خواجہ محمد شمس الدین سیالوی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہم اللہ کا بھی یہی عقیدہ اور نظریہ تھا۔ آپ نے ان اکابر کے عقائد کو انہی کے اقوال کی روشنی میں واضح کر کے ہر قسم کے شبہات اور مغالطات کا ازالہ فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول حق اور اعتراف حقیقت کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب سے نفع حاصل کرنے کی سعادت بخشے۔

امام المحققین، رئیس المناظرین، زبدۃ المصنفین، محسن اہل سنت، علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ کا ادب و احترام، ان کی گراں قدر خدمات کا اعتراف اور اس پر ان کا شکریہ ادا کرنا ہم سب پر فرض ہے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ، قبلہ استاذ مکرم کے علم و عمل میں مزید برکتیں عطا فرمائے، آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے، عوام و خواص کے لیے باعث منفعت اور حضرت مصنف کے لیے ذریعہ مغفرت اور ترقی درجات کرے۔ اور معاندین کو بغیر تحقیق کے سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر کے حضرت مصنف مدظلہ العالی کی توہین و تنقیص کرنے کی بجائے قبول حق کی سعادت نصیب کرے آمین

بحرمة سيد المرسلين صلى الله عليه وعلى اله واصحابه اجمعين

محمد رشيد عفتي عنه

خادم مدرسه مدنيه غوثيه، کمپنی باغ سرگودھا

۲۵ ذیقعد ۱۴۳۱ھ

تأثرات عالیہ:

استاذ العلماء، حضرت علامہ مولانا علی احمد سندیلوی دام ظلہ

لحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ واصحابہ اجمعین، اما بعد:

فضیلۃ الشیخ، جامع المعقول والمنقول حاوی فروع و اصول، استاذ الاساتذہ

افضل الاذکیاء اشرف العلماء، شیخ الحدیث والتفسیر علامہ محمد اشرف نیالوی دامت

برکاتہم، اپنی بہترین علمی و دینی اور تحقیقی و تصنیفی و تدریسی و خطابی صلاحیتوں کے پیش نظر جب بھی

کوئی کام کرتے ہیں ان کی تصنیفات و تالیفات بحر العلوم کی شناوری کا ثبوت دیتی ہیں۔ ان کا

طریقہ استدلال اچھوتا اور استنباط محققانہ اور نہایت سلیس و عمدہ ہے۔

جب تک کسی مسئلہ کا مالہ و ما علیہ خوب اچھی طرح سمجھ نہیں لیتے، بیان نہیں کرتے

پوری تحقیق اور اہل سنت کی مسلمہ شخصیات کے اس مسئلہ میں عقیدہ و نظریہ اور فیصلہ کو معلوم کرنے

کے بعد بلا لومہ لائم بیان کر دیتے ہیں خواہ اس کے بدلے میں اپنی جان، مال اور عزت و آبرو

کی بڑی سے بڑی قربانی دینی پڑے۔

چند دن ہوئے حضرت اشرف العلماء کی ایک تالیف ”تحقیقات العلماء الکرام و

الائمة الاعلام فی نبوة سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم فی عالمی الارواح والاجسام“ مارکیٹ میں

آئی ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں آپ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم ارواح و عالم

اجسام میں مراتب نبوت و رسالت کو بیان فرمایا ہے۔ اور عالم اجساد میں قبل از نزول وحی چالیس

سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ ولایت کی رفعت و عظمت کو بیان فرمایا ہے۔

اکابر اہل سنت و جماعت کے حوالہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو

نبوتیں اور دو رسالتیں عطا فرمائیں۔ پہلی مرتبہ عالم ارواح میں بالفعل آپ کو نبی اور رسول بنایا گیا

اور اس عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں اور ارواح انبیاء کو دعوت دی اور ان کی رہ نمائی فرمائی

اور دوسری مرتبہ عالم اجساد میں چالیس سال کی عمر شریف کو پہنچنے کے بعد۔

اس طرح آپ کو دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام سے امتیاز و انفرادیت حاصل ہوگئی کہ آپ ﷺ کو دوسری مرتبہ نبی اور دوسری مرتبہ رسول بنایا گیا۔ آپ ﷺ کا اسم گرامی الداعی اس لیے بھی ہے کہ آپ نے دونوں عالموں میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور رہ نمائی فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان و ما ارسلناک الا کافة للناس بشیرا و نذیرا میں اسی عموم کی طرف اشارہ ہے۔ انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کی امتیں اور تمام متقدمین و متاخرین کافة للناس کے عموم میں داخل ہیں، نبی مکرم ﷺ نے اپنے دونوں ادوار میں اصل اور مستقل نبی ہونے کے لحاظ سے دعوت دی اور آپ کی روحانی نبوت (عالم ارواح کی نبوت) دائم باقی اور مستمر ہے، سلب نہیں ہوئی نہ ہی اس کے سلب ہونے کا شائبہ ہے، پھر روحانی نبوت کے بھی پانچ مرتبے ہیں۔ اور عالم اجساد میں آپ ﷺ کو نبوت چالیس سال کے بعد بالفعل حاصل ہوئی جب جبریل امین علیہ السلام آپ پر وحی لے کر نازل ہوئے اور اس سے پہلے عالم اجساد والی نبوت کا مرتبہ بالقوة حاصل تھا (تفصیل کے لیے دیکھیے تحقیقات)

کتاب شائع کر کے حضرت نے بہت اچھا کیا، اور اہل سنت پر بڑا احسان کیا ہے، اگر کچھ عرصہ پہلے مارکیٹ میں آجاتی تو اور بھی اچھا ہوتا مگر ہر چیز کا اللہ کے ہاں وقت مقرر ہے اس لیے وہ چیز نہ مقدم ہو سکتی ہے نہ مؤخر۔

میں نے اس کتاب کا اول تا آخر گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے، اس میں کوئی بات اہل سنت و جماعت کے مسلمہ عقائد و نظریات اور اصول کے خلاف نہیں ہے۔ جن نوجوان علماء نے بلا سوچے سمجھے خاص انداز میں عقیدہ عطائے نبوت کو بیان کیا اس سے اخبار آحاد کا نصوص قرآنی، احادیث متواترہ اور احادیث مشہورہ، اجماع امت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ائمہ خلف و سلف کے اقوال سے تعارض لازم آتا ہے۔ جس طرح عقیدہ عطائے نبوت کو حضرت اشرف

العلماء نے بیان کیا، اس سے کسی قسم کا کوئی تعارض لازم نہیں آتا، انہوں نے اہل سنت و جماعت پر بڑا احسان کیا، اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل اور عمر میں برکات نازل فرمائے۔

اب علمائے کرام حوصلہ، بردباری اور ٹھنڈے دل سے اس کا مطالعہ کریں، اگر شرح صدر ہو جائے تو فیہا، ورنہ مصنف سے براہ راست رابطہ کر کے اپنے اشکالات ان کے سامنے پیش کریں اور انہیں بھی چاہیے کہ ان کے اشکالات کا تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔ اگر اشکال معقول ہو تو اسے شرح صدر سے قبول کریں، بڑے بڑے قومی مسئلے باہمی افہام و تفہیم سے حل ہو جاتے ہیں، دور سے ہی بم باری کرنا قوموں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، اس سے کسی فریق کی بھی عزت و آبرو محفوظ نہیں رہتی اس کا نتیجہ ہم بارہا دیکھ چکے ہیں۔

فوق کل ذی علم علیم کے مصداق اگر کسی کا علم حضرت مصنف سے زیادہ ہے اور اس نظریہ کے خلاف اس کے پاس قوی اور مضبوط دلائل ہیں تو ادب و احترام اور مرتبہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے سامنے پیش کرے۔ اپنے مقابل کی توہین و تذلیل، بدزبانی، گالی گلوچ کرنا انتہائی گھٹیا حرکت ہے کوئی بھی عقل مند اس کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ بے وقوف، پاگل اور صبیان اس پر بڑی داد دیتے ہیں اور زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں بالخصوص جب مقابل اپنے ہی بھائی اور بزرگ ہوں تو یہ جرم اور بھی سنگین ہو جاتا ہے اور اس سے مسائل حل ہونے کی بجائے مزید الجھ جاتے ہیں۔

ایک سوال جس کا جواب نہیں دیا جاتا:

جب بھی علمائے کرام کے مابین کوئی مسئلہ زیر بحث آتا ہے اور گفتگو میں ذرا تلخی آتی ہے تو ہر عام و خاص کہنے لگتا ہے کہ اس مسئلہ کو بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ یہ بات جس قدر زبان پر لانی آسان ہے اسی قدر اس کا نتیجہ بھی بہت خطرناک ہے اس لیے کہ اگر ہر مسئلہ میں یہ کہہ کر جان چھڑالی جائے کہ اس مسئلہ کو بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی، اس سے اختلاف پڑتا

ہے تو چند ہی سال کے اندر دینی عقائد و احکام کا حلیہ بگڑ جائے گا۔
 علمائے کرام کا فرض ہے کہ جب بھی کوئی مسئلہ پیش ہو اس پر غور و فکر اور بحث و مباحثہ کر
 کے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں۔

حررہ خویہ دار الافتاء

علی احمد السنديلوی

مرکز تدريس الافتاء والبصوت

۱۵۰، راوی روڈ نزد پیر کی لاہور

۱۴ رجب المرجب، ۱۴۳۱ھ ۲۷ جون ۲۰۱۰ء

بروز اتوار، پونے چار بجے بعد از نماز ظہر

محدث اعظم علیہ الرحمہ کے ایک مرید صادق، اللہ بخش کمانگر

کا اشرف العلماء کے نام مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

جناب محمد اشرف سیالوی صاحب! السلام علیکم

بندہ ناچیز اپنی زندگی کے ۴۴ سال بلوچستان ایران میں بطور کریلوے گارڈ گزار کر ملازمت سے فارغ ہو کر ۲۰۰۱ء میں یہاں (جھنگ) آیا، جب سے نہ صرف آپ کے خطابات سن رہا ہوں بلکہ آپ کی تمام تصانیف سوائے ہدایۃ المتمدن بذب الحیر ان کے قیمتاً خرید کر پڑھ چکا ہوں، ہدایۃ المتمدن بذب باوجود کوشش کے مل نہ سکی، آپ کی تازہ تصنیف تحقیقات پڑھ کر اس کے مفہوم کا اندازہ ہو گیا۔

جناب والا! ویسے تو آپ جس انداز میں اپنے ہر خطاب اور ہر تصنیف میں علم شریعت کو علم معرفت کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں یقین مانیں میں بہت ہی متاثر ہوں لیکن آپ کی تازہ تصنیف تحقیقات میں جس طرح آپ نے تحقیق فرمائی ہے اس کا شکریہ ادا ہی نہیں ہو سکتا، یہ کتاب پڑھ کر دل نے کئی مرتبہ کہا کہ سیالوی صاحب کو مبارک باد دوں لیکن میرے پاس الفاظ نہ تھے، اسی کشمکش میں پرسوں میں قرآن مجید کی تلاوت کے لیے بیٹھا، دوران تلاوت اونگھ آگئی، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔۔۔ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں اور مجھے کہہ رہے ہیں:

”اللہ بخش! تم کیوں تذبذب میں پڑے ہو محمد اشرف سیالوی کو کتاب تحقیقات پر مبارک باد کیوں نہیں دیتے“

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔۔۔ اتنا کہہ کر آپ میری آنکھوں سے او جھل ہو گئے۔

لہذا آپ بھی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اور اس کے بعد اس گناہ گار کی طرف سے بھی مبارک باد قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اقبال بلند کرے، اور آپ کو صحت و تندرستی والی لمبی زندگی عطا فرمائے تاکہ ہم جیسے گناہ گاروں کو آپ کے در اقدس سے فیض ملتا رہے۔

والسلام---

جو نہیں جانتے وفا کیا ہے۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لمن هو اول قديم بلا ابتداء و آخر كريم بلا انتهاء والصلوة
والسلام على من كان نبيا و آدم بين الطين والماء و على اله و اصحابه الكرماء
والشرفاء والتابعين لهم بالاحسان الى يوم الجزاء اما بعد:

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

کچھ عرصہ سے چند نوجوان، نونیز و اعظین کرام اور مقررین عظام اس طرح کا
پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اور شور شرابا برپا کیے ہوئے ہیں کہ محمد اشرف سیالوی، نبی کریم ﷺ کو بچپن
سے نبی تسلیم نہیں کرتا اور چالیس سال کے بعد آپ ﷺ کے لیے نبوت و رسالت کا تحقق تسلیم کرتا
ہے، اور یہ سراسر بے ادبی، گستاخی اور نبی الانبیاء ﷺ کی توہین و تحقیر ہے جو کہ سراسر کفر قبیح اور
ضلال صریح ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ کا اپنا ارشادِ لرامی ہے:

كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد

نیز صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا:

متى وجبت لك النبوة

یا رسول اللہ ﷺ آپ کو کب سے نبوت ملی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

و آدم بين الروح والجسد

میں اس وقت سے نبی ہوں جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کے بین بین تھے

یعنی ان کے بدن سے ان کی روح کا تعلق قائم نہیں ہوا تھا۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام عالم مہد میں نبوت سے سرفراز فرمائے گئے کما قال:

اتاني الكتاب وجعلني نبيا (مریم: ۳۰)

توسید الانبیاء صلی اللہ علیہم وسلم کا بطریق اولیٰ بچپن اور عالم مہد سے نبی ہونے ضروری ہوگا۔

علاوہ ازیں حضرت مکی علیہ السلام کے متعلق ارشاد خداوند تعالیٰ ہے:

اتَيْنَاكَ الْحُكْمَ صَبِيًّا (مریم: ۱۲)

”ہم نے حالتِ صبا اور بچپن میں ان کو حکم عطا کر دیا“ اور ظاہر ہے اس سے حکم نبوت

مراد ہے تو اگر وہ بچپن سے ہی حکم نبوت کے مالک تھے تو سرور انبیاء علیہ السلام بطریق اولیٰ احکام شریعت اور نبوت کے مالک ہونے چاہئیں۔

نیز جب تخلیق آدم سے قبل آپ کو نبوت مل چکی تھی تو پیدا ہونے پر وہ کدھر گئی؟ کیا آپ

صلی اللہ علیہم وسلم سے نبوت کو سلب کر لیا گیا؟ کیا انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اس طرح کا سلوک اللہ تعالیٰ عزوجل کی طرف سے ہو سکتا ہے؟ قطعاً نہیں!

لہذا ثابت ہو گیا کہ محمد اشرف سیالوی اہل سنت سے خارج ہو چکا ہے وہ اس عظیم

گستاخی کا مرتکب ہو کر دائرہ اسلام اور حلقہ ایمان سے بھی باہر چلا گیا ہے اور اس نے سابقہ عقیدہ اور نظریہ ترک کر دیا ہے وہابیہ والا نظریہ اور عقیدہ اپنالیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ الغرض طرح طرح کی باتیں کی گئیں اور کی جا رہی ہیں اور شاید عرصہ تک کی جاتی رہیں۔

بندہ سنتا رہا اور صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے تقریری اور تحریری طور پر جواب دینے سے

اجتناب برتتے ہوئے انتظار کرتا رہا کہ کوئی صاحب عوامی سٹیج پر اس موضوع کو اچھالنے سے قبل یہ سوچتے ہیں اور یہ تکلیف اور زحمت برداشت کرتے ہیں یا نہیں کہ اس الزام اور اتہام کا مبداء اور

منشاء کیا ہے؟ سیالوی کی کونسی عبارت ہے جس سے یہ گستاخی و بے ادبی و توہین و تحقیر ثابت کی

جا رہی ہے اور فتویٰ بازی اور تمبر بازی شروع کر دی گئی ہے؟ اور اس نظریہ اور عقیدہ کو تبدیل کرنے

کی کونسی علت موجبہ پیش آگئی ہے؟ حالاں کہ بندہ ابھی زندہ موجود تھا ملاقات ہو سکتی تھی وضاحت

طلب کی جاسکتی تھی دلائل اور وجوہات دریافت کیے جاسکتے تھے۔

نیز جب ایک ایسا مسئلہ ان حضرات کے سامنے پیش آیا تھا جو ان کے گمان کے مطابق مبنی بر ضلال تھا تو اس کے متعلق تحقیق و تفتیش کر لی جاتی، اسلاف کی کتب کا مطالعہ کر لیا جاتا، کتبِ نقاسیر، کتبِ احادیث اور کتبِ کلامیہ اور سیرت کی کتابیں دیکھ لی جاتیں تاکہ حق واضح ہو جاتا اور معلوم ہو جاتا کہ کون سا عقیدہ درست ہے اور کون سا غلط؟ اور یہ کہ اس حوالے سے اکابر اہل اسلام کی آراء کیا ہیں؟

مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

افسوس صد افسوس! کہ قطعاً اس قسم کی کوئی سعی مشکور نہ دیکھنے میں آئی اور نہ سننے میں، اتنا بھی نہ سوچا گیا کہ محمد اشرف سیالوی حسب سابق وہابیہ اور گستاخ فرقوں کا رد کر رہا ہے اور ان کے ساتھ اسی طرح محاذ آرا ہے تو پھر اعتقاد و نظریہ میں تبدیلی کا سبب و موجب کیا ہوا؟ جبکہ نہ کسی سے دنیوی مفاد اٹھایا اور نہ ہی ان دشمنوں کی دشمنی اور مخالفت سے خلاصی اور چھٹکارا حاصل کیا، اتنا گھائے اور خسارے والا سودا کون کر سکتا ہے؟

کم از کم اتنا ہی سوچ لیا جاتا کہ اشرف سیالوی ان کی طرح شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر نہ سہی، فقیہ اعظم اور بحر العلوم نہ سہی، علماء اسلام میں اس کا شمار نہ سہی، کم از کم ایک محنتی طالب علم تو تھا بھی اور اب بھی ہے، مطالعہ کی عادت اس نے ابھی تک ترک نہیں کی اور نہ ہی کسی سطح کے استاذ نے اسے کندھنی اور بلاوت یا عدم مطالعہ کے ساتھ مطعون و متہم ٹھہرایا اور نہ ایسا ہوا کہ اس کی باتوں کو ناقابل التفات سمجھا ہو حالانکہ بڑے اکابر، عظیم ترین محدثین و مفسرین، شیوخ الحدیث، شیوخ التفسیر اور مناطقہ و فلاسفہ کے پاس استفادہ و استفاضہ اور تلمذ کا شرف حاصل کیا ہوا ہے۔

پھر یہ کہ قرآن مجید ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کے حق میں حسن ظن سے کام لینے کا حکم

دیتا ہے:

لَوْلَا إِذْ سَبَعْتُمْوهَ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا (النور: ۱۲)

یہ بھی نہ سوچا گیا کہ ہم فوراً اور آنا فانا بدظنی اور بدگمانی کا شکار ہو کر گناہ گار تو نہیں ہو رہے؟

نبی کریم ﷺ نے ہر سنی سنائی بات کو تحقیق کے بغیر بیان کرنے اور حکایت و روایت کرنے سے روکا ہے اور ایسے لوگوں کو کاذب اور جھوٹا قرار دیا ہے، ارشادِ نبوی ہے:

كفى بالمرء كذبا أن يروى بكل ما سمع

تو کہیں ہم خود جھوٹے لعنتی اور کاذب تو نہیں بن رہے ہیں؟

الحاصل بندہ کا موجودہ جملہ مدعیان علم و فضل اور مقررین و واعظین (الآ ماشاء اللہ) کے بارے میں یہ تاثر پختہ ہو گیا ہے کہ یہ حضرات علم و دانش اور مطالعہ و کتب بینی کے دشمن ہیں، کسی ہم مسلک اور ہم مذہب عالم کے ساتھ نہ ان کو ہمدردی ہے اور نہ محبت و الفت؟ یہ لوگ نہ کسی کے حق میں اخلاص اور حسن ظن سے کام لینے کو تیار ہیں اور نہ کسی اپنے کو اپنا سمجھ کر راضی ہیں، بلکہ بغض و حسد، عناد اور کینہ پروری کا مجسمہ ہیں۔ کسی گمراہ کو سنبھالنے کی بجائے اسے مزید نیچے دھکیلنے کے درپے ہیں، اگر لوگ کسی کو عزت و توقیر کی نظر سے دیکھیں تو یہ حضرات گھاگھ دشمن کی طرح اس پر حملہ آور ہونے کے لیے صرف موقع کی تلاش میں ہی نہیں رہیں گے بلکہ اس کا خیر کے لیے گھناؤنی اور بھیانک تدبیریں بھی خوب خوب سوچیں گے۔ اور یہ قطعاً نہیں سوچیں گے کہ اپنے بغض و عناد کی آگ بجھانے کے لیے ہم اپنے دین و مذہب کے خرمین کو بھی کس قدر نذر آتش کر رہے ہیں۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

جواب طلب سوال:

میرا اہل سنت کے اہل علم سے یہ سوال ہے کہ ہمیں بتلایا جائے اس وقت کون اہل

سنت کا امام و مقتدا اور رہبر و رہنما ہے تاکہ ہم جیسے طالب علم اس سے اجازت لے کر کوئی بات زبان پر لائیں یا کوئی جملہ نذر قرطاس کریں؟ کوئی بھی آدمی علمی کام کرنے لگے تو اس کے لیے دوہرا امتحان ہوتا ہے، مخالفین مذہب کا رفاع اور ان پر رد و قدح بھی کرے اور اپنے لوگوں کی طعن و تشنیع اور اعتراضات و تنقید کا ہدف بھی بنے۔ ظاہر ہے ایسی حرکتیں اپنے ہاتھوں اپنے مذہب و مسلک کو تباہ کرنے کی دانستہ نہیں تو نادانستہ جدوجہد اور سعی نامشکور ضرور ہے۔

۱ نہ عالمی سطح پر ہماری کوئی حیثیت ہے نہ ہی اپنے ملک میں کوئی اہم مقام حاصل ہے اور کابریں میں سے جو بھی عالم جاوردانی کو رخصت ہوتا ہے اس کی مسند خالی ہی رہتی ہے اس خسارے اور نقصان کی تلافی کا بھی قطعاً کوئی خیال نہیں صرف اور صرف ایک فریضہ اپنے اوپر لاگو کر رکھا ہے کہ آپس میں لڑو اور لڑاؤ دوسروں کو بھی بے عزت کرو اور خود بھی بے عزت بنو، نعوذ باللہ من ہذا الخذلان والخسران۔

گناہ بے گناہی:

بندہ کا اس مسئلہ میں قصور اور گناہ کیا ہے اور مجھے ہدف تنقید بنانے کا موجب کیا ہے؟ میں نے اپنے ناقص مطالعہ کے مطابق اکابرین ملت اور اسلاف کرام کے باہم متخالف اور متناقض اقوال کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف درمیانی راستہ نکالنے کی سعی اور جدوجہد کی ہے۔ بعض عرفائے کرام کا ارشاد یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ بالفعل نبی تھے کیوں کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد جب کہ علمائے ظاہر فرماتے ہیں کہ بالفعل نبی ہو اور نبوت کا دعویٰ نہ کرے، نہ ہی تبلیغ احکام فرمائے یہ خلاف عقل ہے اور ایسا قول سراسر جہالت ہے اور ان کے نزدیک اس حدیث اور اس کی ہم معنی احادیث کا مطلب یہ تھا کہ مستقبل میں آپ کے نبی بنائے جانے کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اور اس کی اشاعت و تشہیر کر دی گئی تھی۔

بندہ نے دونوں طرح کے اقوال کو برحق تسلیم کرتے ہوئے درمیانہ راستہ یہ اختیار کر لیا

کہ دونوں عالم کے معاملات اور احکام جدا گانہ ہیں، عالم ارواح میں آپ بالفعل نبی تھے، ارواح انبیاء اور ملائکہ آپ سے استفادہ اور استفادہ کرتے تھے اور جب آپ کی روح اقدس کو لباس بشری پہنایا گیا اور مادی و جسمانی مخلوق کے لیے نبی بنایا گیا تو بالفعل نبوت چالیس سال کے بعد سوئی گئی کیوں کہ جسمانیت اور بشریت فی الجملہ ستر اور پردہ بن گئے اور حاجب و مانع بنے۔ پھر رفتہ رفتہ جسم پاک اور بدن انور نورانیت اور تجرد کی طرف منتقل ہوتا رہا جب استعداد و صلاحیت بڑھ گئی تو وحی کے مراتب میں بھی ترقی آتی گئی۔ کبھی منامات صادقہ سے آغاز ہوا، پھر جبریل امین بشری حالت میں منقلب ہو کر وحی پہنچاتے رہے، پھر اصلی حالت میں رہتے ہوئے جب کہ آپ انخلاء من البشریۃ الی الملکیۃ کے مقام پر پہنچ چکے تھے یعنی لباس بشری سے الگ ہو کر ملکی حالت میں ڈھل کر بھی وحی وصول فرمالتے تھے، بیت المقدس میں امام الانبیاء والمرسلین بنے تو بیت المعمور میں امام الملائکہ، اور پھر اس مقام تک بھی رسائی ہوئی کہ مقام سدراہ آپ کی گردراہ بن چکا تھا، مکیں سدراہ اور امین الوحی ایک بال برابر بھی آپ کی پرواز کا ساتھ دینے پر فروغ تجلی سے اپنے پروں کے جل جانے کا خطرہ ظاہر کر رہے تھے اور ہم راہی و رفاقت سے معذرت کر رہے تھے، مگر آپ مکین لامکان بن کر جلوہ ذات کا مشاہدہ بھی فرما رہے تھے اور براہ راست ہم کلامی اور وحی کی وصولی کا شرف بھی حاصل فرما رہے تھے، دنی فتدلی فکان قناب

قوسین او ادنی۔ فاوحی الی عبدہ ما اوحی

اٹھے جو قصر دنی کے پردے، کوئی خبر دے تو کیا خبر دے

وہاں تو جا ہی نہیں ذوقی کی، نہ کہہ کے وہ بھی نہ تھے ارے تھے

لیکن ابتدائی ادوار یہ بھی ہیں کہ چار سال کی عمر میں شوق صدر کیا جا رہا ہے تاکہ لہو و لعب کی طرف میلان نہ ہو، دس سال کی عمر میں شوق صدر ہو رہا ہے تاکہ شہوانی خیالات قریب نہ پھٹک سکیں، پھر چالیس سال کی عمر میں شوق صدر کیا گیا تاکہ باروحی کے متحمل ہو سکیں۔ وضو کا طریقہ

جبریل امین بتلا رہے ہیں، نماز پڑھنے کا طریقہ وہ سکھلا رہے ہیں، پھر عملی طور پر نماز پڑھ کر اور پڑھا کر تعلیم و تربیت کا واسطہ اور وسیلہ بن رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ حالاں کہ عالم ارواح والی نبوت سلب تو نہیں ہوئی تھی اور جبریل امین علیہ السلام بھی وہاں آپ کے مستفیدین میں شامل تھے۔

لہذا بندہ نے درمیانی راستہ اپنایا کہ روح مجرد کا معاملہ الگ ہے اور روح متعلق بالبدن کا معاملہ الگ ہے۔ وہاں کے احکامات اور ہیں یہاں کے معاملات الگ۔ لہذا وہاں جو نبوت بالفعل تھی اور اس کے آثار عملی طور پر ظاہر تھے وہ بشریت کے پردہ اور حجاب کی وجہ سے مغلوب و مستور ہو گئی تھی اور فقط روحانی اور باطنی رہ گئی تھی اور جسمانی اعتبار سے بالقوہ رہ گئی، بعد ازاں اوج کمال تک رسائی حاصل کر لی اور جسمانی طور پر بھی اعلیٰ ترین مدارج اور ارفع ترین مراتب تک رسائی پائی اور کمالات انبیاء کے لیے بھی جامع بن گئی۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، یسوع مسیح، آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تہاداری

اور یہ درمیانی اس لیے اپنایا تا کہ نہ اس مضمون کی احادیث کو محض مجاز ماننا پڑے اور فقط مایوول الیہ اور مشارفت کا سہارا لینا پڑے (جیسا کہ فقط چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد حصول نبوت کا قول کرنے کی صورت میں مجاز بالمشارفہ اور مجاز باعتبار مایوول الیہ کے ارتکاب کے بغیر چارہ نہیں ہے) اور نہ ہی دوسری طرف ابتدائے ولادت میں بالفعل نبوت مان کر بے عقلی اور جہالت کا طعن برداشت کرنا پڑے اور اس نبوت کو معاذ اللہ کھیل اور مزاح کے قبیل سے ماننا پڑ جائے کہ نبی تو آپ کو بنا دیا مگر اس کا اظہار مت کیجیے گا اور نہ ہی وعظ و نصیحت کیجیے گا جیسا کہ علامہ میز سید شریف جرجانی، علامہ قرطبی اور حضرت شاہ عبدالعزیز علیہم الرحمہ نے اس نظریہ (چالیس سال سے پہلے بالفعل نبی تسلیم کرنا) پر اسی طرح کے اعتراضات کیے ہیں۔ معترضین سے میری گزارش یہ ہے کہ اگر آپ کو یہ راہ، راہ راست معلوم ہو اور اس پر

گام زن ہونے کو جی چاہے تو فنبہا، ورنہ جس راہ کو موزوں سمجھیں ادھر رجوع کر لیں، بندہ کسی کو اس نظریہ کے اپنانے اور اس راہ پر چلنے کا پابند نہیں کر سکتا۔ بندہ کی چوں کہ یہ سوچی سمجھی رائے ہے، اور کامل غور و فکر کے بعد اس کو راہ راست اور صراط مستقیم سمجھ کر اپنایا ہے لہذا مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، اسلاف کرام اور علمائے اعلام کی عظیم جماعت کا دامن میرے ہاتھ میں ہے اور ان کے مقدس نقوش قدم میرے لیے نشان منزل ہیں والحمد لله علی ذلک۔

محض میری ذات کو ہدف تنقید بنانے والے حضرات یہ بھی دیکھیں کہ اُن کی اس تنقید کی زد میں کون کون سی ہستیاں آرہی ہیں اور اُن کے تیر و تفتنگ کا ہدف کون کون سے مقدس نفوس بن رہے ہیں؟ اس کا تفصیلی بیان عن قریب ہدیہ ناظرین ہوگا۔

بہتانِ عظیم:

بندہ نے عالم ارواح اور عالم اجسام کے معاملات کا فرق بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم سے بھی البتہ ہر کم پوچھا گیا تھا اور ہم نے جواب میں ہلی بھی کہا، لیکن یہاں پر ہمیں کچھ بھی یاد نہیں نہ سوال اور نہ ہی جواب۔ ابو جہل، ابولہب، فرعون، نمرود، شداد وغیرہ نے بھی یہ جواب وہاں دیا تھا لیکن یہاں ان کا حال کیا ہوا۔ اس پر بعض حضرات کو شدید اعتراض ہے اور انہوں نے اس قول کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو عامی لوگوں پر قیاس کرنے اور بالخصوص ان کفار و ملعونین پر قیاس کرنے کا کیا جواز ہے اور کون مومن ایسا قیاس کر سکتا ہے؟

جواباً گزارش یہ ہے کہ بندہ تو ایک عالم کا دوسرے عالم سے فرق واضح کر رہا تھا نہ کہ کسی نبی کی ذات اقدس کو دوسرے لوگوں پر قیاس کر رہا تھا۔ نیز یہ حضرات اگر قول باری تعالیٰ مثل نوره کمشکوۃ فیہا مصباح الآیۃ اور قول مصطفوی مثلی ومثل الانبیاء من قبلی (الی) انا اللبنة کو دیکھیں تو پتہ نہیں اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ کے حق میں کیا ارشاد فرمائیں گے؟

اللہ تعالیٰ نے اس فانی اور محدود روشنی والے چراغ کے ساتھ اپنے نور کی تمثیل دے کر اپنی توہین کر دی ہے اور نبی ﷺ نے اپنے آپ کو قصر نبوت کی ایک اینٹ اور جامد و بے عقل و بے شعور چیز کا عین ٹھہرا کر اپنی توہین و تحقیر کر دی ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ صحیح سوچ اور فکر نصیب فرمائے اور مقصودِ متکلم بھی سمجھنے کی توفیق بخشے۔ وما ذالك على الله بعزیز

باب اول

الزام و اتہام کا مبداء و منشاء:

سب سے پہلے یہ الزام و اتہام پیرزادہ شاہ نصیر الدین صاحب گولڑی نے عائد فرمایا تھا اور بندہ نے ہدایۃ المتذنب ذنب الحیران میں اس کا مناسب اور موزوں جواب دیا تھا، اگر انہیں یا دیگر اہل علم کو اس پر اطمینان نہیں تھا تو ان دلائل اور حوالہ جات کا جواب دیا جاتا جو بندہ نے ذکر کیے تھے مگر اس کے برعکس انہوں نے اپنے مریدین اور متعلقین کے ذریعے صرف اس امر کی تشہیر ضروری سمجھی کہ محمد اشرف سیالوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن سے نبی نہیں مانتا اور دوسرے مولوی صاحبان نے بھی ان کی تقلید میں یہ شور و شر پھیلانا شروع کر دیا اور انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس میں بڑا خلل محسوس ہونے لگا۔

خبر نہیں علماء کی یہ فوج ظفر موج اس وقت کہاں گئی تھی جبکہ موصوف نے بلا استثناء تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو اعانت اور امداد سے عاجز اور قاصر ثابت کرنے کے لیے ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دی تھی جسے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لگا کر اور پاؤں گردن سے ملا کر اونچے درخت کے ساتھ سولی پر لٹکایا گیا ہو اور اسے سولی پر لٹکانے والا ہر طرح کے اسلحہ کے انبار لگا کر اس کے پاس بیٹھا ہو اور ہر ہتھیار اس پر استعمال کر رہا ہو اور ساتھ ہی موصوف نے یہ تاثر دیا تھا کہ ”کیا اس وقت کوئی سولی چڑھے سے استمداد و استعانت کرنے کا یا سولی چڑھانے والے سے“

اور طرفہ یہ کہ پیرزادہ صاحب نے ان تمام خیالات کو پیران پیر حضرت سیدنا غوث اعظم کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ مجھے تو حید کا یہ سبق آپ کی کتب کے مطالعہ سے ملا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پیرزادہ صاحب کی کتاب ”اعانت و استعانت“)

کی شرعی حیثیت“)

اس کا جواب بندہ نے ”ازالۃ الريب“ اور ”هدایۃ المتذہذب الحیران“ تالیف کر کے دیا تھا اور بزعم خویش نبی مکرم ﷺ کے ان عشاق اور پروانوں کو پتہ نہیں زمین نکل گئی تھی یا آسمان نے اچک لیا تھا؟ ان حضرات کو اس وقت صرف اور صرف یہی ڈر اور خوف دامن گیر تھا کہ پیرزادہ صاحب بڑی زور آور اور جابر اور باوسائل شخصیت ہیں کہیں کسی مشکل صورت سے دوچار نہ ہونا پڑے مگر ادھر تسلی ہے کہ محمد اشرف سیالوی ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے لہذا سستی شہرت بھی حاصل کر لو اور مفت میں شمع نبوت کے پروانوں میں نام بھی لکھوا لو۔

(یہاں ہم سب سے پہلے ”هدایۃ المتذہذب الحیران“ سے وہ اقتباس نقل کر رہے ہیں جس میں پیرزادہ صاحب کی طرف سے اٹھائے جانے والے اس اعتراض کا جواب اجمالی طور پر دیا گیا تھا، یہ بحث مذکورہ کتاب کے صفحہ 296 سے 305 تک موجود ہے۔

نفی نبوت اور انکار رسالت کا بہتان عظیم

پیرزادہ صاحب نے مجھ پر یہ بہتان بھی باندھا ہے کہ میں نبی مکرم ﷺ کی نبوت کا منکر ہوں اور آپ کی رسالت کا بھی کیونکہ میں نے کہا ہے کہ غار حرا میں جبریل علیہ السلام جس وقت حاضر ہوئے اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کو نبوت ملی اور اس پہلی وحی سے قبل آپ کو نبوت ہی نہیں ملی تھی۔

(ملخص صفحہ 241)

یعنی حضور ﷺ کو غار حرا میں پہلی وحی اور جبریل امین کے بھیجنے کے بعد رسالت سے نوازا گیا جبکہ روز میثاق سارے نبیوں سے وعدہ لیا گیا تو فرمایا گیا ﴿ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم﴾ یہاں بھی آپ پر لفظ رسول کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(ملخص صفحہ 243)

پیرزادہ صاحب کی علمائے اعلام اور اکابرین ملت

کے عقیدہ و نظریہ سے بے خبری

بندہ کی اس موضوع پر مدتوں سے مطبوع کتاب پڑھے لکھے حضرات کے مطالعہ میں ہے اور اس موضوع پر اٹھائے جانے والے اعتراضات اور اشکالات کے مکمل جوابات اس میں موجود ہیں یعنی ”تنویر الابصار بنور النبی المختار“ اور پیرزادہ صاحب نے یہ اعتراف بھی فرمایا ہے کہ ”ازالة الريب عن مقالة فتوح الغيب“ کی نسبت سیالوی صاحب کی دوسری کتابیں اچھی ہیں تو ظاہر ہے ان کا مطالعہ کر کے ہی یہ رائے قائم کی ہوگی مگر یہاں مجھ پر نفی نبوت اور انکار رسالت کا الزام بھی عائد کر دیا ہے کیونکہ لباس بشری اوڑھنے کے بعد جب آپ کو خلق خدا کی ہدایت کا فریضہ سونپا گیا اور منصب نبوت و رسالت سے نوازا گیا تو غار حرا میں جبریل علیہ السلام کے وحی لانے پر ہی یہ منصب آپ کو عطا ہوا لیکن پیرزادہ صاحب کہتے ہیں ”اور اگر آپ پر قبل وحی نہ لفظ نبی کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ ہی لفظ رسول کا تو پھر پیچھے بیچ کیا جاتا ہے“

(صفحہ نمبر 243)

(1) حالانکہ علمائے سیرت نے محبوب کریم علیہ السلام کے خصائص میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ اول الانبیاء ہیں از روئے تخلیق اسی طرح یہ بھی ذکر فرمایا کہ آپ از روئے بعثت آخری نبی ہیں اور ان دونوں خصائص کو احادیث صحیحہ کے ساتھ مدلل انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اور علمائے کلام نے بھی کتب عقائد میں تصریح فرمائی ہے اول الانبیاء آدم علیہ السلام و آخر ہم محمد علیہ السلام لہذا یہ بات تو طے شدہ اور مسلم حقیقت ہوئی کہ لباس بشری اور تخلیق عنصری کے لحاظ سے آپ آخری نبی ہیں اور اس امر کو بھی کتب احادیث اور کتب سیرت میں مستقل عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا۔ باب المبعث اور بدأ الوحی اور اس کے ضمن میں تصریح موجود ہے کہ

چالیس سال کے بعد آپ کو نبوت عطا کی گئی۔

مشکوٰۃ شریف میں اس عنوان کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے

﴿عن ابن عباس قال بعث رسول الله ﷺ لاربعين سنة فمكث بمكة ثلاث عشرة

سنة يوحى اليه ثم امر بالهجرة فهاجر عشر سنين ومات وهو ابن ثلاث وستين سنة﴾

(متفق عليه)

یعنی رسول گرامی ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے پس تیرہ سال مکہ شریف میں قیام

پذیرا ہے پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو دس سال ہجرت کی حالت میں (مدینہ طیبہ میں) گزارے پھر آپ

کا وصال ہو گیا جبکہ آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔

علامہ علی قاری مرقات میں "بعث" کے تحت فرماتے ہیں ﴿ای جعل مبعوثا الی الخلق بالرسالة

﴾ اور "لاربعین" کے تحت فرمایا:

﴿ای وقت تمام هذه الملة قال الطيبي الام فيه بمعنى الوقت﴾

(جلد 11 صفحہ 103)

یعنی آپ کو عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا

گیا۔

(2)۔ نیز فرماتے ہیں ﴿والاظهر انه كان قبل الاربعين وليا ثم بعدها صار نبيا ثم

صار رسولا﴾

(جلد 3 صفحہ 308)

اور زیادہ ظاہر اور جزمی امر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چالیس سال پورے ہونے سے

قبل صرف ولی تھے اور اس مدت کے پورے ہونے پر نبی بن گئے بعد ازاں منصب رسالت پر

فائز ہوئے۔

(3)۔ نیز اس میں علمائے اعلام کا اختلاف ہے کہ آپ نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے قبل

غارجاء میں جو عبادت کیا کرتے تھے تو وہ کس شریعت کے مطابق ہوتی تھی۔ چنانچہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

﴿ اختلف العلماء فی ان نبینا ﷺ قبل النبوة هل كان متعبدا بشرع
 قبل كان علی شریعة ابراهیم وقیل موسیٰ وقیل عیسیٰ والصحیح انه لم یکن
 متعبدا بشرع لنسخ الكل بشریعة عیسیٰ ﷺ وشرعة قد كان حرف وبدل
 قال تعالیٰ ما كنت تدري ما الكتاب ولا الايمان ای شرائعه واحكامه ﴾

(جلد 3 صفحہ 308)

ترجمہ:

بعض حضرات نے کہا آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عمل فرماتے تھے اور بعض نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا ہونے کا قول کیا اور بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر کار بند ہونے کا مگر صحیح یہ ہے کہ آپ پہلی کسی شریعت پر کار بند نہیں تھے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے ساتھ منسوخ ہو چکی تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تحریف اور تغیر و تبدیلی پائی گئی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا تم اپنے طور پر نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے یعنی اس کے شرائع اور احکام کی تفصیلات کو نہیں جانتے تھے۔

سوال یہ ہے کہ اگر بقول پیرزادہ صاحب حضور اکرم ﷺ کو پیدائش کے وقت سے ہی نبی اور رسول تسلیم کیا جائے تو ان علماء پر کیا فتویٰ عائد ہوگا جنہوں نے چالیس سال پورے ہونے پر آپ کو نبوت ملنا تسلیم کیا بلکہ ان صحابہ کرام پر کیا فتویٰ عائد ہوگا جنہوں نے اس حقیقت کو بیان کیا؟

نیز علمائے اعلام میں یہ اختلاف ہی کیوں پیدا ہوا کہ آپ کس شریعت پر عمل پیرا تھے اور

مختلف انبیاء علیہم السلام کے نام کیوں لئے گئے کہ فلاں کی شریعت یا فلاں کی شریعت پر آپ عمل پیرا تھے۔

(4)۔ علاوہ ازیں نبی کی تعریف یہ ہے ”انسان بعثہ اللہ الی الخلق لتبلیغ الاحکام“ وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کیلئے مبعوث فرمائے۔ تو کیا آپ نے عمر شریف کے پہلے حصے میں تبلیغ فرمائی؟ جب نہیں اور بالکل نہیں بلکہ اس خاموشی اور دعویٰ سے دوری کو اپنی صداقت دعویٰ پر بطور دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ قل لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم ولا ادراکم بہ فقد لبثت فیکم عمرا

من قبلہ افلا تعقلون ﴾

ترجمہ:

فرمادیتے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا میرا تم پر قرآن کو تلاوت نہ کرنا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے آگاہ کرتا تحقیق میں تمہارے درمیان عمر کا بہت بڑا حصہ ٹھہرا رہا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

اگر آپ نبی اور رسول تھے تو تبلیغ فرماتے اور ان کے کفر و شرک اور دیگر گناہوں پر سکوت اور خاموشی اختیار نہ فرماتے لیکن اس سکوت کو اپنی سچائی اور حقانیت کی دلیل کے طور پر پیش فرما رہے ہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے مجھے تبلیغ احکام کا پابند نہیں کیا تھا اور یہ ذمہ داری نہیں سونپی تھی میں نے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور تمہیں اتباع و اطاعت کا حکم نہیں دیا۔ اگر میں نے اپنے طور پر جھوٹا دعویٰ کرنا ہوتا تو پہلے کر دیتا اور جب پہلے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو اب بھی جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔

”شرح عقائد نسفی“ میں علامہ تفتازانی نے آپ کی نبوت والے دعویٰ پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأَمَّا نُبُوءة مُحَمَّد ﷺ فَلأنه ادعى النبوة واطهر المعجزات﴾

یعنی آپ کے نبی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزات ظاہر فرمائے (اور ہر ایسا شخص جو دعوائے نبوت بھی کرے اور معجزات بھی ظاہر کرے وہ نبی ہوتا ہے لہذا آپ نبی ہیں)

تو معلوم ہوا کہ دعوائے نبوت اور اظہار معجزہ کے بغیر نبوت ثابت نہیں ہوتی اور جب یہ دعویٰ پایا گیا اور معجزات اس دعویٰ کی تصدیق و تائید میں ظاہر ہوئے تو آپ کا مخلوق کی طرف مبعوث ہونا اور نبی و رسول ہونا متحقق ہو گیا۔

عالم ارواح کے احکام جدا گانہ ہیں

محبوب کریم ﷺ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے اور انبیاء علیہم السلام اس دلیس میں آپ سے استفادہ فرماتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی نبوت خارج میں موجود و متحقق نہیں تھی صرف علم الہی میں نبی تھے جبکہ آپ بالفعل اور خارج میں نبی تھے اور انبیاء و رسل اور ملائکہ کے مربی اور فیض رسال تھے جیسے کہ ”كنت اول النبیین فی الخلق و آخرهم فی البعث“ اور ”قالوا متی وجبت لك النبوة قال و آدم بین الروح والجسم“ سے ظاہر ہے۔ لیکن عالم بشریت اور وجود عنصری کا حکم جدا گانہ ہے۔ تمام لوگوں نے وہاں ”الست بربکم“ کے جواب میں ”بلسی“ کہا اور ایمان لائے لیکن یہاں پھر ایمان لانے کے ساتھ مکلف بھی ہیں اور کافر و مشرک اور مومن و موحد اور مخلص و منافق کی تمیز بھی ہے لہذا عالم ارواح میں نبی ہونے سے پیدا ہوتے ہی نبی و رسول ہونا لازم نہیں آتا۔

پیرزادہ صاحب کا ذہنی انتشار اور تغافل شعاری

آپ فرماتے ہیں روز میثاق انبیاء علیہم السلام سے عہد لیتے وقت فرمایا گیا ہے ﴿ثم

جاء کم رسول ﴿ (الآیة) یہاں بھی آپ پر رسول کا لفظ بولا گیا ہے۔ اگرچہ آپ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے اور دیگر انبیاء علیہم السلام آپ سے مستفیض اور مستفید ہوتے رہے لیکن آیت کریمہ میں یہ مراد نہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے وہاں ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیا گیا بلکہ اس قول باری تعالیٰ میں دنیوی بعثت کے متعلق ان سے عہد لیا گیا تھا

﴿ اذاخذ الله ميثاق النبيين لما آتيتكم من كتاب وحكمة ثم جاءكم رسول ﴾

(الآیة)

ترجمہ:

یاد کرو اس وقت کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو تمہاری نبوت اور کتابوں وغیرہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا تو ضرور بالضرور ان کے ساتھ ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے۔

ہر مفسر نے اس کا یہی معنی بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں آپ کے مبعوث ہونے پر اگر وہ رسل کرام اور انبیاء علیہم السلام ظاہری حیات کی ساتھ موجود ہوں تو وہ ایمان لانے اور امداد و اعانت کے پابند ہوں گے اور اپنی امتوں کو بھی اس امر کا پابند کریں گے۔ حضرت علی مرتضیٰ ؑ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے بھی یہی منقول ہے اور علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمان رسول ﷺ ”لو كان موسى حيا لما وسعه الا اتباعي“ کے تحت تفسیر بغوی کے حوالے سے یہی تصریح فرمائی ہے۔

کاش پیرزادہ صاحب کو آیت کریمہ کا پہلا حصہ بھی نظر آجاتا اور اس کا مطلب و مفہوم بھی ذہن میں آجاتا تو تمام مفسرین کی مخالفت کے مرتکب نہ ہوتے اور نہ اہل علم و دانش کے نزدیک ندامت و شرمندگی اٹھاتے۔

(1)۔ آیت کریمہ میں انبیاء علیہم السلام سے کتاب و حکمت عطا ہونے کے بعد یہ مطالبہ کیا گیا

جبکہ روز میثاق تو ان کو کتاب و حکمت نہیں دی گئی تھی تو پھر اس عہد کی وفا کیسے پائی گئی اور ان کے لئے آپ کی رسالت اس آیت سے کیسے ثابت ہو گئی۔

(2)۔ یہاں مستقبل کے صیغے استعمال فرمائے گئے ہیں ”لتؤمنن بہ ولتنصرنہ“ ضرور ایمان لاؤ گے ضرور مدد کرو گے۔ تو اس سے ماضی والا معنی سمجھنا اور مراد لینا کیونکر روا ہو سکتا ہے اور جب وہ ایمان و نصرت کے ساتھ مکلف عالم اجسام کے لحاظ سے ہیں تو پھر رسول مصدق ہونا آپ کا بھی عالم اجسام اور لباس بشری کے لحاظ سے ثابت ہو گا لہذا اس آیت کریمہ سے غار حرا سے قبل رسول ہونے کا اثبات سراسر دھاندلی اور تحکم ہے۔

(3)۔ ان کو بھی آیت کریمہ میں ”النبیین“ کے وصف سے موصوف کیا گیا ہے تو کیا وہ بھی اس وقت بالفعل اور خارج میں وصف نبوت کے ساتھ موصوف تھے؟ جب نہیں اور بالکل نہیں تو اس آیت کریمہ سے آپ کا اس وقت ”رسول مصدق لما معکم“ ہونا کس طرح ثابت ہو گیا یا پیدا ہوتے ہی اس وصف سے موصوف ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟

(4)۔ حضرت علامہ سید محمود آلوسی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے ہر ایک کا تعلق نشاۃ عشری اور دنیوی حیات سے ہے پہلا اور زیادہ ظاہر قول مولائے مرتضیٰ علیہ السلام کا نقل کیا ہے

﴿عن علی علیہ السلام قال لم یبعث اللہ نبیا آدم فمن بعدہ الا اخذ علیہ العہد فی محمد صلی اللہ علیہ وسلم لئن بعث وھو حی لیؤمنن بہ ولینصرنہ وامرہ ان یاخذ المیثاق علی امتہ لئن بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھم احیاء لیؤمنن بہ ولینصرنہ﴾

(روح المعانی جلد 3 صفحہ 185)

وکذا فی تفسیر ابن الکثیر (جلد 1 صفحہ 337)، (کبیر جلد 3 صفحہ

ترجمہ:

حضرت علی مرتضیٰ ؑ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا حضرت آدم ؑ اور ان کے بعد والے حضرات تو ان سے یہ عہد لیا محمد کریم ؑ کے متعلق کہ اگر آپ ان کی زندگانی میں مبعوث ہوں تو وہ ضرور بالضرور ان کے ساتھ ایمان لائیں گے اور ان کی امداد و اعانت کریں گے اور یہ حکم بھی ان کو دیا کہ وہ اپنی امتوں سے بھی یہ عہد لیں کہ ان کی حیات میں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو وہ ضرور ان کے ساتھ ایمان لائیں گے اور ان کی امداد و اعانت کریں گے۔

کیا پیرزادہ صاحب چالیس سال کے بعد والی

نبوت و رسالت کو اہمیت نہیں دیتے؟

لہذا پیرزادہ صاحب کا اس کو اپنے اختراعی نظریہ کی دلیل بنانا قطعاً درست نہیں ہے اور یہ کہنا کہ اگر قبل از وحی آپ پر نہ لفظ نبی کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ ہی لفظ رسول کا تو پیچھے بچ کیا جاتا ہے؟ ان علمائے اعلام کے ارشادات کی مخالفت بھی ہے اور محبوب کریم ؑ کے اعلان نبوت اور دعوائے رسالت کے بعد والی نبوت و رسالت کو نظر انداز کرنا اور غیر ضروری اور غیر اہم سمجھنا بھی لازم آتا ہے حالانکہ آپ کے عالم عناصر میں تشریف لانے پر آپ کے اصل کمالات اور امتیازات و اختصاصات کا ظہور اس دور میں ہوا اور قرآن مجید جیسا عظیم انعام اور ہدایت خلاق جیسی عظیم نعمت اس دور میں میسر آئی لیکن پیرزادہ صاحب اس کو پرکاش کے برابر بھی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ پھر پیچھے بچ کیا جاتا ہے؟

پھر یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ صرف نبی و رسول کا لفظ لفظاً وقت سے ہدایت سے لے کر

چالیس سال کی عمر شریف تک یہ زیادہ اہم ہے یا عملی طور پر نبوت و رسالت کے ثمرات اور اثرات کا ظہور اور انوار و تجلیات اور فیوض و برکات کاملہ کا ظہور اہم ترین امر ہے جس میں لوگوں کو شرک اور دیگر ذنوب و آثام سے بچایا گیا اور واصل الی اللہ کیا گیا اور ان کی تعلیم و تربیت اور تہذیب اخلاق کے ذریعے ان کو مہذب دنیا کا بھی مقتداء اور پیشوا بنا دیا گیا لیکن اس دور کو کوئی اہمیت دینا تو دور کی بات ہے اس کو نظر التفات کا حقدار بھی نہیں سمجھا جا رہا۔ پتہ نہیں آپ اس قدر فاعل العقل اور کم فہم کیوں بن گئے ہیں؟ کہیں والد گرامی کی ناراضگی اور بددعاؤں کے اثرات تو نمایاں نہیں ہو رہے ہیں؟ با ادب بانصیب بے ادب بے نصیب

پیرزادہ صاحب معتزلہ کی راہ پر

پیرزادہ صاحب نے جبرئیل علیہ السلام کے ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تصرف اور تاثیر کی دلیل کے طور پر قول باری تعالیٰ ﴿علمہ شدید القوی﴾ کو بھی ذکر کیا گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے علوم کا استفادہ فرماتے رہے اور وہ معلم اور فیض رساں تھے۔ اور اس قول باری تعالیٰ سے معتزلہ نے اپنے اس نظریہ پر استدلال پیش کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام معلم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلم اور مستفید اور معلم معلم سے افضل ہوتا ہے لہذا جبرئیل علیہ السلام آپ سے افضل ہیں۔

”شرح عقائد نسفی“ میں ہے

﴿ذہبت المعتزلة والفلاسفة وبعض الأشاعرة إلى تفضيل الملائكة وتسكوا بوجوه (التي) الثانی ان الانبياء مع كونهم افضل البشر يتعلمون ويستفيدون منهم بدليل قوله تعالى "علمه شديد القوى" وقوله نزل به الروح الامين على قلبك ولا شك ان المعلم افضل من المتعلم﴾

لیکن اہل السنن ان کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں

﴿ ان التعلیم من اللہ والملائکة انما هم المبلغون ﴾

کہ دراصل انبیاء علیہم السلام کیلئے تعلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ملائکہ صرف ابلاغ اور پیغام رسانی کیلئے ہیں یعنی تعلیم کی نسبت ملائکہ اور بالخصوص جبرئیل علیہ السلام کی طرف مجازی طور پر کی گئی ہے۔

الغرض یہ استدلال بھی پیرزادہ صاحب کا معتزلہ اور فلاسفہ کا فیض ہے اور یہ نظریہ بھی ان کی اتباع و اقتداء کے طفیل ہے اور اہل السنّت کے عقائد و نظریات اور مذہب مختار سے بے خبری پر مبنی ہے۔

اللہ تعالیٰ اتباع حق کی توفیق عطا فرمائے اور اسلاف کی راہ پر گامزن فرمادے۔ (آمین)

(یہاں ہدایۃ المتمدن بذب الحیر ان کا اقتباس ختم ہوا)

کیا تم گستاخ اور بے ادب نہیں ہو؟

ان پروانوں کا سارا زور اس امر پر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن سے نبی ہیں کیونکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ”میں اس وقت سے نبی ہوں جبکہ آدم علیہ السلام ہنوز آب و گل اور روح و جسد کے درمیان تھے“

حالاں کہ چھ ہزار سال کا عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آباء و اجداد کے اصلاب اور پشتوں میں اور اہمات اور جدات کے ارحام میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے رہے، جیسا کہ حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لما خلق الله آدم اهبطني الى الارض وجعلني في صلب نوح في السفينة وقذف بي في النار في صلب ابراهيم ثم لم يزل ينقلني من الاصلاب الكريمة الى الارحام الطاهرة حتى اخرجني من بين ابي

”جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور مجھے ان کی پشت میں ودیعت فرمادیا تو ان کے ذریعے مجھے زمین کی طرف اتارا، پھر مجھے نوح علیہ السلام کی پشت میں ہوتے ہوئے کشتی نوح پر سوار کیا۔ پھر ابراہیم کی پشت میں ودیعت فرمانے کے بعد ثار نمرود میں پھینکا، پھر مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا حتیٰ کہ مجھے میرے ماں باپ سے ظاہر فرمایا“

اور اسی حقیقت کو سیدنا عباس نے غزوہ تبوک کے موقع پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صدارت اور سرپرستی میں منعقدہ محفل نعت اور محفل میلاد میں بیان فرمایا جب کہ بعض روایات کے مطابق ایک لاکھ صحابہ کرام اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوہ میں شریک اور شامل تھے اور اس بابرکت اور نورانی محفل میں شریک تھے۔ ان کے قصیدہ اور اس کے کسی شعر پر نہ کسی صحابی نے رد و قدح سے کام لیا اور نہ ہادی اعظم، رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتراض فرمایا بلکہ ان کی اس قصیدہ خوانی کی درخواست کو شرف قبولیت بخشے ہوئے فرمایا:

قل یا عمر لا یفضض اللہ فاک

اٹھو! اے چچا جان بیان کرو اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سلامت رکھے

تو انہوں نے فرمایا:

من قبلها طبت فی الظلال وفی

مستودع حیث یخصف الورق

زمین پر نزول اجلال سے قبل آپ جنت کے درختوں کے سایہ میں خوش و خرم تھے اور

اس ودیعت گاہ (صلب آدم) میں جس پر جنتی درختوں کے پتے لپیٹے جا رہے تھے (بوقت خروج

آدم)

ثم هبطت البلاد لا بشر

انت ولا مضغة ولا علق

پھر آپ (آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے کی وجہ سے) زمین کے شہروں اور علاقوں کی طرف نکلے جبکہ نہ گوشت کا ٹکڑا تھے نہ منجمد خون۔

بل نطفة تركب السفین وقد

الجم نسرًا و اھله الفرق

بلکہ مخصوص مادہ اور جوہر تھے جو کشتی نوح علیہ السلام پر سواری کر رہے تھے جبکہ نسر بت

اور ان کے پجاری غرق ہو رہے تھے۔

جیسے کہ عارف جامی نے فرمایا:

ز جودش گر نكشے راه مفتوح

بجودی کے رسیدے کشتی نوح

وردت نار الخلیل مکتماً

فی صلبه انت کیف یحترق

آپ ابراہیم علیہ السلام والی آگ میں پوشیدہ طور پر ان کی پشت میں ہوتے ہوئے

داخل ہو چکے تھے تو وہ کیسے جل سکتے تھے؟

یا برد نار الخلیل ویا سبباً

لعصمة النار وہی تحترق

اے ابراہیم علیہ السلام والی آگ کے ٹھنڈا ہونے کے موجب اور علت تامہ! ان کے

آگ میں جل جانے سے تحفظ اور خلاصی کے سبب اور وسیلہ جبکہ وہ زور سے جل رہی تھی۔

تنقل من صالب الی رحم

اذا مضی عالم بد اطبق

تم ایک صلب سے ایک رحم کی طرف یکے بعد دیگرے منتقل کیے جا رہے تھے جبکہ ایک عالم اور قرن لوگوں کا گزر جاتا تو دوسرا طبقہ نمودار ہو جاتا جو کہ آپ کے انتقال مکانی کا موجب بنتا

و انت لما ولدت اشرق

الارض و ضاءت بنورك الافق

جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو تمام زمین روشن ہو گئی اور تمہارے نور سے تمام

آفاق اور اطراف جہان جگمگا اٹھے۔

آباء و اجداد کے اصلاب میں اور امہات و جدات کے ارحام میں منتقلی کا عرصہ تقریباً چھ ہزار سال ہے اور اس عرصے میں مخالفین بھی آپ کے نبی ہونے کے قائل نہیں، تو کیا اتنے عرصہ میں آپ کو نبی اور رسول نہ ماننا بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے؟ چھ ہزار سال کے لیے نبوت و رسالت کی نفی اور انکار اگر گستاخی اور بے ادبی نہیں ہے تو مزید چالیس سال شامل کر لینا کیونکر بے ادبی اور گستاخی قرار پائے گا؟

تنبیہ:

نبی کریم ﷺ نے اپنے وجود مسعود کو ضمیر متکلم کیساتھ تعبیر کیا اور حضرت عباس نے آپ کے مختلف اصلاب اور ارحام میں منتقلی کو ضمیر خطاب سے تعبیر فرمایا ہے۔ لہذا اس کلام کو آپ کی ذات اقدس اور روح مبارک کے جوہر نوری سے متعلق ہوتے ہوئے ان مراحل سے گزرنے پر محمول کرنا لازم ہے۔ ورنہ آباء و اجداد کے نطقے اور منویہ مادے تو ان کے ابدان کے اجزاء ہوتے ہیں اور ان مادوں اور نطفوں کو نبی مکرم ﷺ اپنی ذات سے کیسے تعبیر کر سکتے تھے اور حضرت عباس ان کو آپ کی ذات کیسے قرار دے سکتے تھے؟ لہذا واضح ہو گیا کہ آپ کا جسمانی جوہر اور نورانی مادہ ایک الگ حقیقت اور منفرد جوہر تھا جس سے آپ کی روح پاک کا بھی تعلق تھا اور وہ جوہر نوری یکے بعد دیگرے آباء و اجداد کی پشتوں میں منتقل ہوتا رہا۔

نوٹ: (مزید تفصیل معلوم کرنے کے لیے بندہ کی کتاب تنویر الابصار بنور

النبي المختار کا مطالعہ فرمائیں)

الغرض آپ ﷺ کی روح مبارک بمع آپ کے جوہر جسمانی اور مادہ نورانی کے ہزاروں سال عالم اجسام میں موجود رہی اور اس کے فیوضات اور برکات سے آباء و اجداد اور قبائل اور علاقے مستفید ہوتے رہے۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ اُس حالت میں آپ ﷺ کو نبی نہ ماننا گستاخی ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو آپ بھی اس گناہ میں برابر کے شریک اور حصہ دار ہیں اور اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص بھی بقائے ہوش و حواس آباء و اجداد اور امہات و جدات کے اصلاب و ارحام میں منتقل ہو نیوالی ہستی کو جسمانی لحاظ سے بالفعل نبی تسلیم نہیں کر سکتا تو جسد اطہر کی مزید تکمیل ہونے تک بالفعل اور عملی نبوت کو موخر مان لینا کیونکر بے ادبی اور گستاخی قرار پائے گی اور توہین و تحقیر قرار دی جاسکے گی؟

ضروری نوٹ:

معی مکرم ﷺ کے بدن اقدس اور روح حقیقت کا باہمی اتحاد اور توافق و تناسب، مہلت طلب اور مخصوص مدت تک تاخیر کا متقاضی تھا اس کی تحقیق سید الاولیاء حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ کے حوالہ سے بعد میں ذکر کی جائے گی جو کہ علامہ بیہانی نے بھی (جواہر البحار جلد ثانی ص ۲۵۳ و ۲۵۴ پر) نقل فرمائی ہے۔

کیا عالم ارواح میں پیدا ہوتے ہی آنحضور ﷺ منصب نبوت پر فائز تھے؟
محبوب کریم علیہ السلام کی حقیقت اور روح مقدسہ اور جوہر نورانی کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر شے سے قبل پیدا فرمایا تھا جیسا کہ ”حدیث جابر“ میں اس کی تصریح موجود ہے۔
نیز آسمانوں اور زمینوں وغیرہ کی تخلیق سے ہزاروں سال قبل لوح و قلم کو پیدا کیا گیا جبکہ آسمانوں

کی تخلیق کے بعد ملائکہ کو پیدا کیا گیا اور زمینوں میں جنات کو بسایا گیا اور ان کے فسادات اور شرارتوں کے پیش نظر ان کی جگہ حضرت انسان کو بسانے کا پروگرام بنایا گیا اور ملائکہ کے سامنے باری تعالیٰ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الدُّرِّصِ خَلِيفَةً (البقرة: ۳۰)

تو گویا آدم علیہ السلام کے روح اور جسم کی تخلیق اور آپ کے جوہر نوری اور حقیقتِ محمدیہ کی تخلیق کے درمیان ہزاروں سال بلکہ لاکھوں سال کا فاصلہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس وقت نبوت سے بہرہ ور کیا جا چکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور کچھڑ کے درمیان تھے اور روح اور جسد کے درمیان تھے۔ اس قدر طویل عرصہ اور دراز زمانہ میں آپ کا نبی نہ بنایا جانا کیا یہ آپ کی کسر شان اور آپ کی توہین اور تحقیر اساعت و بے ادبی ہے؟

اگر ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اور اس وجہ سے آپ حضرات کے فتوے کی زد میں کون کون سی ہستیاں آرہی ہیں؟ لہذا کوئی شخص بقائم ہوش و حواس اور بے بقائے عقل و فہم یہاں بے ادبی و گستاخی یا تحقیر و توہین کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور اگر عالم ارواح میں تخلیق پانے کے باوجود ہزاروں سال بلکہ لاکھوں سال عطاءِ نبوت میں تاخیر اور التواء روا ہے اور سراسر حکمت ہے کیونکہ:

فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة

تو جسمانی تخلیق کے چالیس سال بعد تک اس اعزاز و کرامت اور شرف و فضل کی تاخیر و التواء میں بھی حکمت اور مصلحتِ تامہ کاملہ ہے لہذا اس کو گستاخی اور بے ادبی ٹھہرانا سراسر دھاندلی اور سینہ زوزی ہے۔ اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال بعد نبی ماننا گستاخی اور بے ادبی اور تحقیر و اہانت نہیں ہے تو یہاں اس کو بے ادبی اور گستاخی قرار دینے کا کیا جواز ہے معاملہ صرف دلیلِ ثبوت کا ہے۔

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال تک نبوت کو چھپائے رکھا؟

جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ پیدائش ہی سے بالفعل نبی مانتے ہیں، اس بات کا تو وہ بھی انکار نہیں کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال تک نبوت کا اعلان و اظہار نہیں فرمایا اور اپنے کسی قریبی سے قریبی دوست یا رشتہ دار پر بھی اس بات کو ظاہر نہیں فرمایا۔ حالاں کہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقتِ ولادت سے ہی نبی تھے لیکن چالیس سال تک اس کو چھپائے رکھا تو یہ لغو اور بے بنیاد اور ناحق و ناصواب نظریہ ہے۔ کیوں کہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان سفارت و وساطت کا نام ہے، انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے بالواسطہ اور بلا واسطہ فیوض اور فوائد حاصل کرتے ہیں اور پھر اس کے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں اور ان پر اپنا منصب ظاہر کرنا بھی فرض ہوتا ہے اور اس پر معجزہ کے ذریعے مہر تصدیق مثبت کرنا بھی لازم اور ضروری ہوتا ہے۔

امام نیشاپوری اپنی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

ذهب المحققون الى ان على الولي يجب اخفاء ولايته ويجب على النبي

اظہار نبوتہ (تفسیر نیشاپوری علی حاشیہ الطبری جلد نمبر ۶ ص ۲۰۶)

”اہل تحقیق علماء اعلام اور مقتدایان انام کا مذہب یہ ہے کہ ولی پر اپنی ولایت کا چھپانا

واجب و لازم ہوتا ہے اور نبی پر اپنی نبوت کا اظہار کرنا لازم اور ضروری ہوتا ہے“

حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد گرامی ہے:

ظہور خوارق شرط نبوت است نہ شرط ولایت۔ اظہار نبوت واجب

است نہ اظہار ولایت بلکہ ستر و اخفاء باین مرتبہ اولیٰ است زیرا کہ آنجا

دعوت خلق است و این جا قرب حق جل شانہ و معلوم است کہ دعوت را اظہار

لازم است و قرب را استار مناسب۔ (مکتوبات شریف صفحہ ۴۶۴ جلد دوم)

”خوارق عادات اور معجزات کا ظاہر ہونا نبوت کے لیے شرط ہے نہ کہ ولایت کی شرط

ہے، نبوت کا اظہار لازم ہے نہ کہ ولایت کا اظہار لازم اور ضروری ہے، بلکہ مرتبہ ولایت کا

مستور اور مخفی رہنا اولیٰ اور انسب ہے کیونکہ نبوت مخلوق کے لیے دعوت ہے (اور رشد و ہدایت کا سامان) اور مقام ولایت میں قرب حق جل شانہ ہے اور یہ عمل واضح اور معروف ہے کہ دعوت کے لیے اظہار لازم اور ضروری ہے جبکہ قرب ولایت کے لیے ستر اور پردہ داری موزوں اور مناسب ہے“

حضرت مولانا امجد علی رضوی بریلوی فرماتے ہیں:

”عقیدہ: اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر بندوں کے لیے جتنے احکام نازل فرمائے انہوں نے وہ سب پہنچا دیے جو یہ کہے کہ کسی حکم کو کسی نے بھی چھپائے رکھا تھا تقیہ یعنی خوف کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے نہ پہنچایا تو وہ کافر ہے“ (بہار شریعت ج ۱، ص ۱۱، ۱۲)

مقام غور ہے، حضرت صرف ایک حکم نبوت کے ظاہر نہ کرنے کا عقیدہ رکھنے والے کو کافر ٹھہرا رہے ہیں جو حضرات چالیس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی نبوت اور تمام احکام نبوت ہی کو چھپائے رکھنے کا عقیدہ رکھتے ہیں ان کے متعلق آپ کا فتویٰ کیا ہوگا؟

تقیہ کو انبیاء علیہم السلام کے حق میں جائز رکھنا کسی سنی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا یہ تو صرف شیعہ کا عقیدہ و نظریہ ہے کیونکہ انبیاء کرام آروں سے چیرے جاتے رہے، سولیوں پر لٹکتے رہے اور اپنے حلقوم تیغ جفا سے کٹانا اور سر قلم کرانا گوارا کرتے رہے و طنوں کو خیر باد کہتے رہے لیکن احکام خداوندی کو اعلانیہ بیان کیا اور اپنے منصب نبوت و رسالت کا بھی برملا اظہار کیا۔ لہذا یہ نظریہ سراسر لغو، باطل، ناروا اور ناصواب ہے۔

دعویٰ نبوت اور تبلیغ سے قبل نبوت ماننے والے میر سید شریف جرجانی کی نظر میں:

صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا عقل و خرد کے تقاضوں سے بھی دور ہے، آئیے

علامہ میر سید جرجانی کی ایک عبارت ملاحظہ کرتے ہیں، آپ کا علمی مقام طلباء و علماء پر بخوبی واضح ہے، فرماتے ہیں:

و من البین ان ثبوت النبوة فی مدة طويلة بلا دعوة ولا كلام مما لا يقول

(شرح مواقف جلد ۸ ص ۲۵۰)

بہ عاقل

”اور یہ امر واضح اور روشن ہے کہ مدتِ مدیدہ اور عرصہٴ بعیدہ تک نبوت حاصل ہونے کے باوجود نہ نبوت کا دعویٰ کرنا اور نہ اس کا اظہار کرنا اور نہ اس کے احکام کے متعلق کلام کرنا اس کا کوئی عقل مند شخص قائل نہیں ہو سکتا“

جو لوگ نبی الانبیاء اور سید المرسلین ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ نے عمر شریف کے تقریباً دو تہائی حصہ تک اپنی نبوت کو چھپائے رکھا، نہ امی جان پر اظہار فرمایا، نہ ہی انتہائی مشفق دادا جان پر، نہ جناب ابوطالب جیسے فداکار اور جان نثار چچا کو اس راز سے مطلع فرمایا اور نہ ہی اپنی مجسمہٴ و فاجوہ اور مال و زر قربان کر دینے والی مخلص ترین بیوی اور شریک حیات حضرت خدیجہ پر اس کا اظہار فرمایا، نہ صدیق اکبر جیسے جگری دوست اور سراپا اخلاص یار پر اس عرصہ میں اس کا اظہار فرمایا برسر محفل اور عام مجموعوں اور محافل میں اعلان و اظہار تو کجا ان خواص اور انحصار الخواص شخصیات کے سامنے بطور راز اور اسرار بھی اپنے نبی ہونے کا اظہار نہ کرنا کس عقل مند اور دانش مند کے نزدیک جائز اور روا ہو سکتا ہے؟

کسی نبی کو بھی اخفاءِ نبوت کا پابند نہیں کیا گیا:

کوئی عقل مند یہ باور نہیں کر سکتا بلکہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نبوت کا منصب عطا کرے، اپنی خلافت سے سرفراز کرے اور اسے مطلقاً اظہار اور انکشاف کی اجازت نہ دے بلکہ اس پر اظہار و انکشاف کو حرام ٹھہرا دے۔ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں اس اخفاء اور سکوت کو جائز نہ رکھا اگرچہ ان کے اس راہ میں جان قربان کر بیٹھنے کا علم بھی اللہ تعالیٰ

کو تھا، تو جن کے متعلق قتل اور شہادت سے محفوظ رہنے کا علم بھی تھا اور ان کے حق میں اس امر کی قضاء بھی وارد ہو چکی تھی اور لوح محفوظ اور ازیلی کلام میں:

وَاللّٰهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ (المائدة: ۶۷)

کا ارشاد بھی مثبت ہو چکا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی عمر شریف کے دو تہائی حصہ تک اعلان نبوت اور اظہار نیابت و خلافت سے کیوں کر روکنا تھا اور آپ کو عظیم ثواب کمانے سے اور لوگوں کو آپ سے استفادہ اور استفادہ سے کیوں محروم رکھنا تھا؟

آپ کی امی جان اور دادا جان آپ کے حق میں کس قدر خوش اعتقاد تھے اور حسن ظن رکھنے والے تھے وہ کتب سیرت کا مطالعہ رکھنے والوں سے مخفی نہیں ہے، اور حضرت خدیجہ، حضرت صدیق اکبر، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم پہلی وحی نازل ہونے پر اور نبوت مصطفویٰ کا انکشاف ہونے پر فوراً حلقہ غلامی میں داخل ہو گئے، حضرت ورقہ بن نوفل بھی مشرف باسلام ہو گئے تو اگر اس سے قبل ان حضرات کو اور دیگر غیر متعصب اور عناد و ہٹ دھرمی سے پاک قریش اور اہل کتاب کو آپ کی اس خدا داد شان اور مرتبہ و مقام کا علم اور ادراک ہو جاتا تو ان کا کس قدر بھلا ہوتا؟

سوال:

نبوت کا اعلان ضروری ہو تو حضرت خضر علیہ السلام اتنے عرصہ سے نبوت کے ساتھ مشرف ہیں انہوں نے کیوں اعلان نہیں کیا؟

جواباً معروض خدمت ہے کہ انہوں نے عام لوگوں پر اپنے آپ کو ظاہر بھی نہیں فرمایا تو کیا اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ نبی پر اپنا وجود بھی لوگوں پر ظاہر کرنا ضروری نہیں ہوتا؟ دوسری بات یہ ہے کہ ان کا دائرہ کار اور ہے اور شریعت ظاہرہ والوں کا دائرہ کار اور

ہوتا ہے۔ حضرت خضر باطنی نظام کے کارکنوں اور موکلوں کو اللہ تعالیٰ کے باطنی احکام اور تدابیر سے آگاہ کرتے ہیں اور خود بھی ان پہ عمل پیرا ہوتے ہیں خواہ وہ ظاہر شرع کے لحاظ سے محل اعتراض اور معرض تنقید ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی لیے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہہ دیا:

إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا

(الکھف: ۶۷، ۶۸)

”تم ہرگز میرے ساتھ صبر کے ساتھ نباہ نہیں کر سکو گے اور جس امر کا تمہیں کامل علم و ادراک نہیں ہوگا اس پر تم صبر کر بھی کیسے سکو گے“

روایات میں ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ ”ایک علم اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے جو آپ نہیں جانتے اور ایک علم آپ کو عطا فرمایا ہے جو میں نہیں جانتا“

مفسرین اور محدثین کہتے ہیں جو علم حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے لیے خاص فرمایا وہ علم باطن اور علم مکاشفہ ہے

(خزائن العرفان علی کنز الایمان)

جب کہ ان حضرات کی نبوت اور رسالت کے احکام کا تعلق مخلوق کے ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے اور باطن پر مطلع ہوں تو بھی ظاہر شرع کے مطابق فیصلے فرماتے ہیں جیسے کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

مَا أَمَرْتُ أَنْ أَشْتَقَّ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ

”مجھے لوگوں کے دل چیر کر اندرونی کیفیت معلوم کرنے اور اس کے مطابق حکم دینے کا

مکلف نہیں ٹھہرایا گیا“ و غیر ذالک من الاحادیث۔ لہذا حضرت خضر علیہ السلام پر ان حضرات کا قیاس سراسر غیر موزوں اور غیر مناسب ہے۔

نبوت خضر علیہ السلام کا مختلف فیہ ہونا:

علاوہ ازیں ان کا نبی ہونا خود مختلف فیہ ہے۔ علامہ نعیم الدین مراد آبادی رحمہ

اللہ تعالیٰ خزائن العرفان میں فرماتے ہیں:

”حضرت خضر علیہ السلام کا ولی ہونا بالیقین ثابت ہے لیکن آپ کے نبی ہونے میں اختلاف ہے“ تو متفق علیہ کو چھوڑ کر مختلف فیہ پر قیاس کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

نبی خدا کا غیر شرعی امور پر سکوت ناقابل تصور ہے:

اگر وقت پیدائش سے ہی نبی کریم ﷺ کو بالفعل نبی تسلیم کیا جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ آپ نے چالیس سال تک غیر شرعی امور پر سکوت اختیار کیا اور انہیں ملاحظہ فرمانے کے باوجود ان پر رد و قدح نہیں فرمایا، حالاں کہ نبی کی ذات سے ایسا متصور نہیں ہو سکتا۔ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ نبی خلاف شرع امور کو برداشت نہیں کر سکتا اور ان پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ آپ کو اس امر کا یقین ہو گیا تھا کہ یہی وہ عظیم ہستی ہے جس کو مجھ سے علم میں افضل قرار دیا گیا ہے اور اسی یقین کے بعد وہ ان سے درخواست کر رہے ہیں:

هَلْ اَتَّبِعَكَ عَلٰی اَنْ تَعْلَمَنِ مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا (الکھف: ۶۶)

”کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو وہ نیک بات جو تمہیں تعلیم

ہوئی“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر کو علم میں اپنے آپ سے برتر سمجھنے اور ماننے اور تعلیم کی درخواست پیش کرنے کے باوجود ان پر انکار اور اعتراض کرنا جب نص قرآنی سے ثابت ہے تو اور لوگوں کے حق میں حضرت موسیٰ کیوں کر سکوت، خاموشی اور چشم پوشی اور درگزر سے کام لے سکتے تھے؟ لہذا یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جب موسیٰ علیہ السلام نبی بننے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام جیسی شخصیت سے صادر اور سرزد ہو نیوالے بظاہر منکر اور ناجائز امور پر نبی عن المنکر اور امر بالمعروف کو ترک نہیں کر سکتے تو سید عالم ﷺ نبوت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد اتنے

عرصہ تک شرک اور کفر تک کی برائیوں کو دیکھتے رہیں اور مہربلب رہیں اور وہ بھی عامی قسم کے لوگوں کے حق میں، یہ کیونکر متصور ہو سکتا ہے؟ اور کون مسلمان اس کا قائل اور معترف ہو سکتا ہے؟ لہذا یہ قیاس اپنے استدلال کرنیوالوں کے نظریہ اور عندیہ کے بطلان کی بین برهان ثابت ہوانہ کہ ان کا موید اور موجب تقویت۔

اربابِ شرع پیغمبرانِ کرام کو جب بھی نبوت ملی تو انہوں نے اس کا برملا اظہار اور اعلان فرمایا اور کسی فرعون، نمرود کی سطوت و ہیبت اور جبر و تشدد ان کو ادعاء اور اظہار سے باز نہ رکھ سکی، اور نہ ہی انبیائے کرام علیہم السلام امورِ خیر کا حکم دینے اور منصبِ ارشاد کے امور کی بجا آوری اور امورِ شر سے ممانعت اور نہی سے باز رہے، حتیٰ کہ بقول مخالفین جنہیں بچپن میں نبوت ملی تو انہوں نے اس کا بچپن میں ہی برملا اعلان بھی کیا اور اس کے اہم احکام اور تقاضے بھی لوگوں کے سامنے بیان فرما دیے جیسے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمدی علیہما السلام کا معاملہ قرآن اور احادیث سے صراحتاً ثابت ہے۔ کسی نے بھی تقیہ سے کام نہ لیا اور نہ اس کو روا سمجھا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ کیا یہ تقیہ اور اخفاء اور وہ بھی عمر شریف کے تقریباً دو تہائی حصہ تک صرف اور صرف نبی الانبیاء اور امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی روا رکھا گیا اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس پر عمل پیرا ہوئے؟ دوسرے کسی نبی کے لیے تمام تر مشکلات و مضائب درپیش ہونے کے باوجود ایسا کس لیے روا نہیں تھا اور کیوں وہ اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے تھے؟ نیز اگر آپ پوری نبوت کو مدتِ مدید اور عرصہٴ بعید تک چھپا سکتے تھے تو کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اعلانِ نبوت کے باوجود پتہ نہیں کتنے احکام شرح کو ازراہ تقیہ آپ نے چھپا لیا ہو اور شیعہ کا یہ دعویٰ سچا ہو:

تسعة اعشار الدین فی التقیہ

”دین کا نوے فیصد حصہ تقیہ میں ہے“

لا ایمان لمن لا تقیہ له

”جو تقیہ نہیں کرتا اس کا دامن دل دین اور دولتِ ایمان سے خالی ہے“

اور بقول اُن کے امام جعفر صادق نے فرمایا

التقیة من دینی و دین آبائی

”تقیہ میرا اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے“

اس قسم کے روافض کے دعوؤں کو کیسے جھٹلایا جاسکے گا؟

لہذا ہم ڈنکے کی چوٹ پر کہہ سکتے ہیں کہ:

جن کی امت کا طرہ امتیاز تَمَرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران

۱۱۰) ہے خود ان کی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی شان کیا ہوگی؟

جن کے خمیر سے تیار ہونیوالے شہزادے اپنے سر نیزوں پر لٹکوا سکتے ہیں اور اپنے جوان

بیٹوں اور شیر خوار بچوں کی قربانیاں دے سکتے ہیں مگر باطل کے سامنے جھک نہیں سکتے اور سپر انداز

نہیں ہو سکتے وہ ہستی پاک خود کیوں کر کسی خوف اور اندیشہ کو راہ خداوند تعالیٰ میں خاطر میں لا سکتے

تھے اور اعلان نبوت اور اظہار حق سے کیونکر باز رہ سکتے تھے، خصوصاً اپنے قریبی اور فدا کار اور

جانثار حضرات کے سامنے بھی اظہار نہ کر سکیں نعوذ باللہ تعالیٰ منہ۔

لہذا یہ امر آپ کے حق میں ناممکن، محال اور ممتنع ہے اور ناقابل اعتداد و اعتبار بلکہ

ناقابل تصور و توہم۔ نیز نبی چونکہ تبلیغ احکام اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مکلف ہوتا ہے

اور اس پر نبوت اور احکام نبوت کا اظہار و اعلان فرض ہوتا ہے جس طرح محققین علماء کرام اور

حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام سے ثابت کیا جا چکا ہے تو عرصہ دراز تک

آپ کا اس فرض کو ادا نہ کرنا عظیم معصیت بن جائے گا نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالک جب کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کا بالعموم اور سید الانبیاء کا بالخصوص معصوم ہونا ماننا ضروری ہے۔ کیا کوئی مسلمان نبی

الانبیاء علیہم السلام کو فرض امور کا تارک تصور کر سکتا ہے؟ نہیں!

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ چالیس سال تک کے عرصہ میں آپ صرف اپنی ذات کے لیے نبی تھے دوسروں کے لیے نبی نہیں تھے اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ نبی کا معنی علمائے عقائد نے بیان فرمایا:

انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام

اور نبوت کا معنی ہے: السفارة بین اللہ و بین العباد

تو جب تبلیغی احکام اور بندوں کے لیے سفارت و ساطت متحقق نہیں ہوئی تو آپ کے اس دور میں نبی ہونے کا دعویٰ کیونکر قابل تسلیم ہوگا؟ جب وہ خود اپنی نبوت کے مدعی نہیں تو دوسرا کون ان کی طرف سے مدعی ہو سکتا ہے؟

علاوہ ازیں اگر مانا جائے کہ اس عرصہ میں صرف اپنی ذات کی تربیت فرماتے تھے کہ بعد ازاں دوسروں کی تربیت کی جاسکے تو یہ کون سا اعزاز آپ کو حاصل ہوا؟ عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کے لیے بالفعل معلم اور مربی ہوں اور یہاں آکر چالیس سال تک صرف اپنی ذات والا کی تربیت میں مصروف رہیں۔ نیز کیا عالم ارواح میں اپنی تربیت کیے بغیر دوسروں کے لیے نبی بن گئے تھے اور ان کی تہذیب و تربیت میں مصروف ہو گئے تھے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ چالیس سال کے عرصہ تک آپ کی نبوت وہ نبوت نہیں تھی جو عالم ارواح میں آپ کو بالفعل حاصل تھی۔ فتاویٰ۔ اور یہی ”ہدایۃ المتذہب الذہیران“ میں ہمارا موقف اور مدعا تھا جو ناقابل تردید حقیقت کے طور پر ثابت ہو گیا۔

کیا اعلان نبوت و رسالت کے بغیر نبی و رسول بنانے کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے؟ یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے اور انسان اور جن وغیرہ ہدایت حاصل کرتے ہیں تو براہ راست اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے اور مخلوق اس سے ہدایت حاصل کر لے ان حضرات انبیاء رسل علیہم السلام کو درمیان میں واسطہ اور وسیلہ بنانے اور ان

حضرات کی اطاعت اور اتباع لوگوں پر فرض ٹھہرانے اور ان کا ادب احترام اور تعظیم و توقیر ان پر لازم ٹھہرانے کی ضرورت ہی کیا تھی اور اس میں کیا حکمت اور مصلحت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فیض لینے اور فیض دینے کے لیے اور افادہ و استفادہ کے لیے باہم مناسبت ضروری ہے عالم اسباب اور قانون قدرت کا تقاضا یہی ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام، اللہ رب العزت اور حضرت مریم کے درمیان واسطہ اور وسیلہ بنائے گئے تو انہوں نے حضرت مریم کے سامنے آنے پر اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام والا تحفہ اور ہدیہ ان کے حوالے کرتے وقت بشری حالت اختیار فرمائی کما قال اللہ تعالیٰ:

فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم: ۱۷)

جبکہ مریم کی طرف روح الامین کو بھیجا تو وہ کامل مکمل بشری صورت میں متمثل اور متشکل ہو کر ان کے سامنے آئے وہ اکیلی اور تنہا تھیں اور ایک نوجوان بشر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اپنی عزت و آبرو اور عفت و عصمت کے لیے فکر مند اور اندیشہ ناک ہو گئیں لہذا چلا کر کہا:

إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا (مریم: ۱۸)

میں رب رحمان کا واسطہ دے کر تجھ سے پناہ اور تحفظ طلب کرتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف دل میں رکھتا ہے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب میں کہا:

إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا (مریم: ۱۹)

میں عام انسان اور بشر نہیں میں تو صرف اور صرف تیرے رب کا بھیجا ہوا (نوری اور معصوم فرشتہ) ہوں تاکہ تجھے پاکیزہ بیٹے کا ہدیہ پیش کروں لہذا میں نے صرف روپ اور شکل انسانی اختیار کر رکھی ہے حقیقت میں نوری فرشتہ ہوں۔

گویا ملکی حالت اور بشری حالت میں چونکہ تناسب اور توافق نہیں تھا اس لیے ان کو بشری حالت میں ڈھلنا پڑا جب کہ اللہ تعالیٰ سے حضرت عیسیٰ والا تحفہ وصول کرتے وقت روپ

بدلنے کی ضرورت نہیں پیش آئی کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی نور اور حضرت جبرائیل بھی نور تھے لہذا اللہ تعالیٰ سے استفادہ اور استفادہ کے لیے ملکی حالت میں رہنا ہی موزوں اور مناسب تھا۔

اس ساری تفصیل کو حضرت علامہ قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ نے قول باری تعالیٰ انی جاعل فی الارض خلیفة کے تحت یوں بیان فرمایا:

المراد به آدم عليه السلام لانه كان خليفة الله في ارضه و كذلك كل نبي استخلفهم الله في عمارة الارض و سياسة الناس و تكميل نفوسهم و تنفيذ امره فيهم لكن لا حاجة به تعالى الى من ينوبه بل لتصور المستخلف عليهم عن قبول فيضه و تلقي امره بغير وسط و لذلك لم يستنبئى ملكا كما قال الله تعالى لو جعلنا ه ملكا لجعلنا ه رجلا الا ترى ان الانبياء لما فاقت قوتهم واشتعلت قريحتهم بحيث يكاد زيتها يعضنى ولو لم تمسه النار ارسل الله اليهم الملائكة ومن كان منهم اعلى رتبة كلمه بلا واسطة كما كلم موسى عليه السلام في الميقات و محمداً عليه السلام ليلة الفعراج۔

ترجمہ:

”اللہ تعالیٰ نے زمین میں جس خلیفہ کے پیدا کرنے کا اعلان فرمایا ہے اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفے تھے اور ایسے ہی ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی آبادی اور لوگوں کی نگرانی اور اصلاح احوال اور ان کے نفوس کی تکمیل اور روحوں کی تربیت کے لیے اور ان میں اپنے احکام کو نافذ کرنے کے لیے اپنا خلیفہ اور نائب بنایا۔ لیکن اپنی کسی حاجت اور ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انہیں خلیفہ اور نائب نہیں بنایا بلکہ جن لوگوں پر ان کو خلافت بخشی ان کی استعداد اور صلاحیت میں نقص اور کمی کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری فرمایا کیونکہ وہ لوگ براہ راست اللہ تعالیٰ سے فیوض اور فوائد حاصل کرنے سے عاجز اور قاصر تھے اور نہ اس سے احکام اور اوامر و نواہی وصول کر سکتے تھے اور اسی استعداد و صلاحیت میں ضعف اور کمزوری

کیوجہ سے ان کی طرف کسی فرشتہ کو نبی اور رسول بنا کر نہیں بھیجا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے
 لَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا يَعْنِي اے کفار! تمہارا یہ مطالبہ بے جا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری
 ہدایت اور اصلاح مقصود ہوتی تو کسی فرشتے کو ہمارے پاس نبی اور رسول بنا کر بھیجتا۔ ضروری تھا
 کہ ایک ہمارے جیسے بشر اور انسان کو ہمارے لیے نبی اور رسول بنایا جاتا کیونکہ نبی اور امت میں
 مناسبت ضروری ہوتی ہے لہذا زمین میں فرشتے موجود ہوتے اور ان کی ہدایت اور اصلاح مقصود
 ہوتی تو ہم ان کی طرف فرشتے رسول بنا کر بھیجتے قُلْ لَوْ كَان فِي الْاَرْضِ مَلَائِكَةٌ يُمَشُّونَ
 مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا لیکن چونکہ تم اہل زمین انسان ہو جن کی
 رشد و ہدایت کا بندوبست مقصود ہے تو اس صورت میں اگر ہم کسی فرشتہ کو بھی نبی اور رسول بنا لیں
 گے تو اسے بشر اور مرد بنا کر ہی بھیجیں گے۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ جب انبیاء علیہم السلام کی باطنی
 قوت اور روحانی استعداد و صلاحیت اپنے معراج کمال کو پہنچ جاتی ہے اور ان کی طبیعت اور فطرت
 میں استعداد اور روشن اور مستنیر ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انکی فطری استعداد کا زیتون
 آگ لگائے بغیر جل اٹھے اور روشن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف ملائکہ کو مبعوث فرماتا ہے
 اور ان میں سے جو اعلیٰ درجہ کی استعداد باطنی اور روحانی صلاحیت کے مالک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان
 کے ساتھ براہ راست اور بلا واسطہ کلام فرماتا ہے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ میقات میں سر
 طور اور محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شب معراج کو لامکان میں کلام فرمایا“

بیضاوی علیہ الرحمہ نے یہاں پر وارد ہونے والے ایک سوال کا اجمالی طور پر جواب دیا
 تھا اور علامہ سید محمود آلوسی نے روح المعانی میں اور فاضل سیالکوٹی مولانا عبدالحکیم صاحب نے
 بیضاوی شریف کے حاشیہ میں اس سوال و جواب کو مفصل طور پر بیان فرمایا ہے۔

سوال:

خلیفہ اور نائب کی ضرورت تین صورتوں میں ہوتی ہے یا اصل غائب ہو، یا وہ اکیلے

کنٹرول کرنے سے عاجز ہو یا اس پر موت طاری ہو نیوالی ہو و کل ذلك محال علی اللہ تعالیٰ اور یہ تینوں صورتیں اللہ تعالیٰ کے حق میں ناممکن اور محال ہیں۔

جواب:

امام بیضاوی علیہ الرحمہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ تین صورتیں وہاں ہونی ضروری ہیں جہاں اصل کسی کو خلیفہ اپنی حاجت اور ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مقدس ہستیوں کو خلافت و نیابت کے منصب پر فائز فرمایا ہے تو اپنی حاجت اور ضرورت پورا کرنے کے لیے نہیں بلکہ بندوں کی ضرورت اور حاجت کو پورا کرنے کے لیے انہیں یہ منصب تفویض فرمایا ہے جس کی تشریح اور توضیح میں ان دونوں حضرات نے فرمایا لمانہ فی غایة الكدورة والظلمة الجسمانية و ذاته تعالیٰ فی غایة التقدس والمناسبة شرط لقبول الفيض علی ما جرت به العادة الالهية فلا بد من متوسط ذی جہتی التجرد والتعلق لیستفیض من جهة و یفیض باخری

(حاشیہ سیالکوٹی ص ۲۷۸ اور تفسیر روح المعانی ص ۲۰۲ جلد اول)

کیونکہ انسانوں اور بندوں میں جن پر انبیاء علیہم السلام کو خلیفہ بنایا گیا ہے انتہاء درجہ کی کدورت اور جسمانی ظلمت اور کثافت ہے جبکہ ذات باری تعالیٰ انتہائی مقدس اور نورانی ہے حالانکہ عادت الہیہ اور قانون قدرت کے مطابق افادہ اور استفادہ کے لیے باہم توافق اور تناسب کا پایا جانا لازم اور ضروری ہے۔ لہذا ایسے واسطہ اور وسیلہ کا درمیان میں ہونا ضروری ہے جس میں دوہری صلاحیت و استعداد ہو یعنی تجرد اور نورانیت بھی ہو (تاکہ ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسبت حاصل ہو جائے) اور بدن عنصری اور جسم مادی سے تعلق بھی ہو (تاکہ اس مناسبت سے بشران سے استفادہ کر سکیں)

الغرض جب نبی اور رسول کے واسطہ اور وسیلہ بنانے کی ضرورت یہ ہے کہ عام بشر اللہ

تعالیٰ اور ملائکہ سے براہ راست رشد و ہدایت حاصل نہیں کر سکتے اور اوامر و نواہی اور احکامات وصول نہیں کر سکتے تو ایسی ہستیاں درمیان میں واسطہ اور وسیلہ بنا دی جائیں جو ملائکہ سے اور اللہ تعالیٰ سے یہ فیوض و فوائد اور احکام وصول کر کے لوگوں کو پہنچاتے جائیں تو جس ہستی پر وحی اور ملائکہ کا نزول ہی نہ ہوا ہو اور بندوں کے لیے واجب اور لازم عقائد اور اعمال کی تفصیلات سے خود ان کو بھی آگاہ نہ کیا گیا ہو تو بندے ان سے استفادہ اور استفادہ کیسے کریں گے اور وہ انکی رشد و ہدایت کا سامان کیا کریں گے بلکہ وہ اپنے نبی و رسول ہونے پر کسی کو مطلع ہی نہ کریں اور اس منصب کا اظہار ہی نہ کریں تو ان سے استفادہ و استفادہ کا کیا امکان اور انکو نبی بنانے کا کیا فائدہ؟

اس لیے محقق علمائے کرام نے نبی و رسول پر اپنی نبوت و رسالت کے اظہار و اعلان کو لازم اور ضروری ٹھہرایا اور ایسے منصب کے مالک کا اس کے متعلق نہ دعویٰ کرنا اور نہ گفتگو اور کلام کرنا خلاف عقل و دانش قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں باری تعالیٰ کا اس ہستی کو نبوت و رسالت عطا کرنا سراسر عبث اور بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ عبث اور بے فائدہ کام کرنے سے مبرا اور منزہ ہے۔

حضور مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ، انبیائے کرام علیہم السلام اور ائمہ کرام علیہم الرضوان کے حق میں تقیہ کا عقیدہ رکھنے والوں پر رد و قدح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

تبلیغ حق بر یغمبر واجب است مرتقیہ رآنچاراہ دادن بزندقہ می کشد
 قال اللہ تعالیٰ: یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس --- (مکتوبات مجدد ج: اول، ص: ۱۷۸)

”حق کی تبلیغ پیغمبر پر واجب و لازم ہوتی ہے۔ وہاں پر تقیہ کو راہ دنیا اور اس کو جائز سمجھنا زندگی اور بے دینی کی طرف لے جاتا ہے اور کفر و ضلال کا موجب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ”اے میرے رسول! اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے

اس کو لوگوں تک پہنچاؤ، پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں سے محفوظ رکھے گا“

فائدہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چالیس سال کے عرصہ تک تقیہ اور اخفاء دین و مذہب کو جائز رکھنا بلکہ اس کا بالفعل قائل اور معتقد ہونا کسی مسلمان کے لائق اور شایان شان نہیں ہے۔ ورنہ وہ اپنے ایمان و اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے گا العباد باللہ۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز اس امر کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر اندک تامل کنند صریح معلوم تو اندنمود کہ بعثت نبی و نصب امام نمودن و باز اور رابا خفاء امر کردن بمثابہ آنست کہ شخصے را قاضی شہر نمایند و گویند کہ ہرگز تکلم مکن و حرف از زبان (بر) میار و کلام خصمین رامشنو، ہر طفل مکتب می فہمد کہ تمسخر محض و لعب صرف است و سفاہت ظاہرہ و مناقض غرض بعثت و نصب است۔

”اگر ذرہ بھر بھی غور و فکر سے کام لیں تو واضح طور پر معلوم کر لیں گے، کہ پیغمبر کو مبعوث فرمانا اور امام کو نصب کرنا پھر ان کو اخفاء اور ستر و پردہ پوشی کا حکم دینا بمنزلہ اس امر کے ہے کہ کسی شخص کو شہر کا قاضی مقرر کیا جائے اور ساتھ ہی یہ حکم دے دیا جائے کہ ہرگز کلام نہ کرنا اور کوئی حرف زبان پر مت لانا، اور مدعی و مدعی علیہ کا کلام مت سننا۔ ہر طفل مکتب سمجھتا ہے کہ یہ محض تمسخر، لہو و لعب، کم عقلی اور بے وقوفی ہے اور بعثت نبویہ اور نصب امام کی غرض و غایت کے سراسر مخالف و مناقض ہے“

واگر این تقیہ و نفاق، انبیاء و ائمہ بخودی خود می کنند نہ بفرمودہ خدا

پس عاصی و گنہ گار باشند و تارك واجب والقول بالعصمة ينافيه (الى آخره)

(تحفة اثنا عشرية ص: ۳۶۰)

”اور اگر یہ تقیہ اور نفاق عملی انہوں نے بذات خود شروع کر رکھا ہے نہ کہ خداوند تعالیٰ کے فرمان سے تو لامحالہ عاصی اور گنہگار ہوں گے، اور واجب و لازم امر کے تارك۔ جبکہ انہیں معصوم ماننے کا عقیدہ اس کے سراسر منافی و مناقض ہے (تا) اگر ان کو منکرین و معاندین کی طرف سے خوف و خطر بھی ہو تو بھی وہ کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتے، اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے حق میں فرماتا ہے: الذین يبلغون رسالت الله ويخشونه ولا يخشون احدا الا الله و كفى بالله حسيباً جو اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے اور اس کے علاوہ دوسرے کسی شخص سے نہیں ڈرتے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے حساب لینے والا ہونے کے لحاظ سے“

واگر انبیاء تقیہ میکر دند چرا اذیت کفار و ضرب و شتم و هتك حرمت

و تذليل و اخراج از دست آنها می چشیدند و می کشیدند۔

”اور اگر انبیاء علیہم السلام تقیہ کرتے تو کفار کی طرف سے مار پٹائی، گالی گلوچ، ہتک

عزت، ذلت آمیز سلوک اور دیس نکالا وغیرہ کیوں برداشت کرتے؟

لہذا اچالیس سال تک اور عمر شریف کی تقریباً دو تہائی تک نبوت کے حصول کے باوجود

آپ کو مہربل ب تسلیم کرنا آپ کے حق میں فرض کے تارك ہونے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں بے

فائدہ اور عبث امر کے ارتکاب کا عقیدہ رکھنے کے مترادف ہے جو کہ اہل ایمان بلکہ ارباب عقل و

دانش کی شان سے بعید ہے۔

کیا نبی کیلئے تبلیغ احکام ضروری نہیں ہے؟

ان نئے مجتہد حضرات نے آغاز ولادت سے نبوت ثابت کرنے کے لیے نئی تحقیق یہ

پیش فرمائی ہے کہ نبی کیلئے تبلیغ ضروری ہی نہیں ہے، اور جمہور اہل اسلام کا مذہب یہی ہے لہذا چالیس سال تک آپ ﷺ صرف نبی ہوں اور بعد ازاں رسول بن جائیں تو کیا جائے اشکال و اعتراض ہے؟

لیکن ان حضرات نے یہاں دھوکہ کھایا ہے اور دوسروں کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں۔ رسول اور نبی میں بعض حضرات کے نزدیک مساوات ہے اور اندریں صورت نبی اور رسول کا معنی یہ ہے:

انسان بعثہ اللہ الی الخلق لتبلیغ الاحکام

(شرح عقائد، شرح مقاصد وغیرہما)

یعنی نبی اور رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف اپنے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے بھیجے، صاحب کتاب ہو یا نہ ہو، جدید شریعت والا ہو یا پہلی شریعت کی تبلیغ کیلئے مامور ہو، ملک وحی اس پر نازل ہو، یا الہام و منام صادق کی صورت میں احکام سے اس کو آگاہ کیا جائے۔ اور اس معنی کے لحاظ سے رسالت کی تعبیریوں کر دی گئی ہے:

ھی السفارة بین اللہ تعالیٰ و بین العباد اولی الالباب

”رسالت اور نبوت اللہ تعالیٰ اور ارباب عقول بندوں کے درمیان سفارت کا نام ہے“

گویا دونوں کا مفاد اور بدلہ لول ایک ہو گیا۔

لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ رسول کا لفظ عام ہے اور نبی ﷺ خاص ہے، کہ رسل ملائکہ میں سے بھی ہیں جب کہ نبی ملائکہ میں نہیں ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ نبی عام ہے اور رسول خاص ہے، اور جمہور کا مختار یہی ہے، لیکن نبی میں عموم کس لحاظ ہے ہے، اس میں مختلف وجوہ ذکر کئے گئے ہیں:

اول:

رسول کے لیے صاحب کتاب ہونا ضروری ہے، جبکہ نبی کے لیے صاحب کتاب ہونا ضروری نہیں ہے۔

ثانی:

رسول کے لیے جدید شرع والا ہونا ضروری ہے جبکہ نبی کے لیے شرع جدید ضروری نہیں ہے۔

ثالث:

رسول ہونے کے لیے ملک وحی کا اس پر نازل ہونا ضروری ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے لیے ملک وحی کا نزول ضروری نہیں ہے، الہام اور منام صادق بھی کافی ہوتا ہے۔

اگر نبی عام ہو اور رسول خاص ہو (جیسے کہ جمہور علمائے اسلام کا مختار ہے)، تو پھر عقائد نسفی میں جو خبر الرسول کا عنوان قائم کیا گیا ہے وہ واجب التاویل ہوگا۔ یہاں پر یہ تاویل ضروری ہے کہ:

من ارسل الله تعالى سواء كان نبيا او مرسلا

”جس کو اللہ تعالیٰ مقرر اور معین فرمائے اور بھیجے خواہ عرف شرع میں بھی رسول ہو یا نبی

ہو“

یا یہ تاویل ہوگی کہ یہاں مجاز مرسل ہے ذکر خاص کا ہے اور اس سے مراد عام لی گئی ہے یعنی رسول کو نبی کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اور رسول والی خصوصیات اس میں ملحوظ نہیں ہیں۔ اور نبی کا معنی ہی یہ ہے، کہ نبی وہ انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے مامور اور معین فرمائے (نبراس، ص: ۸)

الغرض رسول ہو یا نبی ہو اللہ تعالیٰ کے احکام شرعیہ کی تبلیغ دونوں کے لیے ضروری ہے

ان احکام کی معلومیت اور معرفت کے ذرائع میں تفاوت ہو سکتا ہے، لیکن یہ نہیں کہ تبلیغ انبیاء علیہم السلام کیلئے لازم ہی نہ ہو۔

ورنہ

(ا) ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بنانے کا فائدہ مخلوق اور انسانوں کو کیا ہوگا؟

(ب) کفار و مشرکین، انبیاء علیہم السلام کو شہید کرتے رہے، کما قال تعالیٰ: یقتلون النبیین بغیر الحق، تو کیا وہ صرف مباح یا مستحب کام کے لیے اپنی جانیں قربان کرتے رہے؟ کون عقلمند اس امر کا تصور کر سکتا ہے کہ مباح یا مستحب امر کے لیے جان قربان کر دی جائے؟

(ج) اللہ رب العزت شہادت دے رہا ہے کہ میں نے انبیائے کرام کو مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا، قال اللہ تعالیٰ: فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین۔ ”اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مبعوث فرمایا اس حال میں کہ وہ (اہل ایمان کو) بشارت دینے والے تھے (ثواب اور جنت کی) اور ڈرانے والے تھے (اہل کفر و ضلال کو عذاب نار سے)“

فرائض و واجبات اور حرام و مکروہ تحریمی کے بیان کے بغیر اور اول پر عمل کی صورت میں بشارت اور عیبانی پر عمل کی صورت میں عذاب کا ڈراوا، یا اول قسم کے ترک پر وعید اور عیبانی کے قصد و ارادہ کے ساتھ ترک پر وعید اور بشارت متصور ہو سکتے ہیں، جب ان احکام کا بیان ہی نہ پایا جائے تو بشارت اور وعید و انذار کا تصور ہی کس طرح ہو سکتا ہے؟

(د) رسول کے لیے تبلیغ شرط ہو، اور نبی کے لیے نہ ہو، تو اس آیت کریمہ کی رو سے سارے انبیاء رسول بن جائیں گے۔ اور نبی و رسول کا تفاوت ختم ہو کر رہ جائے گا حالانکہ یہ لازم ہر اسر باطل ہے۔ اور کوئی عقل مند ایسا قول نہیں کر سکتا۔

(ہ) علاوہ ازیں جو اپنے نبی ہونے کا نہ اظہار کریں نہ تبلیغ احکام فرماویں تو ان کے نبی بنانے کا مقصد ہی کوئی نہیں ہوگا۔ اور نہ ان لوگوں کو کوئی فائدہ اس کی نبوت کا ہوگا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ عبث و بے فائدہ کام کرے۔

(و) مزید برآں یہ کہ امت کے لیے تمام رسل و انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا فرض ہے اور جب وہ خود اپنا نبی ہونا ظاہر ہی نہ کریں تو ان پر ایمان لانے کو فرض ٹھہرانا تکلیف مالا یطاق کے قبیل سے ہوگا اور تکلیف مالا یطاق باطل ہے۔

(ز) اندریں صورت امت دعوت کے لیے غیب دان ہونا ضروری ہوگا تا کہ اپنے اس علم غیب سے اس ہستی کا نبی ہونا معلوم کریں اور پھر ان پر ایمان لائیں اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، کون عقل مند آدمی اس کا تصور کر سکتا ہے یا اس کا قائل ہو سکتا ہے کہ امت دعوت کو غیب دان تسلیم کرے تا کہ اپنے زور علم سے انبیاء کی نبوت بھی معلوم کریں اور ان پر ایمان لائیں؟ ایسی صورت میں وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے استفادہ کیوں نہ کر لیں گے، انبیاء کرام علیہم السلام کا تابع اور اطاعت گزار ہونا اور ان کو ہدایت کے حصول میں واسطہ و وسیلہ بنانا ان پر کیوں کر لازم اور ضروری ہوگا؟

نوٹ:

بعض محدثین کا مذہب یہ ہے کہ نبی کے لیے تبلیغ ضروری نہیں ہوتی، بلکہ اس کی اپنی تکمیل اور تزکیہ نفس کے لیے وحی کا نزول (اور وہ بھی الہام اور منام صادق کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو)، اس کے نبی ہونے اور کہلانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچے خوابوں کا جو دورانیہ تھا یعنی چھ ماہ وہ ان کے نزدیک آپ کی نبوت کا دورانیہ تھا۔ اور بعد والا سارا عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عرصہ ہے۔ کما نقل عنہم المحدث الدہلوی قدس سرہ العزیز، لیکن ان مجتہد حضرات کو اس قول کا سہارا لینا بھی کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا۔

کیوں کہ:

(۱) مناماتِ صادقہ سے پہلے چالیس سال کا عرصہ بقول ان (محدثین) کے نہ نبوت آپ ﷺ کو حاصل تھی اور نہ ہی رسالت، جبکہ یہ لوگ اس آڑ میں آغازِ ولادت سے نبوت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

(۲) محل بحث ہے وہ نبوت جو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان سفارت ہے اور افاضہ و استفاضہ اور افادہ و استفادہ کا واسطہ و وسیلہ ہے۔ اور اس نبوت میں صرف اس نبی کی ذات کی تکمیل ملحوظ ہے اور اس کا ذاتی فائدہ ہے نہ کہ مخلوق کا، تو اس کو یہاں زیر بحث لانے کا کیا فائدہ؟

(۳) نبی مکرم ﷺ ہزاروں سالم عالم ارواح میں بالفعل نبی ہوں، اور مبدأ فیوض و فتوح اور سرچشمہ خیرات و برکات، لیکن یہاں پر پھر عمر شریف کا دو تہائی حصہ صرف اپنے تزکیہ و تصفیہ اور تکمیل و تربیت پر لگا دیں، اس کا از روئے عقل و دانش کیا جواز ہے؟ کیا وہاں اپنے تزکیہ و تصفیہ اور تربیت و تکمیل کے بغیر نبی بن گئے تھے؟ یا جسمانی حالت میں ڈھلنے پر اور روح اقدس کے جسم عنصری میں حلول و سریان کی وجہ سے یہ تبدیلی آگئی تھی؟

شق اول کا بطلان واضح ہے، اور شق ثانی تسلیم کرنے پر سیالوی والا راستہ اپنانا اور اس کا نظریہ و عقیدہ اپنانا لازم اور ضروری ٹھہرا۔ جس میں قرار علی مامنہ الفراز بھی ہے اور اپنے فتووں کا ہدف اور نشانہ بننا بھی لازم ہے، جب کہ یہ بہت بڑا مہنگا سودا ہے اور ان مجتہدین کے لیے ناقابل قبول ہے۔

(۴) مجتہد حضرات آغازِ ولادت سے آپ ﷺ کو بالفعل نبی نہ ماننے کو آپ ﷺ کے حق میں تنقیص و تفریط اور توہین و تحقیر قرار دیتے ہیں، کہ اتنا عرصہ آپ ﷺ بالفعل نبی نہ ہوں

بلکہ صرف بالقوة ہوں تو یہ آپ کی کسر شان ہے۔

ان سے کون پوچھے کہ جب آپ کی طرف سے لوگوں کو افادہ نہ ہو، نہ عقیدہ و عمل کی اصلاح نہ ہو، بلکہ اتنا عرصہ آپ ﷺ صرف اپنی طہارت اور صفائی پر لگا دیں، تو اس میں آپ ﷺ کا کونسا کمال ظاہر ہوا؟ اور عالم ارواح والی ہزاروں سال کی نبوت کے کیا ثمرات اور نتائج اس عالم میں سامنے آئے؟

جبکہ دنیوی عمر شریف کا دو تہائی حصہ صرف اپنی تطہیر و تصفیہ اور تربیت و تزکیہ پر صرف ہو گیا، اور صرف ایک تہائی حصہ امت کے کام آیا، ”دوسروں کے لیے اس عرصہ میں بالقوة نبی ہونے“ یا ”صرف اپنی ذات کے لیے بالفعل نبی ہونے والے“ دونوں اقوال میں کیا کوئی خاص فرق سامنے آسکتا ہے کہ پہلے قول کو سراسر بے ادبی قرار دے دیا جائے، اور دوسرے قول کو سراسر ادب و تعظیم؟؟؟

(۵) اگر یہ مذہب و مسلک اور نظریہ و عندیہ قابل قبول اور لائق اعتماد ہوتا تو اکابرین ملت ایسے لوگوں کو جاہل و نادان اور عقل و فہم اور دانش و بینش سے عاری اور خالی کیوں ٹھہراتے؟ اور اس کو دین و مذہب اور منصب نبوت اور خلافت کے ساتھ بدترین مزاح اور استہزاء کیونکر قرار دیتے؟ جیسا کہ حضرت علامہ میر سید اور حضرت امام قرطبی اور حضرت شاہ عبد العزیز رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات نظر نواز ہو چکے ہیں۔

(۶) علاوہ ازیں، جو ہستی اپنی تکمیل و تربیت اور تصفیہ و تزکیہ میں مصروف ہوگی وہ لوگوں کے لیے تو نبی بالقوة ہی ہوگی نہ کہ بالفعل، اور اگر اپنے لیے بالفعل ہو بھی تو لوگوں کو اس کا علم و عرفان کیسے اور کیونکر حاصل ہوگا؟ کیا ان پر یہ اعلان لازم ہوگا کہ میں اپنے لیے نبی بن ہو چکا ہوں اور اپنی تکمیل کے بعد تمہارا بند و بست کرتا ہوں؟ بس تھوڑا عرصہ صبر کرو، یا لوگوں کو غیب کا علم و عرفان حاصل کرنا لازم ہوگا تا کہ

ان کی نبوت معلوم بھی کریں اور اس پر ایمان بھی لائیں، بہنو افتوجروا۔
لطیفہ عجیبہ:

ہمارے معاصر محققین حضرات، نبی اکرم ﷺ کی آغاز ولادت سے نبوت ثابت کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں ملنے والی نبوت کو دلیل بناتے ہیں، مگر انہوں نے تو تبلیغ بھی کر دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی عبدیت کا اعلان کیا، کتاب دیے جانے کا، نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ مامور ہونے اور والدہ ماجدہ کے ساتھ برواحسان سے پیش آنے کا پابند ہونے وغیرہ وغیرہ کا اعلان فرما دیا، اور اپنی حیثیت کو واضح کر دیا یوں ہی حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی ہم عمروں اور ہم جولیوں کو فرماتے تھے: ہم کھیل کود اور لہو و لعب کے لیے پیدا نہیں کیے گئے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے پیدا کئے گئے ہیں، لہذا آؤ اپنے خالق و مالک کی عبادت کریں۔

اگر بقول ان حضرات کے نبی کے لیے تبلیغ شرط اور فرض نہیں ہوتی تو حرام اور مکروہ تحریمی بھی نہیں ہوتی، بلکہ یقیناً مستحب امر ہے، تو بطور استحباب ہی آنحضرت ﷺ تبلیغ فرماتے رہتے، اور اپنے مشن اور مقصد تخلیق اور مصلحت بعثت سے آگاہ فرماتے رہتے۔ لیکن قطعاً اس طرح نہ ہوا بلکہ مکمل سکوت اور خاموشی اختیار فرمائے رکھی، تو لازماً ماننا پڑے گا کہ یہ ذمہ داری آپ کو عرصہ بعد سوئی گئی تھی۔

کیا ارواح کا ملین کا بشری لباس میں منتقل ہونا ان میں کوئی تغیر و تبدل پیدا کرتا ہے یا نہیں؟

روح کے وہ کمالات اور قوتیں جو اسے اپنی نورانیت اور تجرد والی حالت میں حاصل ہوتے ہیں بدن میں حلول و سریان کے بعد ان کا تبدیل ہونا ممکن ہے، محبوب کریم علیہ

الصلوة والتسليم بقول بعض صوفیائے کرام اور عرفائے عظام عالم ارواح میں نبی تھے اور ارواح انبیاء علیہم السلام کو تعلیم و تربیت دیتے تھے اور ملائکہ بھی ان سے مستفید ہوتے تھے جیسے کہ مروی ہے کان ذالك النور يسبح وتسبح الملائكة بتسبيحه آپ کا نور اقدس اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف اور مشغول ہوتا تھا اور ملائکہ اسکی تسبیح کے ساتھ اور اسکی اقتداء و اتباع میں تسبیح کہتے تھے۔ گویا آپ اللہ تعالیٰ اور ان قدسیوں کے درمیان واسطہ افاضہ و افادہ اور وسیلہ استفادہ و استفادہ تھے لیکن ناسوتی بدن میں آنے کے بعد جبرائیل امین علیہ السلام آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ بن گئے۔ وحی لانا اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور اوامر و نواہی آپ تک پہنچانا ان کے سپرد ہو گیا۔ وہ قراءت کرتے تو آپ ﷺ ان کی قراءت سن کر قراءت کرتے ہیں، وہی وضو کا طریقہ، نماز پڑھنے کا طریقہ اور باجماعت ادا کیگی کی کیفیت آپ کو سکھلاتے ہیں۔

ابتدا میں قراءت کا حکم (اقراء) سن کر آپ ﷺ معذرت کرتے ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اور اسکے بار بار سینے کے ساتھ لگانے اور دبانے اور توجہ اتحادی کے ذریعے بشریت کو مغلوب کرنے اور روحانیت و نورانیت کو غالب کرنے اور عالم ملائکہ کے ساتھ اور عالم بالا و عالم غیب کے ساتھ آپ کا ربط و تعلق قائم کرتے ہیں تب آپ ﷺ ابتدا میں وحی میں نازل ہونیوالی آیات کی تلاوت فرماتے ہیں اور گھر پہنچنے پر کس قدر اضطررابی کیفیت طاری تھی کتب احادیث اور کتب سیرت میں ان کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

پہلی وحی والی حدیث کے متعلق چند غور طلب امور:

اول:

جبرائیل امین علیہ السلام آپ کو سینہ سے لگا کر دباتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں حتی بلغ مني الجهد حتی کہ میری قوت برداشت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی تھی اس کا اس سے زیادہ

دبانامیرے لیے ناقابل برداشت تھا۔

(نوٹ)

یہ معنی اس صورت میں ہے کہ الجھد کے لفظ پر رفع پڑھا جائے لیکن اگر (حتیٰ بلغ منی الجهد) زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام مجھے دبانے میں اپنی قوت و طاقت کی انتہا کو پہنچ گئے اس سے زیادہ مجھے دبانانا ان کے بس میں نہیں تھا۔

دوم:

سوال یہ ہے کہ عالم ارواح میں آپ ﷺ ان کے لیے نبی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلق آپ کا ہو اور اس سے فیوضات و کمالات حاصل کر کے ان ارواح قدسیہ کی اصلاح و تربیت فرمائیں تو لامحالہ آپ کی روحانی قوت و طاقت ان سے بدرجہا زائد اور ارفع ہونی چاہیے جیسے کہ لازم و ضروری ہے کہ ہر نبی اپنی امت سے روحانی قوت و طاقت اور صلاحیت و استعداد میں زائد اور برتر ہو اور ارفع و اعلیٰ تو پھر آپ کی قوت برداشت کا انتہاء کو پہنچنا اور اس سے زائد و باو برداشت نہ کر سکتا قابل تصور نہیں ہے۔

دوسری صورت میں جبرائیل کی قوت و طاقت ایک شخص کو دبانے میں اپنی انتہا کو پہنچ جائے جو کہ وہ طور کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر لا کر فضا میں کھڑا رہا اور نیچے پھینکنے اور ان کو کچلنے کے حکم کا منتظر رہا جب وہ طوعاً کرہاً تورات قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے تو واپس اسے اپنی سابقہ جگہ پر لے جا کر رکھ دیا۔ لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرتے وقت ان کے علاقہ کی زمین کو پھلی تہہ سے اٹھا کر آسمان دنیا کے قریب لے جا کر الٹا دیا اور ان کا نام و نشان بھی مٹا دیا اتنی قوت و طاقت کا مالک یہاں اتنا کمزور اور ضعیف اور نحیف و نزار کیوں ہو رہا تھا کہ ایک شخص انسانی کو دبانے اور پھینچنے میں اسکی قوت و طاقت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی روح اقدس کے تجرد اور بدن سے تعلق سے قبل قوت و طاقت اور تھی جو بدن میں

حلول و سر بیان کی وجہ سے ضعف و ناتوانی سے دوچار ہو گئی تھی۔

مگر جب معراج شریف سے اللہ تعالیٰ نے مشرف فرمایا تو اس وقت بدن اقدس بھی سراسر نور بنا ہوا تھا اور روح اقدس کی خداداد استعدادات اور صلاحیتوں کے ظہور میں مانع اور حائل نہیں تھا اس لیے جبرائیل امین تمام تر قوتوں کے باوجود اور حاجب و مانع امر طاری نہ ہونے کے باوجود آپ کی رفتار اور اس بے پر نبی کی پرواز کا ساتھ نہ دے سکے اور اپنے مسکن قدیم سے بال برابر بھی آگے جانے کی ہمت نہ کر سکے جبکہ آپ فرما رہے تھے:

چوں در دوستی مخلصم یافتی عنانم ز صحبت چراتالقی
بدو گفت سالار بیت الحرام کہ امے حامل وحی ہر تر خرام
مگر اس امین و درنا کا جواب کیا تھا؟

اگر یکسر موئے بر تر پر فروغ تجلی بسوزد پر
صرف ایک بال آں مقدار آگے جانے پر ہلاکت کا اندیشہ ہی نہیں یقین ہے، کیونکہ
ملائکہ اوہام و خیالات کا شکار نہیں ہو سکتے اور پھر وہ بھی جبرائیل امین جیسے رسول من الملائکہ بلکہ
وہ اپنی طرف سے حتمی فیصلہ دے رہے ہیں اور معذرت خواہ ہیں۔

بگفتا فراتر منج الم نمااند بماندم کہ نیروئے بالم نمااند
لہذا یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ عالم ارواح میں ہوتے ہوئے محبوب کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت اور توانائی اور تھی صلاحیتیں اور استعدادیں اس بشری حالت سے مختلف تھیں اور
بشری حالت والی طاقت مجرد والی توانائیوں اور استعدادوں سے مختلف ہو چکی تھی۔

یہی وجہ علمائے اعلام اور شرانہ حدیث نے دوسرے معنی کے متعلق بیان فرمائی ہے کہ
اب جبرائیل علیہ السلام بشری حالت میں تھے جب کہ اس وقت ملکی حالت میں تھے جب کہ وہ
طور اور قطعہ ارضی کو ایک پر کنارے پر اٹھالیا تھا۔ لہذا بشری حالت میں اتنا ہی زور ظاہر کر سکتے

تھے۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح بخاری جلد اول ص ۵۷، ارشاد الساری جلد اول ص ۹، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۰۸، اشعۃ المعات جلد ۲ ص ۵۳۲)

عبارت ملاحظہ ہو:

لا شك أن جبرائيل في حالة الغط لم يكن على صورته الحقيقية التي تجلي بها عند سدرۃ المنتهى و عند ما رآه مستويا على الكرسي فيكون استفراغ جهده بحسب صورته التي تجلي له و غطه و اذا صحت الروايات اضمحل الاستبعاد۔

”بلا شك و شبہ جبرائیل علیہ السلام نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سینہ سے لگا کر دباتے وقت اپنی اصلی صورت پر نہیں تھے جس کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ پر جلوہ گر ہوتے تھے، اور جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر جلوہ گر دیکھا تھا لہذا اسکی طاقت کا اپنی انتہا کو پہنچنا اس صورت کے اعتبار سے ہے جس میں وہ جلوہ گر ہوئے اور آپ کو بھینچا اور جب یہ روایت صحیح طور پر ثابت ہے تو اس میں استبعاد اور ریب و تردید کی کوئی گنجائش نہیں ہے“

مقام غور ہے کہ اگر صرف وقتی اور عارضی بشری روپ اس قدر حائل اور مانع ہو سکتا ہے تو کیا اصلی اور حقیقی اور دائمی بشریت کا اثر ظاہر نہیں ہوگا اور اسکی طرف سے کوئی رکاوٹ اور مانع پیدا نہیں ہوگا؟ یقیناً اثر ظاہر ہونا لازم اور ضروری ہے اور یہ حقائق حدیثیہ اس امر کے شاہد صادق اور دلیل ناطق ہیں۔

سوم:

حضرت عزرائیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور ان کو موت قبول کرنے کا حکم سناتے ہیں، کہتے ہیں اجب ربك رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دو تو جوابی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے منہ پر مکار سید کرتے ہیں جس سے انکی آنکھ پھوٹ جاتی ہے وہ واپس جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں ارسلنی الی عبدی لا یرید الموت

وقد فقا عینی اے بارالہ! تو نے مجھے ایسے شخص کے پاس بھیج دیا جس کا مرنے کا ارادہ ہی نہیں تھا اور اس نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے فرد اللہ علیہ عینہ تو اللہ تعالیٰ نے اسکی آنکھ درست فرمائی اور سابقہ حالت پر لوٹائی جیسے کے بخاری مسلم شریف میں متفق علیہ روایت کے طور پر مذکور ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر ملک الموت اپنی حالت میں ہوتے تو کیا ان کو موسیٰ علیہ السلام کا مکا لگ سکتا تھا اور کیا وہ اس سے متاثر ہو سکتے تھے؟ اور اللہ تعالیٰ سے اپنی اس تکلیف اور ایذا پر شکایت کرنے کی نوبت آ سکتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بحالی اور درستگی کی ضرورت پیش آ سکتی تھی؟ یقیناً نہیں تو لامحالہ تجرد و تعلق کی دونوں حالتوں میں فرق کرنا ضروری ہے اور اگر محض روپ بشری اختیار کرنے پر اور اس صورت بشریہ میں متمکن ہو کر ظاہر ہونے پر یہ تبدیلی اور اثر پذیری اور انفعالی کیفیت پائی جا سکتی ہے تو حقیقی بشری بدن میں مقید اور محبوس ہونے پر اسی طرح کی انفعالی کیفیت اور تغیر و تبدل والی حالت و کیفیت کیونکر وقوع پذیر نہیں ہوگی۔

چہارم:

مقام غور ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ساتھ کیوں کیا گیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں انبیاء کرام کے ارواح اور ملائکہ کے لیے نبی تھے اور ان کے معلم اور مربی؟ پہلے دن ہی کیوں نہ حضرت جبرائیل امین اپنی اصلی ملکی شکل و صورت میں وحی لے کر حاضر ہوئے؟ چھ ماہ تک سچے خوابوں پر اکتفاء کیا گیا بعد ازاں جبرائیل علیہ السلام بشری حالت میں ڈھل کر حاضر خدمت ہوئے۔

علمائے اسلام اور مقتدایان انام نے اسکی جو حکمت و مصلحت بیان فرمائی وہ ملاحظہ فرمائیں:

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت بشری میں تھے اچانک اور پہلی دفعہ ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اپنی اصلی ملکی صورت میں نازل ہونا آپ کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتا لہذا حکمت

خداوندی کا تقاضا یہ ہوا کہ سچے خوابوں کے ساتھ آغاز کیا جائے تاکہ عالم غیب اور روحانیت سے آپ کا ربط و تعلق قائم ہو جائے اور نزول وحی تک کی آپ ﷺ کے بدن اقدس میں استعداد پیدا ہو جائے۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں: انما ابتداء انك ^{صلی اللہ علیہ وسلم} بالرویا لتلايفجأ الملك ویاتیه بالصریح النبوة بغتة فلا تحملها القوى البشرية تبدأ باوائل خصال النبوة۔
(ارشاد الساری جلد اول ص ۸۷ نووی شرح مسلم جلد اول ص ۸۸)

ترجمہ: سچے خوابوں کے ساتھ آپ پر وحی کی ابتداء صرف اور صرف اس لیے کی گئی تاکہ اچانک فرشتہ وحی کی آمد اور واضح اور صریح نبوت کا اچانک آپ پر نزول نہ ہو ورنہ آپ کے قوائے بشریہ اس کے متحمل نہ ہو سکتے لہذا نبوت کے اولین خصائل کے ساتھ آپ کے لیے آغاز کیا گیا۔
علامہ علی قاری مرقاۃ میں اس طرح کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انما ابتداء ^{صلی اللہ علیہ وسلم} بالرویا (الی) بتباشیر الكرامة و صدق الرؤیا استیناسا قلت وهو مقتضى الامور القدر یجبہ فی الامور الدینیة والدیویة (جلد ۱۱ ص ۱۰۵)
آپ ﷺ پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں کے ساتھ ہوئی (تا) تو کرامت و عزت کی بشارت اور سچے خوابوں سے آغاز کیا گیا تاکہ عالم غیب و روحانیت کیساتھ آپ کو انس حاصل ہو جائے، میں کہتا ہوں کہ جو دینی اور دنیوی امور درجہ بدرجہ ترقی پذیر ہوں ان کا تقاضا یہی ہے۔
علامہ بدرالدین عینی نے رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں سوال و جواب کی صورت میں یہی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اجیب بانہ انما ابتداء بہ (الی) فبدنی باوائل خصال النبوة وتباشیر الكرامة من صدق الرؤیا مع سماع الصوت و سلام الحجر و الشجر علیہ بالنبوة ورؤية الضوء ثم اكمل له النبوة برسالة الملك فی اليقظة و كشف له عن الحقيقة كرامة له

(عمدة القاری جداول ص ۶۰)

اس سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اچانک فرشتہ کے نزول اور صریح نبوت کے نزول سے آپ ﷺ کے قوائے بشریہ مضمحل ہو جاتے اس لیے خصال نبوت کے مبادیات اور تاثیر کرامت کے ساتھ آغاز کیا گیا یعنی خوابوں کا سچا اور برحق ہونا بمع غیبی آوازیں سننے کے اور شجر و حجر کی طرف سے نبوت والے لقب کے ساتھ سلام سننے کے اور نور و ضیاء کے مشاہدہ کے۔ پھر فرشتہ کو بیداری میں نازل فرما کر اور حقیقت سے حجاب اور پردہ ہٹا کر آپ کو عزت و کرامت بخشے ہوئے آپ کی نبوت کو کامل کر دیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اس حکمت و مصلحت کو اس طرح

بیان فرمایا:

مناسبة الآية للترجمة واضح من جهة ان صفة الوحي الى النبي ﷺ توافق صفة الوحي الى من تقدمه من النبيين و من جهة ان احوال الانبياء في الوحي بالرؤيا كما رواه ابو نعيم في الدلائل باسناد حسن عن علقمة بن قيس صاحب ابن مسعود رضي الله عنه قال ان اول ما يوتى به الانبياء في المنام حتى تهدأ قلوبهم ثم ينزل الوحي بعد ذلك (زیر حدیث ابتدائے وحی)

آیت کریمہ انا اوحینا الیک (النساء: ۱۶۳) کی مناسبت ترجمہ اور عنوان کے ساتھ واضح ہے اس لحاظ سے بھی کہ ہمارے نبی مکرم ﷺ پر نازل ہونیوالی وحی کی حالت و کیفیت آپ ﷺ سے قبل تشریف لانیوالے انبیاء علیہ السلام کے موافق و مطابق ہے اور اس لحاظ سے بھی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ابتداء وحی سچے خوابوں سے ہی ہوتی ہے جیسے کہ علقمہ ابن قیس جو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصاحب اور شاگرد ہیں سے ابو نعیم نے دلائل النبوة میں اسناد حسن کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ پہلے پہل انبیاء علیہم السلام کو خوابوں میں علوم حاصل

ہوتے ہیں اور انکشافات ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان کے دلوں کو سکون و قرار حاصل ہو جاتا ہے بعد ازاں ان پر بیداری میں ملائکہ کے ذریعے وحی نازل ہوتی ہے۔

حضرت شیخ محقق عبدالحق دہلوی نے اس حدیث اقام بمکہ خمس عشر سنۃ یسمع الصوت و یری الضوء سبع سنین ولایری شیئا و ثمان سنین یوحی الیہ کے تحت ارشاد فرمایا، یعنی نبی مکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں پندرہ سال اس حال میں قیام پذیر رہے کہ آپ ﷺ کو غیب سے آوازیں سنائی دیتی تھیں اور سات سال تک نور و ضیاء دکھائی دیتا مگر کوئی شئی نظر نہیں آتی تھی اور آٹھ سال تک آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی تو اسکی حکمت و مصلحت کیا تھی؟

از کتب سیرت و احادیث دیگر معلوم می شود کہ این حال پیش از ظهور نبوت بود و حکمت در آن تحصیل استیناس و ایتلاف بعالم ملکوت بود تا ظهور آن یکایک سبب انهدام بنائے بشریت و اضمحلال رسوم انسانیت نگردد و باوجود حصول استقرار و تمکین در وقت وحی بعضی اوقات از ثقل و تعب می یافت کہ از خود میرفت واللہ اعلم و بر ہر تقدیر بر این روایت بعد از نبوت پانزدہ سال او در مکہ بود بعد ازاں ہجرت کرد بسوئے مدینہ منورہ۔

(اشعة اللمعات جلد ۴ ص ۵۳۰)

ترجمہ:

کتب سیرت اور احادیث کی دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیفیات آپ پر طاری ہوتی تھیں نبوت کے ظہور سے قبل اور اس میں حکمت یہ تھی کہ عالم ملکوت اور عالم بالا کیساتھ انس اور الفت کاملہ حاصل ہو جائے تاکہ یک دم اور اچانک نبوت کا نزول اور ظہور بنائے بشریت کے انهدام اور رسوم انسانیت کے اضمحلال کا سبب نہ بن جائے۔ بلکہ (اس تدبیر اور تدریجی طریقہ پر) استقرار و تمکین اور سکون و قرار کے حصول کے باوجود بعض اوقات نزول وحی کے وقت آپ

صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر بوجھ اور گرانی محسوس فرماتے تھے کہ اپنے آپ سے بیگانہ ہو جاتے تھے (تو اگر یہ تدریجی طریقہ اختیار نہ کیا جاتا اور اچانک وحی نازل ہو جاتی تو پھر آپ کی حالت کیا ہوتی) واللہ اعلم۔ بہر تقدیر اس روایت کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حصول نبوت اور نزول وحی کے بعد پندرہ سال تک مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے بعد ازاں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی دوسری دو روایتوں کے مطابق آپ نبوت حاصل ہونے کے بعد دس سال یا تیرہ سال مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے جبکہ راجح تیرہ سال والی روایت ہے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كانت مدة الرء ويا ستة اشهر فيما حكاها البهيقي فحينئذ يكون ابتداء النبوة بالروء يا حصل في شهر ربيع الاول و هو شهر مولده واحترز بقوله من الوحي مما رأى من دلائل نبوته من غير وحى كتسليم الحجر و اوله مطلقا ما سمعه من بحيرا الراهب كما في الترمذى بسند صحيح (ارشاد الساری جلد اول ص ۸۷)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خوابوں کی مدت امام بیہقی کی روایت کے مطابق چھ ماہ تھی تو اندریں صورت خوابوں کے ذریعے آپ کی نبوت کی ابتداء آپ کی ولادت باسعادت والے مہینہ یعنی ربیع الاول میں پائی گئی۔ من الوحي کے الفاظ ذکر فرما کر وحی کے علاوہ دیگر دلائل اور علامات نبوت سے احتراز کیا ہے جو آپ نے ملاحظہ اور مشاہدہ فرمائے جیسے کہ پتھروں کا آپ کو سلام پیش کرنا اور دلائل نبوت اور امارات رسالت سے علی الاطلاق پہلی دلیل اور علامت وہ ہے جو آپ نے بحیرا راہب سے سنا۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان الله فطر محمد ^{عليه} ائمة على التوحيد و بغض الاوثان اليه و وهب له اول اسباب النبوة و هي الرويا فلما رأى ذلك اخلص الى الله تعالى في ذلك فكان يتعبد

بغار حراء فقبل الله عمله و اتم له النعمة - قال المهلب ما حصله قصد البخاری رحمه الله تعالى الاخبار عن حال النبي ﷺ في حال منشأته و ان الله بغض اليه الاوثان و حبب اليه خصال الخير و لزوم الوحدة فراراً من قرناء السوء فلما التزم ذلك اعطاه الله على قدر نيته و وهب له النبوة كما يقال الفواتح عنوان الخواتم - و لخصه بنحو من هذا القاضي ابو بكر ابن العربي - قال ابن المنير في اول التراجم كان مقدمة النبوة في النبي ﷺ الهجرة الى الله بالخلوة في غار حراء فناسب الافتتاح بحديث الهجرة -

(فتح الباری جلد اول ص ۸)

اللہ تعالیٰ نے محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو توحید پر اور اوثان اور اصنام کی عداوت پر پیدا فرمایا اور آپ ﷺ کو اسباب نبوت میں سے پہلا سبب یعنی رویائے صالحہ عطا فرمایا۔ ان کے دیکھنے پر آپ ﷺ کی توجہ خالص اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گئی چنانچہ آپ ﷺ غار حرا میں عبادت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ عمل قبول فرمایا اور آپ پر اپنی نعمت کو کامل اور تام فرمایا، امام مہلب نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کا مقصد ہے نبی مکرم ﷺ کے احوال منشأ اور آغاز ولادت کے کیفیات سے خبر دینا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اوثان و اصنام کو آپ کے ہاں مبغوض اور ناپسندیدہ ٹھہرایا اور خیر و بھلائی والی خصلتوں کو آپ کے ہاں محبوب و مرغوب ٹھہرایا اور خلوت و گوشہ گیری کو آپ کے ہاں پسندیدہ امر ٹھہرایا برے ساتھیوں کی صحبت سے فرار اختیار کرتے ہوئے جب آپ ﷺ نے ان امور کا التزام کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی نیت اور خلوص کے مطابق نوازا اور آپ کو نبوت عطا فرمادی جیسے کہ مثل مشہور ہے اور زبان زد عوام و خواص ہے کہ آغاز انجام کا عنوان اور ترجمان ہوا کرتا ہے۔

حضرت قاضی ابوبکر بن العربی نے بھی اسی طرح کی تعبیر اور تلخیص اس مقام پر فرمائی ہے۔ علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث ہجرت کے ساتھ باب بدء الوحی والبعث کی ابتدا

کرنے سے امام بخاری علیہ الرحمہ کے نزدیک حکمت و مصلحت کیا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تراجم میں سے پہلے ترجمہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے مقدمہ اور بدء کا بیان تھا یعنی غار حرا میں خلوت اور گوشہ نشینی کی صورت میں ہجرت الی اللہ (جس کو ہجرت در وطن سے تعبیر کیا جاتا ہے) تو حدیث ہجرت کے ساتھ افتتاح کرنا مناسب ہوا اور حدیث ہجرت کا ربط و تعلق بدء الوحی اور آغاز نبوت کے ساتھ واضح ہو گیا۔

حکى البیهقی ان مدۃ الروء یا کانت ستة اشهر و علیٰ هذا ابتداء النبوة بالروء یا وقع من شهر مولده و هو ربیع الاول بعد اكمالہ اربعین سنة و ابتداء وحی البیضة وقع فی رمضان۔ (فتح الباری ص ۲۶)

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ روایے صالحہ کی مدت چھ ماہ تھی تو اندریں صورت نبوت کی ابتدا روایے صادقہ کیساتھ آپ کی ولادت مبارکہ والے مہینہ یعنی ربیع الاول میں ہوئی جبکہ آپ عمر شریف کے چالیس سال پورے کر چکے تھے اور بیداری میں وحی نبوت کی ابتداء رمضان المبارک میں ہوئی۔

عن الشعبی انزلت علیہ النبوة و هو ابن اربعین سنة فقرن بنبوته اسرافیل ثلاث سنین الخ اخرجہ ابن ابی خیشمة عن داود بلفظ بعث للاربعین و و کل بہ اسرافیل ثلاث سنین ثم و کل بہ جبرئیل صلی اللہ علیہ و علیہما وسلم۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ آپ پر نبوت نازل کی گئی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے تھے پس تین سال تک حضرت اسرافیل آپ کے قرین اور مصاحب رہے الخ اس مضمون کو ابن ابی خیشمة نے داؤد سے ان لفظوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور تین سال تک حضرت اسرافیل کو آپ کے لیے وکیل اور دستار بنایا گیا بعد ازاں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آپ کے لیے مامور اور مکلف ٹھہرایا گیا۔

ان تصریحات کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس امر میں شک و شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کالمین و اکملین نوری نہاد اور نورانی حقائق والی ہستیاں جب بشری صورت و شکل اور انسانی حالت و کیفیت میں ڈھلتی ہیں تو ان میں ضرور بالضرور تغیر و تبدل پایا جاتا ہے اور حالت تجرد والی قدرت و طاقت اور استعداد و صلاحیت برقرار نہیں رہتی اور بشری حالت خواہ وہ عارضی روپ ہی کیوں نہ ہو حجاب اور مانع بن جاتی ہے چہ جائیکہ حقیقی بشریت ہو اور وہ بالکل حجاب اور مانع نہ بنے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں یہ انفعالی کیفیت پائی گئی تھی اسی لئے مرحلہ وار اور تدریجی طور پر آپ پر وحی نازل ہوئی تاکہ کلام اور اچانک جبرئیل امین کے اپنے اصلی روپ میں اور ملکی شکل و صورت میں ظاہر ہونے پر آپ کی بنائے بشریت منہدم ہی نہ ہو جائے اور قوائے بشریہ مفلوج ہو کر ہی نہ رہ جائیں جبکہ اس حجاب بشریت سے الگ ہونے اور اپنا حقیقی جلوہ دکھانے پر ہو سکتا ہے کہ جبرئیل امین اپنے ہوش و حواس گم کر بیٹھیں کما قال مولائے دوم:

احمد ار بکشا یدآں پر جلیل تا ابد بے ہوش ماند جبرئیل
 لہذا تجرد و تعلق والے مراتب کا باہم فرق ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے۔

روح مجرد اور روح متعلق بالبدن کا فرق:

محل نزاع میں یعنی اس معاملہ میں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اور حقیقت محمدیہ عالم ارواح میں بالفعل اور عملی طور پر ارواح انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کے لیے مربی اور فیض رساں ہو اور عالم اجسام میں ظہور کے بعد چالیس سال تک بالفعل اور عملی طور پر نبی نہ ہوں اس موقعہ اور محل میں اس امر کا ملحوظ اور مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ روح مجرد اور بدن میں حلول و سریان رکھنے والے اور مادہ سے متعلق روح کے درمیان بہت بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ روح انسانی ملائکہ کی جنس سے ہے اور جو قدرت و قوت اور طاقت و توانائی ان میں ہوتی ہے یہ ارواح بھی اسی قسم کی قوت و طاقت اور قدرت و استطاعت سے بہرہ ور ہوتی ہیں مگر جب مادی ابدان سے متعلق ہو جاتی ہیں اور اسکی

تدبیر و تربیت میں مصروف ہو جاتی ہیں تو انکی وہ صلاحیتیں اور استعدادیں اور قوتیں اور توانائیاں کمزور پڑ جاتی ہیں اور بدنی کثافت اور جسمانی کدورت کی وجہ سے مغلوب ہو جاتی ہیں۔ لیکن جب مجاہدات و ریاضات اور عبادات و اعمالِ شاقہ اور ذکر و فکر میں انہماک اور اشتغال ہو جاتا ہے اور روحوں کو روحانی غذائے لگتی ہے اور عبادات و ریاضات کے انوار سے بدنی کثافت اور جسمانی ظلمت اور کدورت دور ہونے لگتی ہے تو روح کے انوار کو ان ظلمات و کدورات پر غلبہ حاصل ہونے لگ جاتا ہے حتیٰ کہ بندہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کو قربِ فرائض اور قربِ نوافل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کی بدولت بندے کو فنائے صفات اور فنائے ذات حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی لازوال صفات کا بلکہ اسکی ذات پاک کے انوار و تجلیات کا مظہر کامل بن جاتا ہے جیسے کہ اس حدیثِ قدسی کا مدلول اور مقتضی ہے:

ما تقرب الی عبدی بشئ احب الی مما افترضت علیہ ولا یزال عبدی یتقرب الی بکثرة النوافل حتیٰ احببته فاذا احببته کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ الی یتبطش بہا و رجلہ الی یمشی بہا الحدیث رواہ البخاری۔

خلاصہ مفہوم یہ کہ فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا کوئی محبوب ترین ذریعہ نہیں ہے اور بندہ نوافل کی کثرت کی بدولت اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے مقامِ محبوبیت پر فائز فرما دیتا ہے تو جب اس منصب پر فائز ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نور اسکے کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور ہی اسکی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہی نور اسکا ہاتھ بنتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے اور وہی نور اسکے پاؤں بنتا ہے جن سے وہ چلتا ہے۔

امام رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

ان جوهر الروح لیس من جنس الاجسام الکائنة الفاسدة المتعرضة للتفرق

والتمرق بل هو من جنس جواهر الملائكة وسكان عالم السموات و نوع المتقدمين المتطهرين الا انه لما تعلق بهذا البدن و استغرق في تدبيره صار في ذلك الاستغراق الي حيث نسي الوطن الاول والمسكن المتقدم و صار بالكلية متشابها بهذا البدن الفاسد و ضعفت قوته و ذهبت مكنته ولم يقدر على شئ من الافعال واما اذا استانس بمعرفة الله ومحبته و قل انغمسه في تدبير هذا البدن و اشرقت عليه انوار الارواح السماوية العرشية المقدسة و فاضت عليها من تلك الانوار قويت على التصرف في اجسام هذا العالم مثل قوة الارواح الفلكية على هذه الاعمال و ذلك هو الكرامات (تفسير كبير جلد ۵ ص ۳۶۷ و ۳۶۸)

ترجمہ:

”یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ روح انسانی کا جوہر حقیقت، اجسام دنیویہ فاسدہ کی جنس سے نہیں ہے جو کہ ریزہ ریزہ ہونیوالے ہیں اور افتراق و انتشار کے درپے ہیں بلکہ ملائکہ والے جوہر کی جنس سے ہے اور سماوی عالم کے ساکن و مقدس و مطہر نفوس کی جنس سے ہے مگر جب اسکا تعلق اس خاک کی بدن سے قائم ہو گیا اور وہ اسکی تدبیر اور تربیت میں مشغول اور مستغرق ہو گیا تو اس استغراق و انہماک میں اس حد تک پہنچ گیا کہ اپنے اصلی وطن اور قدیم مسکن کو بھی بھول گیا اور بالکل اس فاسد جسم کے مشابہ ہو گیا تو اسکی وہ قوت و طاقت ختم ہو کر رہ گئی اور قدرت و استطاعت رخصت ہو گئی اور کسی بھی فعل و عمل پر اسکو قدرت حاصل نہ رہی۔ لیکن جب یہی روح معرفت الہی اور محبت خداوندی سے مانوس ہو جائے اور اس بدن کی تدبیر و تکمیل میں اس کا استغراق و انہماک کم ہو جائے اور اس پر ارواح سماویہ عرشہ مقدسہ کا عکس و پرتو پڑنے لگے اور اس کو ان انوار سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب ہو جائے تو اس کو بھی اس جہان کے اجسام میں تصرف کی اسی طرح قدرت حاصل ہو جاتی ہے جس طرح ارواح فلكیہ کو ان اعمال پر تصرف کی طاقت اور

قدرت حاصل ہوتی ہے اور یہی کرامات ہیں“

یعنی کرامات کا دار و مدار روح کی اصلی حالت کی بحالی پر ہوتا ہے اور عالم بالا کے ساتھ

اسکے تعلق اور ربط کے قائم ہونے پر۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

فاذا تفق فی نفس من النفوس کونها قوية القوة القدسية مشرقة الجوهر

علویة الطبيعة ثم انضاف اليها انواع الرياضات والعبادات التي تزيل عن وجهها غبرة

عالم الكون والفساد اشرفت و تلالأت و قويت على التصرف في هيولى عالم الكون

والفساد باعانة نور معرفة الحضرة الصمدية و تقوية اضواء حضرة الجلال والعزة

(تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۳۶۷ و ۳۶۸)

ترجمہ:

(ہمارا مذہب و مسلک یہ ہے کہ رو میں ماہیت کے لحاظ سے مختلف ہیں ان میں انتہائی

توی اور توانا بھی ہیں اور ضعیف و ناتواں بھی ہیں اور غایت درجہ نورانی بھی ہیں اور ظلمانی بھی

ہیں) ”تو جب کسی نفس میں قوت قدسیہ بھی موجود ہو اور اسکے جوہر بھی نورانی ہو اور طبیعت بھی عالم

بالا سے تعلق رکھنے والی ہو اور اسکے ساتھ ساتھ مختلف عبادت و ریاضات بھی شامل ہو جائیں جو

اس کے جوہری حسن و جمال کے چہرہ سے عالم کون و فساد اور جہان آب و گل کی گرد و غبار کو زائل

کر دیں تو اس روح میں چمک دمک پیدا ہو جائے گی اور اس میں معرفت الہیہ کے انوار اور بارگاہ

صمدیت و جلال کی ضیاء پاشیوں کی بدولت اس عالم کون و فساد کے اصول و مبادیات اور حقائق

میں تصرف کرنے اور انقلاب پانے کی قدرت و طاقت پیدا ہو جائے گی“

علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں علامہ کاشانی کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ جب

روح بدن میں مقید ہو تو مجاہدات ریاضات کی بدولت اس جہان میں اس کے خوارق عادات اور

معجزات و کرامات ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور یہ سب کچھ روح کی تدبیرات اور تصرفات ہوتے ہیں تو جب روح اس کے بدن کی قید سے آزاد ہو جائے اور ملا اعلیٰ کے ساتھ واصل ہو جائے تو بطریق اولیٰ اس سے اس طرح کے بلکہ ان سے بھی زائد تصرفات اور خوارق عادات ظاہر ہو سکتے ہیں۔

بل هو بعد المفارقة اشد تأثيراً و تدبيراً لان الجسد حجاب في الجملة الا ترى ان الشمس اشد احراقاً اذا لم يحجبها الغمام او نحوه۔

(روح البیان جلد ۱۰ ص ۳۱۶)

”بلکہ بدن سے علیحدگی کی صورت میں اس کی تاثیر اور تدبیر زیادہ موثر اور نتیجہ خیز ہوگی کیونکہ جسم اور لباس بشری کچھ نہ کچھ حجاب اور رکاوٹ ضرور ہی بنا رہتا ہے دیکھتے نہیں ہو کہ سورج کے لیے بادل وغیرہ کا حجاب نہ ہو تو اسکی حرارت کتنی شدید اور ضیاء کتنی تیز ہوتی ہے“ (مگر معمولی بدلی حائل ہونے پر نہ وہ چمک دمک اور ضیاء پاشی باقی رہتی ہے اور نہ ہی حرارت اور تمازت باقی رہتی ہے)۔

الغرض ارواح جتنی کامل سے کامل تر کیوں نہ ہوں ان کے مادی بدن سے تعلق اور اس میں تدبیر و تصرف والی مشغولیت کے بعد پہلی حالت برقرار نہیں رہتی اور بدن کچھ نہ کچھ حائل اور حاجب ضرور بن جاتے ہیں جب تک کہ ان کی کثافت لطافت میں نہ بدل جائے اور کدورت و ظلمت نورانیت میں تبدیل نہ ہو جائے اور مادیت اور تعلق لطافت اور تجرد میں تبدیل نہ ہو جائے اور بدن میں ہوتے ہوئے بدن سے آزاد نہ ہو جائیں (مفصل بحث جلاء الصدور اور ہدایۃ المتذبذب الحیران میں ملاحظہ ہو)

لہذا اس پس منظر میں یہ تسلیم کرنا ضروری ٹھہرا کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بشری لباس میں دنیا پر جلوہ فرما ہونے کا دوران یہ اس حالت و کیفیت سے مختلف اور جداگانہ ہے جس حالت و کیفیت

پراس تعلق مادی سے قبل آپ تھے۔ وہاں فیض دینے والی حقیقت بھی نورانی اور فیض لینے والے بھی نورانی۔ جن میں اتصال کامل اور تناسب و توافق اکمل طریقہ پر موجود تھا لیکن یہاں انسانوں اور بشروں کو فیض پہنچانا ہے اور وہ مادی ہیں اور روح اقدس آپ کے بدن شریف میں مقید ہو گئی اور وہ فی الجملہ مادیت اپنے اندر رکھتا ہے تو جب تک آپ ﷺ کے بدن شریف کو آپ کی روح اقدس اور حقیقت کے ساتھ کامل و اکمل ربط و تعلق حاصل نہ ہو جاوے اور وہ تعلق محض بدن کی تدبیر و تربیت والے تعلق سے بالاترین نہ ہو جائے تب تک نہ آپ ﷺ کا بدن روح اقدس کے انوار و تجلیات اور صلاحیت و استعداد سے بہرہ ور ہو سکتا ہے اور نہ دوسرے بشروں اور انسانوں کے لیے سرچشمہ فیوض اور منبع رشد و ہدایت بن سکتا ہے لہذا ضروری تھا کہ پہلے آپ کے بدن اقدس اور روح پاک کے درمیان ربط کامل اور باہمی توافق و تناسب پیدا کیا جاتا چنانچہ چار سال کی عمر میں شق صدر کیا گیا اور وساوس کو قبول کر سکنے والے بدنی مادہ اور منجمد خون کے ٹکڑے کو دل اقدس سے نکال باہر کیا گیا، پھر دس سال کی عمر میں شق صدر کر کے آپ ﷺ کے دل مبارک کے لیے عالم نورانی کے پانی سے غسل اور صفائی کا انتظام کیا گیا اور شہوانی خیالات اور نفسانی میلانات کے مبداء و منشا کا قلع قمع کیا گیا پھر چالیس سال کی عمر میں شق صدر کے ذریعے دل مبارک کو انوار و تجلیات کا گہوارہ بنایا گیا اور عالم ارواح اور ملائکہ کے ساتھ ارتباط اور اتصال کی صلاحیت و استعداد کو مطلوبہ معیار تک پہنچا دیا گیا تب وحی کا سلسلہ شروع کیا گیا اور وہ بھی پہلے سچے اور حقائق پر مبنی خوابوں کے ذریعے اور اس کے بعد فرشتہ کے ذریعے، لیکن اس کو بھی بشری حالت میں بھیجا گیا تاکہ بشری قوی اور جسمانی اعضاء اس ملاقات اور افادہ اور استفادہ کے متحمل ہو سکیں۔ اس معاملے میں درج بالا تفصیل کو مد نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

نہی مکرم ﷺ کے بدن اقدس اور روح اطہر کے درمیانی حجاب کا دور ہونا:

اب درج بالا تفصیل کی تائید و تصدیق اکابر اولیاء و اعظام علماء کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

1: عظیم المرتبت ولی اور غوث کبیر شیخ عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں:

ان المشاهدة على قدر المعرفة و ان المعرفة حصلت للنبي ﷺ حين كان الحبيب مع الحبيب ولا ثالث معهما فهو ﷺ اول المخلوقات فهناك سقيت روحه الكريمة من الانوار القدسية والمعارف الربانية ما صارت به اصلا لكل ملتبس ومادة لكل مقتبس فلما دخلت روحه الكريمة في ذاته الطاهرة سكنت فيها سكون الرضا والمحبة والقبول فجعلت تمدها بأسرارها وتمنحها من معارفها فصارت تترقى في المعارف والمعارف شيئا فشيئا من لدن صغرة ﷺ الى ان بلغ اربعين سنة فزال الستر حينئذ الذي بين الذات والروح وانمحي الحجاب الذي بينهما بالكلية و حصلت له المشاهدة التي لا تطاق حتى صار يشاهد كمشاهدة العيان ان الحق سبحانه هو المحرك لجميع المخلوقات وانه المنقل لهم من حيز الى حيز والمخلوقات بمنزلة الظروف واواني الفخار لا تملك لنفسها ضراً ولا نفعاً فارسله الله تعالى الخ

(ابریز شریف) (جواہر البحار جلد دوم ص ۲۵۳، ۲۵۴)

ترجمہ:

تحقیق (باری تعالیٰ کے کائنات میں بذات خود مکمل طور پر مدبر اور متصرف ہونے کا) مشاہدہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مطابق ہے اور نبی مکرم ﷺ کو معرفت اس وقت سے حاصل ہے جبکہ حبيب اپنے حبيب کیساتھ موجود تھا اور کوئی تیسری ذات موجود نہیں تھی لہذا آنحضرت ﷺ اولین مخلوق ہیں تو وہاں پر آپ کی روح مکرمہ کو انوار قدسیہ اور معارف ربانیہ سے اس قدر سیر اور سیراب کیا گیا کہ آپ ان انوار و معارف کی بدولت ہر طلب گار کے لیے اصل اور اساس اور ہر مستفید اور مستفیض کے لیے مادہ اور بنیاد بن گئے۔ پھر جب آپ کی روح مکرمہ آپ کی ذات مقدس اور بدن مبارک میں داخل ہو گئی تو اس نے اس میں رضا و رغبت اور محبت و الفت کے ساتھ

سکونت اختیار کر لی اور روح کریمہ اس ذاتِ اقدس کو اپنے اسرار و رموز اور معارفِ خاصہ کے ساتھ امداد و اعانت اور جو دوسخا سے نوازنے لگی اور آپ کی ذاتِ مقدسہ اور جسمِ اقدس کو معارج اور معارف میں لمحہ بہ لمحہ ترقی حاصل ہونے لگی بچپن سے لے کر چالیس سال کی عمر کو پہنچنے تک۔ (اور جب چالیس سال کی عمر کو پہنچے) تو اس وقت روح کریمہ اور جسمِ اقدس کا درمیانی حجاب بالکل زائل ہو گیا اور درمیانی ستر اور پردہ مکمل طور پر اٹھ گیا اور آپ کو جسمانی طور پر وہ مشاہدہ حاصل ہو گیا (جس کی پہلے جسم میں) استطاعت اور استعداد نہیں تھی حتیٰ کہ آپ آنکھوں کے ساتھ دیکھی جانے والی اشیاء کی طرح اس حقیقت کا مشاہدہ کرنے لگے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی تمام مخلوقات کا محرک ہے اور انہیں ایک چیز و مکان سے دوسرے چیز و مکان کی طرف منتقل کر نیوالا ہے اور ساری مخلوقات بمنزلہ ظروف اور بھٹی میں پکے برتنوں کی مانند ہے اور اپنی ذاتوں کے لیے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا (الی ان قال) حصلت لهم المشاهدة بلا شك لكن الستر لم يزل بالكلية و في مشاهدة

بيننا و بينهم ﷺ زال بالكلية (جواہر ص ۲۵۴)

دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی بلا شک و شبہ مشاہدہ حاصل ہوا (نہ کہ وہ عوام کی طرح رہے) لیکن ان میں روح اور بدن کا درمیانی پردہ اور حجاب مکمل طور پر زائل نہیں ہوا تھا اور ہمارے نبی مکرم ﷺ کے مشاہدہ میں مکمل طور پر وہ ستر اور پردہ زائل ہو گیا تھا۔

2: یہی غوث کبیر اور ولی کامل شق صدر کے متعلق فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا شق صدر تین مرتبہ ہوا:

اولها عند حلیمة و استخراج منه حظ الشيطان و هو ما تقتضيه الذات المادية من مخالفة الامر و اتباع الهوى و ثانیها عند عشر سنين و نزع منه اصل الخواطر الردية و ثالثها عند النبوة۔ (جواہر البحار ص ۲۵۹)

پہلی دفعہ حلیمہ سعدیہ کے ہاں شق صدر ہوا اور شیطانی وساوس کو قبول کر سکنے والا مادہ ہی آپ کے دل سے نکال باہر کیا گیا جو کہ خاک کی مادہ کا مقتضی اور ممکنہ اثر اور نتیجہ ہوا کرتا ہے یعنی امر خداوند تعالیٰ کی مخالفت کرنا اور خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرنا۔ دوسری دفعہ دس سال کی عمر شریف میں شق صدر ہوا اور ردی اور ناپسندیدہ خواطر اور خیالات کا مبداء اور منبع ختم کر دیا گیا اور تیسری دفعہ نبوت عطا کرتے وقت (چالیس سال کی عمر میں) شق صدر ہوا۔

فائدہ:

ان دونوں عبارتوں میں غور کرنے سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جسمانی طور پر نبوت چالیس سال کی عمر شریف میں عطا ہوئی اور یہ وقت کے عظیم ولی اور غوث کبیر کا نظریہ اور عقیدہ ہے نہ کہ کسی عام آدمی کا۔

3: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ بار بار شق صدر کی مصلحت اور حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الف: چار سال کی عمر میں شق صدر کی حکمت یہ تھی:

آنکہ در اطفال دیگر از حب ملاءبت و لہو و عبث و دیگر حرکات نا شائستہ میباشد از دل مبارک ایشان دور کردہ شود چنانکہ ہمیں واقع شد کہ آنجناب را در حالت صغر سن و طفولیت اصلاً التفات بملاءبت و بازی و لہو و عبث نبود بوقار و تمکین نشست و برخاست میفرمودند۔

ب: دس سال کی عمر شریف میں شق صدر کی حکمت:

این بار آنحضرت ﷺ را چون سن بلوغ قریب رسیدہ بود و از لوازم جوانی میل بشہوت و سورت غضب است برائے عصمت از گناہانے کہ تعلق باین دو صفت دارند و بیشتر غلبہ آنها در جوانی و مابعد جوانی است شق صدر

مکرر واقع شد۔

ج: وقت بعثت قریب آنے پر شق صدر کی حکمت:

چوں هنگام بعثت قریب رسید و زمان نزول وحی بر دل مبارک آنحضرت ﷺ نزدیک آمد بار دیگر دل ایشان را برای تنقیہ و تقویت چاک کردند۔

د: شب معراج شق صدر کی حکمت:

ایں بار شق صدر برائے آن بود کہ دل مبارک آنحضرت ﷺ قوت سیر عالم ملکوت بہم رساند و طاقت دیدن تجلیات بدیہہ و انوار مثالیہ پیدا کند۔

(ص ۲۳۱، ۲۳۲)

ه: قول باری تعالیٰ الم نشرح لك صدرک کی تفسیر میں فرمایا:

یعنی آیا کشادہ نساختہ ایم برائے تو سینہ ترا تا بار وحی را تحمل کند و اسرار الہی در آن سینہ پاک گنجائش نمایند و غم دعوت و تبلیغ و غم امت و دین و غم دنیا و غم آخرت ہمہ در آن قرار گیرند و غل و غش و حقد و حسد و ذمائم اخلاق بیرون روند و نور علم و ایمان و حکمت در آن محیط آید۔ (۲۷۲)

جب کہ بقول بعض صوفیائے کرام عالم ارواح میں آپ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے لیے بالفعل نبی و رسول تھے اور وحی خداوند تعالیٰ انہیں پہنچاتے تھے اور انہیں ان کی استعداد کے مطابق اسرار الہیہ سے باخبر رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے ساتھ منور و مستنیر فرماتے تھے لیکن لباس بشری پہننے اور عنصری مادہ کے ساتھ متعلق ہونے اور مادی بدن میں حلول و سریان اور اس کی تدبیر و تربیت میں مشغولیت کے بعد صورت حال یہ ہو رہی ہے اور وہاں پر بے پردہ انوار الہیہ اور تجلیات صمدانیہ کا مشاہدہ ہوا کرتا تھا اب معراج کے موقع پر شق صدر کی ضرورت پیش آرہی ہے اور اس میں انوار و تجلیات بھرنے کی ضرورت پیش آرہی ہے تو ثابت ہو گیا کہ روح مجرد کا

معاملہ اور ہے اور بدن سے متعلق اور اس میں مدبر و متصرف روح کا معاملہ اور ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس العزیز کے والد گرامی مولانا شاہ نقی علی خان کا ارشاد:

(پہلے شق صدر) ”اس مرتبہ کے شق صدر میں یہ نکتہ کہ کھیل کی رغبت جو لڑکوں کے دلوں میں ہوتی ہے آپ کے دل سے دور ہو جاوے اور بزرگوں کی طرح تمکین اور وقار حاصل ہووے، دوسری بار دس سال کی عمر میں فرشتوں نے سینہ مبارک کو چاک کیا اور شفقت و مہربانی سے بھر دیا تا کہ غضب اور غصہ جو کہ اس عمر کا مقتضی ہے فرور ہے اور مہر و محبت کی کہ گناہگار ان امت کو اس کی حاجت ہوتی ہے عادت ہو جاوے حضرت فرماتے ہیں اسی دن سے اپنے دل میں شفقت اور مہربانی پاتا ہوں۔ تیسری بار نبوت کے قریب دل مقدس کو چاک کیا گیا تا کہ بار وحی کا تحمل اور کلام الہی کے سمجھنے کی قوت حاصل ہو جائے چوتھی بار معراج کی رات یہ معاملہ واقع ہوا کہ دل مبارک میں انوار و تجلیات اور علوم و معارف کی استعداد اور قابلیت پیدا ہو اور حوصلہ اس کا بقدر ترقیات اور کمالات کے اس رات عنایت ہوویں گے وسیع اور فراخ ہو جاوے“

(انوار جمال مصطفیٰ ص ۲۵)

فائدہ:

حضرت کی شق صدر ظاہری اور شرح صدر معنوی کی تقریر اور حکمت کا بیان بالکل شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ والا ہے اور دونوں نے تیسری مرتبہ کے شق صدر کو حصول نبوت اور نزول وحی کا پیش خیمہ ٹھہرایا ہے جو کہ چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا اگر جسمانی لحاظ سے نبوت کے حصول کی یہ مدت نہیں تھی تو اس شق صدر کو نبوت کے قریب ٹھہرانے کا کیا مطلب ہے؟ جب کہ بقول مخالفین حضرات کے نبوت آپ کو بچپن سے ہی حاصل تھی۔

نیز جو استعداد و صلاحیت اور قوت و طاقت وحی کے اخذ و قبول کی حالت تجرد میں تھی اگر بدن اقدس کے ساتھ تعلق اور مشغولیت کے بعد بھی وہ علیٰ حالہ قائم ہوتی تو بار بار اس شق صدر اور

ملکوتی آپریشنوں کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ اور جو ملائکہ آپ سے عالم ارواح میں استفادہ اور استفادہ کے محتاج تھے وہ یہاں آپ کے ذاتی استفادہ اور استفادہ کی صلاحیتیں اور استعدادیں اجاگر کرنے میں کیوں واسطہ اور وسیلہ بن رہے ہیں؟ اور کبھی شق صدر کے ذریعے اور کبھی گلے لگانے اور توجہ اتحادی ڈالنے اور ملکی انوار کو آنحضرت ﷺ کے بدن مبارک کے مساموں سے اندر داخل کر کے ملکیت اور بشریت میں تناسب و توافق پیدا کرنے اور تباہی اور تباہی کو دور کرنے کی کیا ضرورت تھی جیسے کے عن قریب ان امور کا تفصیلی بیان آرہا ہے۔

سچے خوابوں کے ساتھ وحی کا آغاز کیوں کیا گیا؟

نبی مکرم ﷺ پر جبرائیل امین علیہ السلام کے وحی کے ساتھ نزول سے قبل سچے اور واقعاتی حقائق پر مشتمل خوابوں کے ذریعے وحی کی ابتدا کی گئی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

اول ما بدء به رسول ﷺ من الوحي الرويا الصالحة ثم حبب اليه الخلا

(الحدیث رواہ البخاری)

چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس دوران آپ کے دل میں خلوت گزینی اور گوشہ نشینی کی محبت اور رغبت پیدا کر دی گئی اور بالآخر چھ ماہ بعد اسی خلوت گاہ اور غارِ حرا میں ہی جبرائیل علیہ السلام پہلی وحی کے ساتھ نازل ہوئے تو معلوم کرنا چاہیے کہ چالیس سال بعد پہلی وحی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے کیوں اتری؟ بچپن سے ہی یہ سلسلہ کیوں نہ شروع ہو گیا؟ اور اس قدر طویل عرصہ اور لمبی مدت گزرنے کے باوجود بھی روایات صادقہ کے ساتھ آغاز کیا گیا تو کیوں؟

مفسرین کرام، شراح حدیث اور علمائے سیر اور ارباب علم و فضل نے اس کی وجہ صرف اور صرف یہی بیان کی ہے کہ بدن کو پوری قوت اور طاقت حاصل ہونے سے قبل اور اس کی صلاحیت و استعداد میں عروج اور ترقی کے بغیر نزولِ وحی سے قوائے بشریہ اور اعضائے بدن مضحل اور مفلوج ہو کر رہ جاتے اس لیے یہ تدریجی اسلوب اور ترقی پذیر انداز اختیار کیا گیا، اس

کے متعلق اکابر علماء کی تصریحات پیش خدمت ہیں:

1: علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

ان قيل لم ابتدأ عليه الصلوة والسلام بالرؤيا أولاً؟

اجيب بانه انما ابتدا بها لئلا يفجأه الملك و ياتي به بصريح النبوة ولا تحتلمها

القوى البشرية فبدنى باوائل خصال النبوة و تباشير الكرامة

(عمدة القارى جلد اول ص ۱۰۴)

اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ پر وحی کا آغاز خوابوں کے ذریعے کیوں کیا گیا تو اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ساتھ اس لیے کیا گیا تا کہ وحی کا فرشتہ اچانک آپ پر نازل نہ ہو اور صریح اور ظاہر نبوت آپ کے پاس ابتدا میں نہ لائے ورنہ آپ کے قوائے بشریہ اس کے متحمل نہ ہو سکتے لہذا نبوت کی خصلتوں میں سے ابتدائی خصلتوں اور عزت و کرامت کی ابتدائی بشارتوں کیساتھ آغاز کیا گیا۔

2: حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی ان ابتدائی کیفیات کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

از کتب سیر و احادیث دیگر معلوم میشود کہ این حال پیش از ظهور نبوت بود و حکمت در آن تحصیل استیناس و ایتلاف بعالم ملکوت بود تا ظهور آن یکایک سبب انهدام بنائے بشریت و اضمحلال رسوم انسانیت نگردد۔
(اشعة المنعمات جلد ۴ ص ۵۰۵ مدارج النبوت جلد ۲ ص ۴۰)

3: امام علامہ سید جعفر بن حسن برزنجی مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے معروف زمانہ مولد شریف میں فرماتے ہیں:

ولما كمل له النبوة أربعون سنة على اوفق الاقوال لذوى العالمية بعثه الله

تعالیٰ للعالمین بشیراً و نذیراً فعلمهم رحمة و بدنی الیٰ تمام ستة اشهر بالروءیا
الصادقة الجلیلة فكان لا یرى رؤیا الا جاءت مثل فلق صبح اضواء سناه و انما ابتدئ
بالرؤیا تمریناً للقوة البشریة لئلا یفجأه الملك بصریح النبوة فلا تقواه قواه۔

(بحوالہ جواهر البحار جلد ۳ ص ۳۶۸)

جب محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمر شریف کے چالیس سال پورے ہو گئے تو اہل علم کے
مناسب و موافق ترین قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام عالمین کے لیے بشیر و نذیر بنایا اور
آپ نے اپنی رحمت کے ساتھ ان کا احاطہ فرمایا اور ابتدائی چھ ماہ تک سچے اور مبنی بر حقیقت واضح
خوابوں کیساتھ وحی کا آغاز کیا گیا تو جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھتے تھے اس کی تعبیر روشن ترین
صبح کے نور و ضیاء کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آجاتی اور سچے خوابوں کے ساتھ ابتداء کیے جانے
میں حکمت یہ تھی کہ آپ کی قوت بشریہ کو وحی جلی کے برداشت کرنے کا اہل اور عادی بنایا جائے
تا کہ اچانک فرستہ وحی کے صریح اور واضح وحی نبوت کے ساتھ نازل ہونے پر آپ کے قوائے
بشریہ اس کے بوجھ کو برداشت کرنے سے عاجز اور قاصر نہ ہو جائیں۔

4: حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز (جبریل امین کے آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کو دبانے کے متعلق) فرماتے ہیں:

و این تصرف بود از جبرائیل در وجود شریف آنحضرت ﷺ بدر آوردن
نور ملکوت و وحی در باطن شریف وے تا متهیی و مستعد حمل آن بار گردد۔

(اشعة اللمعات جلد ۲ ص ۵۳۲)

5: شرح سفر السعادت میں اسی حکمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

چون چهل سال تمام شد نور نبوت ظهور کرد و ما نا کہ حکمت الہی
در امر اسرافیل و جبرائیل و ملازمت وے ﷺ و اسماع کلمات و اصوات و

اراءت انوار آن بود که تا انس والفتے آنحضرت ﷺ را بعالم ملکوت و اسرار و انوار آن پیدا گردد و ظهور و بروز آن بناگهان موجب هدم بنائے بشریت و اضمحلال رسوم انسانیت نگردد باوجود آن بمشاهدہ جبرئیل و وقت نزول وحی چہ تغیر و ثقل کہ بوجود شریف وے رہ نمے یافت (ص ۲۵)

6: مدارج النبوة میں اس مرحلہ واروحی کے نزول کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اگر نہ آن بودے کہ بتدریج ظهور آیات و علامات و انوار و مستعد استفاضہ آن انوار ساختندے و مانوس و مالوف بانعام گرانیدندے مشکل کہ نظام کارخانہ وجود بحال خود ماندے و باستهلاك نآنجامیدے و قول آنحضرت ﷺ خشیت علی نفسی بمثل این حال خواهد بود و بر این معنی حمل باید کرد۔

(جلد ۲ ص ۳۳)

7: و این در بر گرفتن و بیفشردن تصرفے بود از جبرئیل علیہ السلام در

وجود شریف آنحضرت ﷺ باد خال انوار ملکوت تا متہیٹی بقبول وحی و خالی از شغل بما سوائے آن گردد۔ (مدارج النبوة جلد دوم ص ۳۱)

8: حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں:

نکتہ اول در این جا این کہ عادت تربیت در بنی آدم تدریج را تقاضا میکند پس اگر اول و ہلہ آنحضرت ﷺ را بوحی قرآن مشرف میساختند تحمل آنرا طاقت نمی آوردند ناچار اول در خواب کہ حالت غفلت ازین عالم است اتقاء علوم جزئیہ شروع فرمودند تا بمرور عادت تلقی علوم از عالم غیب پیدا شود و آہستہ آہستہ باین تعلیم خوگر شوند بعد ازاں خواستند کہ ایشان را در حالت یقظہ و ہوشیاری و انقطاع از زن و فرزند و خانمان بہم رسد تا بکلی

متوجہ بعالم غیب گردند این وقت ایشان نراحب خلوت و عزلت در خاطر افتاد و مکانے برائے ایشان نشان دادند کہ در آنجا هیچ کس از جنس بشر نباشد در وقت نزول وحی کسی را گمان تلمذ و تلقین بخاطر نگذرد و باز در وقت نزول وحی صدمہ شدید و لرزہ و ترس در دل ایشان افگندند تا توہم تلبس و تصنع کسی را پیدا نہ شود۔

(تفسیر عزیزی ص ۲۲۲ پ عم)

9: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے والد گرامی مولانا تقی علی خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حکیم مطلق نے نزول وحی سے پہلے آپ ﷺ پر انوار اور اسرار ظاہر فرمائے اور فرشتوں کو آپ کی خدمت میں رکھا اور ان کی آواز آپ ﷺ کو سنوائی تاکہ حضرت کو عالم ملکوت اور ملائکہ کی باتوں سے مناسبت ہو جائے اور رفتہ رفتہ باریبوت کی طاقت اور مشاہدہ انوار تجلیات جبروت اور لاہوت کی قوت حاصل ہو جائے اگر ناگہاں وحی نازل ہوتی تو بنائے بشریت منہدم ہو جاتی یہ سبب ہے کہ ابتداء وحی کی سچے خوابوں سے شروع ہوئی جو کچھ خواب میں دیکھتے وہی ہوتا پھر تو ذوق و شوق اس طرف کا آپ کے دل میں زیادہ ہوا یہاں تک کہ اس شوق میں گھر مال اور زن و فرزند سے دل کو اصلاً تعلق نہ رہا۔ غار حرا میں تشریف لے جاتے اور تنہائی میں اپنے مالک کی یاد اور اس محبت کو برابر ترقی تھی یہاں تک کہ دریائے ذکر قلبی میں مستغرق ہو گئے اور عالم غیب کے انوار و اسرار سماعت و بصارت آپ کے دل پر نازل ہونے لگے اور درخت اور جانور آپ کو بشارت دینے لگے جب استعداد اور قابلیت کا مرتبہ انتہاء کو پہنچا بقول ابن اسحاق ماہ رمضان میں اکثر محدثین کے نزدیک اکتالیسویں برس ولادت سے ماہ ربیع الاول میں ایک جوان خوبصورت خوش لباس کہ اس کے بازو یا قوت درخشاں کے تھے نظر آیا اور کہا اے محمد میں جبرئیل ہوں خدائے تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے اور تمہیں انسانوں اور جنوں کا پیغمبر کیا ہے۔

(انوار جمال مصطفیٰ ﷺ ص ۱۱۲)

الغرض بہترے علمائے اسلام اور مقتدایان انام نے یہ حکمت بیان فرمائی ہے اور اس سے روح کے تجرد اور تعلق بدنی کا فرق بھی واضح ہو گیا ہے اور عالم ارواح کی نبوت اور عالم اجسام کی نبوت کا فرق بھی واضح ہو گیا ہے۔ فتامل حق التامل!

جبرئیل امین علیہ السلام کے آپ کے ساتھ تین مرتبہ معانقہ کرنے اور دبوچنے کی حکمت:

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہلی وحی کے موقع پر آپ ﷺ سے عرض کیا اقرأ (پڑھیے) تو آپ ﷺ نے معذرت کرتے ہوئے کہا میں امی ہوں اور لکھا ہوا پڑھ نہیں سکتا تو جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو سینہ سے لگایا اور اچھی طرح دبایا پھر عرض کیا اقرأ (پڑھیے) آپ نے وہی جملہ دہرایا تو انھوں نے دوبارہ سینے سے لگایا اور اچھی طرح دبایا پھر چھوڑ کر عرض کیا اقرأ اب پڑھیے! تین مرتبہ اس طرح معانقہ کیا اور زور سے دبایا تو بالآخر آپ ﷺ نے سورت علق کی یہ ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ اس بار بار کے معانقہ کرنے اور سینہ سے لگا کر دبانے میں کیا حکمت تھی؟ علماء اعلام اور مقتدایان انام کی زبانی ملاحظہ فرمادیں:

حضرت مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعدہ ایک نامہ مرصع باقسام جو اہر آپ کے سامنے رکھا کہ اسے پڑھیے آپ نے فرمایا ما انا بقاری میں پڑھا نہیں ہوں پھر آپ ﷺ کو خوب زور سے دبوچا پھر چھوڑ کر کہا اقرأ پڑھیے آپ نے وہی جواب دیا (تا) تیسری مرتبہ پھر خوب زور سے دبوچا اور اس مرتبہ کے دبوچنے سے ایک عجیب حالت جسے شان ملکی کہنا لائق ہے پیدا ہوئی اور آپ مرتبہ انسانیت و ملکیت کے جامع ہو گئے

(انوار جمال مصطفیٰ ﷺ ص ۱۱۲)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

نکتہ درم آنکہ تاثیر حضرت جبرئیل علیہ السلام را در روح ایشان بواسطہ

افشردن و در بر گرفتن بنهایت مرتبه کمال ثابت و راسخ کردند زیرا که انواع تاثیر کمالان در غیر خود که آن را در عرف اهل طریقت توجه نامد و آن بر چهار قسم باشد اول تاثیر انعکاسی (الی) دوم تاثیر القائی (الی) سوم اصلاحی (الی) چهارم تاثیر اتحادی که شیخ روح خود را که حامل کمالیست با روح مستفید بقوت تمام متحد سازد تا کمال روح شیخ با روح مستفید انتقال نماید و این مرتبه اقوی ترین انواع تاثیر است چه ظاهر است که بحکم اتحاد روحین هر چه در روح شیخ است با روح تلمیذ می رسد و بار بار حاجت استفاده نمی ماند در اولیائے کرام این قسم تاثیر بندرت واقع شود۔ از حضرت خواجه باقی بالله قدس الله سره منقول است که روزی در خانه ایشان چند کس مهمان شدند و ما حاضر موجود نبود اوقات حضرت خواجه در فکر ضیافت مهمانان مشوش شده در تلاش ما حاضر شدند اتفاقاً نانوائی متصل با خانه ایشان دکان داشت برین تشویش مطلع شده يك قرص نان خوب پخته بانهاری مکلف و مرغن بخد مت ایشان آورد و وقت ایشان باین سلوک او بسیار خوش شد فرمودند بخواه چه می خواهی او عرض کرد مرا مثل خود سازید فرمودند تحمل این حالت نه میتوانی کرد چیزی دگری خواه او بر همین سوال اصرار داشت و خواجه اعراض می فرمود تا آنکه لجاج او بسیار شد ناچار او را در حجره بردند تاثیر اتحادی بروی کردند چون از حجره بر آمدند در میان خواجه و در میان نانوائی در صورت و شکل هیچ فرق نمانده بود و مردم را امتیاز مشکل افتاد۔ اینقدر بود که حضرت خواجه هوشیار بودند و آن نانوائی مدهوش و بینخود۔ آخر بعد از سه روز در همین حالت سکر و بی هوشی قضا کرد رحمه الله تعالی۔ بالجمله تاثیر حضرت جبرئیل علیه السلام درین افشردن تاثیر اتحادی بود که روح لطیف

خود را از راه مسام بدن درون بدن آنحضرت ﷺ داخل فرموده باروح مبارک متحد ساختند و چون شیر و شکر بهم آمیختند و حالت عجیب درمیان بشریت و ملکیت پیدا شد کہ در بیان نمی آید۔ (تفسیر عزیزی پارہ عم ص ۲۴۵)

آپ کے لیے رو یا صالحہ سے ابتداء وحی:

امام ابن حجر ہیتمی مکی علیہ الرحمہ اس خلوت گزینی اور جبرئیل امین کے تین دفعہ کے معانقوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

لما بلغ النبی ﷺ اربعین سنة قیل و کسر ابعثه الله تعالى يوم الاثنين كما فی خبر مسلم لسبع عشر من رمضان و قیل لثمان من ربيع الاول و قیل کان فی رجب رحمة للعالمین و رسولا الی كافة الخلق اجمعین كما قال ﷺ و ارسلت الی الخلق كافة۔ روى البخاری وغیره اول ما بدئى به ﷺ من الوحي الرويا الصالحة فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح و انما ابتدئ بها لان الملك لو فجاه بغتة لم تحتمله قواه البشرية۔ و كان ياتى حراء فيتعبد فيه الليالي الكثيرة ثم يرجع الی خديجة فيتزود لمثل ذلك حتى فجاهه الحق (الی) و حكمة الغط ثم تکریرہ مزید التاهل الی لقاء الملك لما بین البشرية والملکية من التباين ثم الی التلقى منه۔

(جواهر البحار جلد ثانی ص ۷۷، ۷۸)

خلاصہ مقصود یہ ہے کہ سچے خوابوں کے ساتھ آغاز کی وجہ یہ ہے کہ اگر فرشتہ اچانک پہلی دفعہ نازل ہوتا (عالم بالا کے ساتھ ربط و تعلق قائم ہوئے بغیر) تو آپ ﷺ کے قوائے بشریہ اس کے متحمل نہ ہو سکتے، اور جبرئیل علیہ السلام کے معانقہ اور بار بار سینہ سے لگا کر دبانے کی حکمت یہ ہے کہ آپ میں ملائکہ کے ساتھ ملاقات، میل جول اور پھر ان سے احکام خداوند تعالیٰ وصول کرنے کی زیادہ اہلیت اور استعداد پیدا ہو جائے۔ کیونکہ بشریت اور ملکیت کے درمیان (بذات

خود) مخالف اور بہت دوری اور فاصلہ ہے (اور اس معانقہ کے ذریعے اس بعد اور دوری کو ختم کر دیا گیا ہے اور ملاقات ملائکہ اور حصول وحی کی استعداد کامل کر دی گئی)

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

جاورت بحراء شہراً

”میں نے غار حرا میں مہینہ بھر خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کی“

ان الفاظ کی شرح میں ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

ای لا لطلب النبوة فانها موهبة لا تنال بكسب۔ الله اعلم حيث يجعل رسالته

(ص ۷۸)

الخ

یہ عزلت اور خلوت نشینی نبوت کی طلب اور آرزو میں نہیں تھی کیونکہ نبوت تو سراسر اللہ تعالیٰ کے طرف سے موهبت اور ہدیہ و تحفہ ہوتی ہے اس کو محنت، مشقت اور مجاہدہ و ریاضت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا کما قال اللہ تعالیٰ: الله اعلم حيث يجعل رسالته اللہ اس مکان اور محل کو بہتر جانتا ہے جس میں رسالت والی امانت کو ودیعت فرماتا ہے۔

فائدہ:

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کو بچپن سے نبوت حاصل ہوتی تو سچے خوابوں سے ابتدا کی اکتالیسویں سال ضرورت کیوں پیش آئی اور جبرئیل امین علیہ السلام کو معانقوں اور توجہ اتحادی کے ذریعے بشریت اور ملکیت کا بعد اور تباہی دور کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی، اور علمائے اعلام کو یہ کہنے کی حاجت ہی کیوں پیش آئی کہ آپ کی چلہ کشی اور خلوت گزینی اور مجاہدہ اور ریاضت کہیں نبوت حاصل کرنے کی سعی اور جدوجہد تو نہ تھی جبکہ بقول مخالفین وہ تو پیدا ہوتے ہی حاصل ہو چکی تھی لہذا روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ کی روح اقدس کے بدن مبارک میں حلول سے قبل اور حلول و سریان کے بعد جداگانہ معاملہ ہے، اور تعلق والی حالت کا تجرد والی

حالت پر قیاس سراسر لغو اور باطل ہے حالتِ مجرد میں بالفعل حاصل ہونے والے کمالات بدن سے تعلق اور حلول کے بعد بالقوة رہ گئے تھے۔

متنبیہ:

جبرئیل علیہ السلام کے معانقہ کو مرشدوں کی توجہ اتحادی کی مانند قرار دینے سے آنحضرت ﷺ پر ان کی فضیلت کا وہم نہ کیا جائے کیونکہ جب آپ ﷺ کی ابتداء وہاں سے ہو رہی ہے جہاں تک ہزاروں لاکھوں سال کی تسبیح و تقدیس سے اور تنزیل وحی وغیرہ والی عبادات کے ذریعے حضرت جبرئیل پہنچے تھے تو آپ کے درجات و مراتب کی انتہاء کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے لہذا صرف اس ابتدائی مرحلہ میں نظر عقل اور نگاہ فکر کو محدود اور محصور نہیں رکھنا چاہیے۔ اگلے مراحل اور معارج و مدارج پر بھی نظر ہونی چاہیے اور یہیں سے روح متعلق البدن اور مجرد عن البدن کا فرق بھی واضح ہو جائے گا اور جب مجاہدات و ریاضات اور بار بار کے شق صدر سے بدن اور روح میں اتحاد کامل ہو گیا اور روح و حقیقت کے ساتھ اتصال کامل کی بدولت بدن بھی سراسر نورانی ہو گیا تو جب جبرئیل امین سدرہ پر پہنچ کر محبوب کریم ﷺ کی رفاقت کو ترک کرنے لگے تو آپ نے آخری منزل تک رفاقت نبھانے اور مصاحب رہنے کی دعوت دیتے ہوئے (شیخ سعدی کے الفاظ میں) فرمایا:

بدو گفت سالار بیت الحرام کہ اے حامل وحی برتر خرام

چوں در دوستی مخلصم یافتی عنانم ز صحبت چراتافتی

لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام کا چھ سو پروں کا مالک ہونے اور عظیم قوت و طاقت کا مالک ہونے کے باوجود جواب کیا تھا:

بگفتا فراتر مجالم نمائد بماندم کہ نیروے بالم نمائد

اگر یک سر موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پریم

حالانکہ کہاں سدرہ کی بلندی اور کہاں قاب قوسین ادا دنی کی رفعت۔

امام اہل سنت مولانا احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

اٹھے جو قصر دنی کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے

وہاں تو جا ہی نہیں وہی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

نیز فرماتے ہیں:

غنچے ما اوجی کے جو چٹکے دنی کے باغ میں بلبل سدرہ تو ان کی بو سے بھی محرم نہیں

وہی لامکاں کے مکین ہوئے سر عرش تخت نشین ہوئے

وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جسکا مکاں نہیں

نبی کریم علیہ السلام کا فرمان حتی بلغ منی الجہد اور روح مجرد و روح متعلق بالبدن

کافرق:

حدیث پاک کے الفاظ کے شارحین نے دو معنی بیان فرمائے:

(۱) جبرئیل نے اتنا دبا یا کہ اس کی قوت و طاقت انتہا کو پہنچ گئی

(۲) میری قوت انتہا کو پہنچ گئی

سوال یہ ہے کہ جب عالم ارواح کے لحاظ سے جبرئیل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور

تربیت یافت ہیں جیسا کہ روایات میں ہے:

كان ذلك النور يسبح و تسبح الملائكة بتسبيحه (رواه القاضي عياض في

الشفاء) یعنی پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اقدس تسبیح کرتا تھا اور ملائکہ اسکی تسبیح کی اتباع و اقتداء میں تسبیح

کیا کرتے تھے اور آپ نبی بھی تھے اور ملائکہ آپ کی امت میں داخل ہیں راجح اور مختار قول یہی

ہے اور نبی تو اے ظاہرہ میں بھی امت سے منفرد اور ممتاز مقام کا مالک ہوتا ہے جیسے تو اے باطنیہ

میں تو جبرئیل کے دبانے پر آپ کی قوت برداشت انتہا کو کیسے پہنچ سکتی تھی؟ اس کے جواب

میں شراح حدیث اور علمائے اسلام نے فرمایا کہ بدن عنصری اور جسم مادی میں ہوتے ہوئے آپ کی قوت برداشت اتنی ہی ہو سکتی تھی اس سے زیادہ دباؤ آپ کے لیے برداشت کرنا دشوار تھا۔

علامہ طیبی نے اور علامہ بدرالدین عینی نے پہلی صورت اختیار کی یعنی حضرت جبرئیل کی دبانے والی قوت اپنی انتہا کو پہنچ گئی لیکن سوال یہ ہے کہ چھ سو پروں والا جبرئیل جس نے طور کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر لا کر کھڑا کر دیا اور دھمکی دی کہ تورات قبول نہ کرنے کی صورت میں اس کو تم پر گرا کر بے نام و نشان کر دیا جائے گا، کما قال اللہ تعالیٰ ورفعنا فوقکم الطورخذوا ما اتینکم بقوة، جس جبرئیل نے پر کے ایک کنارے پر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی آبادی والے قطعہ زمین کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر آسمان دنیا کے قریب لے جا کر الٹا دیا تھا اور ذرا بھر کلفت اور گرانی محسوس نہیں کی تھی ایک انسان اور بشر کو دباتے وقت اس کی قوت انتہاء کو کیسے پہنچ سکتی تھی؟ تو علامہ طیبی اور علامہ بدرالدین عینی نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اب جبرئیل بشری حالت میں تھے اور اس حالت میں ہوتے ہوئے اس قدر ہی طاقت ظاہر کر سکتے تھے جب کہ پہلی دونوں حالتوں میں اپنی ملکی حالت پر تھے عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قال الطیبی لاشک ان جبرئیل علیہ السلام فی حالة الغط لم یکن علی صورته الحقیقیہ التي تجلی بها عند سدرۃ المنتهی و عند مارآہ مستویا علی الكرسی فیکون استفراغ جہده بحسب صورته التي تجلی له و غطه واذا صحت الروایة اضمحل الاستبعاد۔
(عمدة القاری جلد اول ص ۵۷)

اجاب الطیبی بان جبرئیل فی حالة الغط لم یکن علی صورته الحقیقیہ التي تجلی له بها عند سدرۃ المنتهی فیکون استفراغ جہده بحسب الصورة التي تجلی له بها و غطه و حینئذ فیضمحل الاستبعاد۔

(ارشاد الساری شرح البخاری للامام القسطلانی جلد اول ص ۸۹)

الغرض صرف وقتی طور پر بشری روپ اختیار کرنے پر اور مثالی بدن میں منتقل ہونے پر اگر جبرئیل کی قوت و طاقت میں اس قدر فرق پڑ سکتا ہے تو جہاں بشریت بھی حقیقی اور واقعی ہو اور اس کے ساتھ حلوئی تعلق اور تدبیر و تربیت والا اور کھانے کھلانے اور پینے پلانے والا تعلق بھی ہو تو اس وقت اس قدر تفاوت کیوں کر موجود و متحقق نہیں ہو سکے گا؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی وحی کے موقع پر بشری حالت میں کیوں ڈھلے!

چھ ماہ تک روئے صادقہ اور احلام واقعہ کے ذریعے جب عالم بالا کے ساتھ قدرے مناسبت پیدا ہو گئی اور وحی قرآنی کے تحمل کی استعداد پیدا ہو گئی تو جبرئیل امین علیہ السلام سورہ علق کی ابتدائی آیات کے ساتھ بشری حالت میں آپ پر نازل ہوئے کیونکہ اگر اصلی حالت میں ظاہر ہوتے تو آپ ﷺ کے قوائے بشریہ اس کے دیدار کے متحمل نہ ہو سکتے چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر نورانی شکل میں بیٹھے دیکھا تو آپ ﷺ مرعوب ہو گئے اور گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئے اور لرزتے کانپتے اٹھے اور گھر تشریف لے گئے اور کہا دثرونی دثرونی ”مجھے کبل اوڑھا دو مجھے کبل اوڑھا دو“

اگر چھ سو پروں والی شکل کے ساتھ جن میں سے صرف دو پروں کے ساتھ وہ مشرق و مغرب کو ڈھانپ لیتے تھے آپ ﷺ پر ابتدائی وحی کے ساتھ ظاہر ہوتے تو آپ ﷺ پر کیا اثرات مرتب ہوتے؟

لیکن بدن کے روح اقدس کی مانند لطیف تر اور نور محض بن جانے کے بعد یا بدن عنصری میں مقید اور محبوس ہونے سے قبل اگر آپ جبرئیل علیہ السلام کے سامنے اپنی حقیقت دکھلاتے تو جبرئیل امین علیہ السلام کا کیا حال ہوتا عارف رومی فرماتے ہیں:

احمد اربکشاہد آں پر جلیل تا ابد بیہوش ماند جبرئیل

محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں: رحمۃ اللہ علیہ

لی مع اللہ وقت لا یسعی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل
یعنی مجھے باری تعالیٰ کے ساتھ وصل کا اور خلوت میں مشاہدہ و دیدار کا ایسا وقت نصیب
ہوتا ہے جس میں (بشریت کی مشلو بیت اور روحانیت کے غلبہ کی وجہ سے) میرے دیدار کی تاب
نہ کوئی مقرب فرشتہ لاسکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل تاب دیدار رکھتا ہے۔
اور بعض روایات میں یوں وارد ہے:

لی مع اللہ وقت لا یسعی فیہ غیر ربی
اس مخصوص وقت میں جو میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصل اور ملاقات کا ہوتا ہے اس میں
میرے مشاہدہ اور دیدار کی رب تبارک و تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی تاب نہیں لاسکتا۔
پہلی وحی کے بعد تعطل اور انقطاع کی حکمت!

پہلی وحی کے نزول کے بعد تین سال تک نزول وحی کا سلسلہ موقوف رہا اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اس دوران بڑے مضطرب اور بے چین رہتے، جبرئیل کی ملاقات کے لیے بہت زیادہ
مشاق اور متمنی رہتے، زیادہ تاخیر کی صورت میں الم فراق ناقابل برداشت ہو جاتا اور آپ اپنے
آپ کو پہاڑ کی چوٹی پر سے گرا دینے کا خیال باندھ لیتے تو جبرئیل نمودار ہو کر عرض کرتے: یا
محمد انک رسول اللہ حقاً تم اللہ کے برحق رسول ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو قرار
آ جاتا اور اضطراب و بے قراری سکون و اطمینان میں بدل جاتی۔

اس فترت وحی اور التواء کی حکمت بیان کرتے ہوئے علماء کرام اور مقتدایان انام کے
ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

علامہ ابن حجر شہاب کی یتیمی فرماتے ہیں:

صح عن الشعبي رضي الله عنه انه قال انزلت عليه النبوة وهو ابن اربعين

سنة ففترن بنبوته اسرافيل عليه السلام ثلاث سنين فكان يعلمه الكلمة والشين ولم

ينزل عليه القرآن على لسانه فلما مضت ثلاث سنين قرن بنبوته جبرئيل عليه السلام فنزل عليه بالقرآن على لسانه عشرين سنة و حكمة الفترة نهاب الروع الذي وجدته ^{صلوات} ^{الله} ^{عليه} ^{وسلم} و مزيد تهيجه الي الاشتياق للعود۔

(جواهر البحار جلد دوم ص ۷۸ و كذا في فتح الباری شرح البخاری للامام

ابن حجر العسقلانی جلد اول ص ۲۶)

دو شععی جو کہ عظیم تابعی ہیں ان سے صحیح طریق و سند کے ساتھ مروی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نبی کریم ^{صلوات} ^{الله} ^{عليه} ^{وسلم} پر نبوت نازل ہوئی تو تین سال تک آپ ^{صلوات} ^{الله} ^{عليه} ^{وسلم} کو نبوت ملنے پر حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ کے مصاحب اور رفیق بنے رہے اور وہ کوئی ایک کلمہ یا کوئی ایک چیز آپ ^{صلوات} ^{الله} ^{عليه} ^{وسلم} کو سکھلاتے تھے۔ تین سال گزرنے کے بعد جبرئیل امین علیہ السلام کو آپ کا قرین اور مصاحب بنایا گیا تو بیس سال کے عرصہ میں ان کی زبان پر پورا قرآن نازل ہوا۔ اور اس انقطاع اور فترت وحی میں حکمت یہ تھی کہ جو رعب اور ہیبت وحی کی آپ پر ابتدا میں طاری ہوئی تھی وہ آپ سے مکمل طور پر دور ہو جائے اور دوبارہ نزول وحی کا شدید شوق اور غایت درجہ کی آرزو اور تمنا آپ کے دل میں پیدا ہو جائے۔“

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے والد ماجد، حضرت مولانا تقی علی خان صاحب فرماتے ہیں:

وحی کا اترنا موقوف ہو گیا سرور عالم ^{صلوات} ^{الله} ^{عليه} ^{وسلم} اشتیاق وحی میں حد سے زیادہ بے قرار رہتے اور بزبان حال اس شعر کا مضمون ادا کرتے:

دیر است کہ دلدار پیامے نفرستاد نوشتت کلامے وسلامے نفرستاد
(تا) جبرئیل امین حاضر ہوتے آپ کو تسلی دیتے گھبرائے نہیں اللہ تعالیٰ نے روز اول سے آپ کو صاحب دولت کیا ہے بڑا رتبہ دیا ہے۔

مصطفیٰ را ہجر چوں پرداختی خویش را از کوہ می انداختے
 اورا بگفتے جبرئیلش ایں مکن کہ ترا بس دولت است از امر کن
 (انوار جمال مصطفیٰ جلد ۲ ص ۱۱۳)

اقول:

عالم ارواح میں آپ ﷺ ان کے لیے نبی اور رسول تھے اور اللہ تعالیٰ کے فیوضات
 جبرئیل اور اسرافیل اور دیگر ملائکہ تک بھی پہنچاتے تھے اور بدن اقدس میں روح اطہر کے حلول و
 سریان کے بعد عمر شریف کے چالیس سال گزرنے کے باوجود اس تدریج کی ضرورت ہے اور
 شوق و محبت میں اضافہ اور ترقی کی تا کہ جبرئیل کے ساتھ ربط کامل اور مناسب اتحاد و اتصال پیدا
 ہو سکے اور وحی کے اخذ اور تلقی میں کوئی دشواری باقی نہ رہے بلکہ بسہولت تام اسی سے آیات کلام
 مجید اور احکام الہیہ موصول ہوتے رہیں۔ اس حکمت اور مصلحت سے بھی روح کے مرتبہ تجرد اور
 تعلق کا فرق واضح ہو گیا اور یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ روح مجرد کے عالم ارواح میں ملائکہ اور
 ارواح انبیاء کے لیے بالفعل نبی اور رسول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدن میں حلول و سریان
 اور تدبیر و تصرف والی مشغولیت کے بعد بھی آپ پیدا ہوتے ہی بالفعل اور عملی طور پر نبی اور رسول
 ہوں۔ بلکہ وہ اب آپ کے لیے رسول بنے ہوئے ہیں اور افاضہ اور افادہ میں واسطہ اور وسیلہ بنے
 ہوئے ہیں۔ اور احکام نبوت کے حصول میں آپ حضرت جبرئیل کے انتظار میں رہتے ہیں لیکن
 تعلق کے باوجود تجرد حاصل ہونے اور حلول کے باوجود آزاد ہونے کے بعد کا معاملہ دوسرا ہے
 جیسے معراج مصطفیٰ ﷺ اس فرق کا شاہد صادق ہے نبی مکرم ﷺ سدرہ سے آگے ساتھ دینے اور
 رفیق سفر رہنے کا مطالبہ کرتے ہیں مگر وہ عرض کرتے ہیں:

اگر یک سرموئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پریم

(فائدہ)

اگر بچپن سے ہی آپ منصب نبوت پر فائز ہوتے اور تین دفعہ شق صدر بھی ہو چکا تھا تو چالیس سال کے طویل عرصہ تک وہ مرتبہ و مقام کیوں حاصل نہ ہوا جو ابتدائے وحی کے گیارہ سال بعد اور چوتھے شق صدر تقریباً کیا ون سال کی عمر میں ظہور پذیر ہو رہا ہے جبکہ بدن سے تعلق اور حلول سے قبل ہزاروں لاکھوں سال آپ کو وصلِ باری تعالیٰ کا عظیم و جلیل مرتبہ حاصل رہا تھا جیسے کہ غوث کبیر حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ علیہ الرحمہ نے فرمایا: ان المعرفة حصلت للنبی ﷺ حین کان الحبيب مع الحبيب ولا ثالث معهما فهو ﷺ اول المخلوقات فهناك سئیت روحه الکریمه من الانوار القدسیة والمعارف الربانیة ما صارت به اصلا لكل ملتبس و مادة لكل مقتبس الخ

”یہ مخصوص معرفت نبی مکرم ﷺ کو اس وقت سے حاصل تھی جبکہ حبیب کریم ﷺ حبیب کبریا جل و علی کے ساتھ تھے اور کوئی تیسری ذات ان کے ساتھ موجود نہیں تھی تو نبی کریم ﷺ اولین مخلوق ہیں اور اس اولیت میں کوئی شیء آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے اور اس وصل اور تام ربط کی حالت میں آپ کی روح اقدس کو اس قدر انوار قدسیہ اور معارف ربانیہ کے ساتھ سیراب کیا گیا کہ آپ ﷺ آنے والے اہل التماس اور طالبوں کے لیے اصل اور بنیاد قرار پائے اور اہل اقتباس کے لیے مبنی اور اساس قرار پائے“

نزول وحی سے پہلے والے چالیس سال اور نزول وحی کے بعد والے گیارہ سال کا یہ عظیم تفاوت درجات اور تباہین مدارج اس امر کی واضح دلیل اور بین برہان ہے کہ چالیس سال تک روح اور بدن کا درمیانی ستر اور پردہ مکمل طور پر زائل نہیں ہوا تھا اور چالیس سال بعد وہ پردہ اور حجاب و حائل مکمل طور پر زائل ہو چکا تھا حتیٰ کہ گیارہ سال کے قلیل عرصہ میں روح الامین علیہ السلام کا مکان اور مستقر آنحضرت ﷺ کی رفعتوں کے مقابل گردِ راہ بن کر رہ گیا اور آپ نے عرش

اعظم سے بھی آگے ہزار ہا حجاباتِ عظمت کو عبور کر کے لامکان کو اپنا مکان بنایا اور لامکانی ذات اقدس کا جلوہ ذاتِ سر کی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا:

وہی لامکان کے مکین ہوئے سرعش تخت نشین ہوئے

وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

لہذا روح مجرد اور بدن سے حلوی تعلق رکھنے والی روح میں فرق ملحوظ رکھنا لازم اور

ضروری ہے اور دونوں کے درجات و مراتب اور صلاحیات اور استعدادات کا تفاوت مد نظر رکھنا واجب اور لازم ہے۔

کیا عالم ارواح والی نبوت عالم اجسام میں موثر اور موجب اصلاح تھی؟

ظاہر ہے کسی ہستی کو منصبِ نبوت و رسالت پر فائز کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہی ہوتا ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کے طفیل اس علاقہ والوں کی عقائد و اعمال اور اخلاق و خصال کے لحاظ سے اصلاح ہو، فسادات و خرابیاں دور ہوں اور خیرات و حسنات اپنائی جائیں، اور دنیوی اور اخروی فوائد، فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کی راہ ہموار ہو سکے۔ اگر اس نبی کو نہ کوئی دیکھ سکے اور نہ اس کی سنت و سیرت سامنے آسکے، نہ اس کی تعلیم و تربیت کے اصول و ضوابط پہنچ سکیں تو اس کی نبوت کا فائدہ و فیضان کیا ہوا؟ اور اس سے استفادہ و استفادہ کی کیا صورت ہوئی؟ اور اس کو نبی بنانے کی غرض و غایت کیا ہوئی؟

لامحالہ اس امر کا اعتقاد و اذعان لازم ہے کہ قوم کا نبی قوم میں موجود ہونا ضروری ہے اور اس کو اپنے منصب کا دعویٰ بھی لازم اور ضروری ہے اور اس پر دلائل و شواہد بھی معجزات کی صورت میں پائے جانے ضروری ہیں۔ اسی لئے عالم ارواح میں باعثِ تخلیق کائنات کی جلوہ گری کے باوجود اور قول مختار کے مطابق بالفعل نبوت کے ساتھ اتصاف کے باوجود عالم اجسام اور عالم انسانیت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش انبیاء و رسل تشریف لائے جن میں

مستقل ارباب شرع بھی تھے اور تابع و مقتدی بھی۔ اور ہر ایک نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنی شریعت یا اپنے متبوع کی شریعت کی تبلیغ بھی فرمائی اور زیادہ سے زیادہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی خوشخبری سنادی اور علاماتِ شخصیہ جسداطہر کے لحاظ سے یا جائے ولادت یا مقام ہجرت کے لحاظ سے بیان فرمادیے۔ ہجرت یا سلطنت و حکومت کے خاص ظہور کا محل اور مکان بیان کر دیا گیا اور ان کی دیگر انبیاء علیہم السلام پر شان اور مرتبہ کے لحاظ سے بلندی اور برتری بیان کر دی گئی، حتیٰ کہ لوگوں کو بھی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل معرفت حاصل ہوگئی، کما قال تعالیٰ:

يعرفونه كما يعرفون ابناهم۔ (البقرة: ۱۳۶)

وہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کو اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی آپ کی عظمتِ خدا دادان پر اس طرح واضح ہوگئی کہ وہ مہمات و مشکلات میں اپنے پیغمبران کرام کے ساتھ تو سل کی بجائے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام نامی اور اسم گرامی کے ساتھ تو سل کیا کرتے تھے کما قال تعالیٰ:

وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا (البقرة: ۸۹)

اور آپ کی انتظار میں آنکھوں کو فرشِ راہ کیسے ہوئے تھے، اور مدینہ شہر کی تعمیر ہی اسی وجہ سے ہوئی تھی۔ لیکن ابھی تک آپ کے امتی نہیں بنے تھے بلکہ پیغمبران کرام بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے۔ اور ان کے ہی مخالف اور کتب منزلہ کے مطابق عقیدہ رکھتے تھے۔ اور عمل پیرا تھے۔ اگرچہ ان میں بڑے احبار اور رہبان موجود تھے جو علم و دانش اور تقویٰ و طہارت کے اعلیٰ معیار پر فائز تھے۔

لہذا اس صورت حال کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماننا پڑیگا کہ آپ عالم اجسام کے لیے اس دوران نبی نہیں تھے، ورنہ جس طرح آپ کی ولادت پاک کے بعد اور اعلان نبوت کی صورت میں تمام جسمانی حیات کے ساتھ زندہ موجود انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتیں بھی اختتام پذیر

ہو گئیں اور شریعتیں بھی منسوخ، خواہ وہ زمین میں موجود تھے جیسے حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام یا آسمانوں میں جیسے کہ حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام۔ چہ جائیکہ فوت شدہ حضرات کی نبوتیں اور شریعتیں اختتام پذیر نہ ہوتیں۔ بلکہ اگر آپ ﷺ کی نبوت اس عالم میں موثر ہوتی تو کسی نبی کو اپنی نبوت کا دعویٰ کرنے کی جرات ہی نہ ہوتی۔ جس طرح شریعت مطہرہ میں مقرر اور ثابت حقیقت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں زمین پر تشریف لائیں گے، حکومت کریں گے، لیکن اپنی کتاب انجیل اور عیسوی شریعت پر نہ عمل کریں گے نہ کرائیں گے بلکہ صرف اور صرف قرآنی تعلیمات اور شریعت محمدیہ کے مطابق خود بھی عمل پیرا ہوں گے اور لوگوں کو بھی اس پر عمل کے پابند اور مکلف ٹھہرائیں گے۔ جبکہ اسی زمین پر اپنے نبوت کے دورانہ میں اپنی کتاب اور شریعت کے مطابق عمل کرتے بھی رہے تھے اور کراتے بھی رہے تھے، لیکن وہی عیسیٰ روح اللہ اب اس عمل کو دہرا نہیں سکیں گے۔

تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ آپ ﷺ کا عالم ارواح کی نبوت کا، معاملہ الگ ہے اور عالم اجسام کا معاملہ الگ ہے اور وہ نبوت یہاں موثر نہیں تھی۔ بلکہ وہاں بھی عام انسانوں کی ارواح کے لیے ثابت نہیں تھی، اسی لیے ان سے الست برکمہ کے سوال پر اور ہلی کے جواب پر اکتفا کیا گیا۔

آپ کے وہاں بالفعل نبی ہوتے ہوئے یہاں دوسرے انبیاء و رسل اپنی نبوتوں اور رسالتوں کے دعوے بھی کر رہے تھے، معجزات کے ذریعے منوا بھی رہے تھے اور اپنی اپنی شریعتوں پر عمل کر بھی رہے تھے اور عمل کرا بھی رہے تھے۔ اور دو چار کی تعداد میں نہیں بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چالیس ہزار کی تعداد میں اور ان کی اتباع و اقتداء کی بدولت امتی لوگ ولایت اور محدثیت کے اعلیٰ مقامات پر فائز بھی ہو رہے تھے۔ اور عظیم روحانی تصرفات بھی ظاہر فرما رہے تھے مگر اب اگر سابقہ مذاہب پر قائم رہیں، اور نبی آخر الزمان ﷺ کے حلقہ

غلامی میں داخل نہ ہوں تو ایمان کی دولت سے بھی محروم ہو جائیں بلکہ ان کے مقتدا اور پیشوا انبیاء علیہم السلام بھی دنیا پر ظہور کی صورت میں اس محبوب کی اطاعت و اتباع کے پابند ہوں گے اور حلقہ غلامی میں داخل ہونے کے مکلف ہوں گے اور سرتابی کی صورت میں انکا دامن بھی رشد و ہدایت سے خالی ہو کر رہ جائے گا، اور ضلالت و غوایت سے بھرپور ہو جائے گا کما قال صلی اللہ علیہ وسلم:

لو بدالکم موسیٰ فاتبعتموه وترکتھونی لضللتھم عن سواء سبیل۔ لو کان

(مشکوٰۃ شریف)

موسیٰ حیالما وسعه الا اتباعی

”اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے سامنے ظاہر ہوں اور تم انکی اتباع کرو اور مجھے چھوڑ دو تو

تم گمراہ ہو جاؤ گے“

”اگر موسیٰ علیہ السلام ظاہری جسمانی حیات کے ساتھ دنیا میں موجود ہوتے تو انہیں

میری اتباع و اطاعت کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہوتا“

موسیٰ کلیم علیہ السلام جن کی کتاب اور شریعت کی تعلیم دینے کے لیے ہزاروں تابع نبی

اللہ تعالیٰ نے بھیجے اگر وہ اپنی شریعت پر قائم بھی نہ رہ سکیں چہ جائیکہ اس کا پرچار کریں تو دوسرے

انبیاء کرام کا حکم بطریق اولیٰ معلوم ہو جائے گا۔ اور سینکڑوں، ہزاروں انبیاء کی گنجائش کجا ایک

کیلئے بھی ایسی گنجائش ناممکن ہے۔

الحاصل اگر ہزاروں سال عالم اجسام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا براہ راست موثر

نہ ہونا آپ کے خدا داد مرتبہ و مقام میں نقص اور کمی کا موجب نہیں ہے تو جسم اقدس کی تکمیل تک

اور عادت جاریہ اور سنت الہیہ کے معیار تک رسائی تک اگر وہ نبوت موثر نہ ہو تو پھر بھی یہ امر

آپ کی قدر و منزلت اور رفعت و درجت میں تفریط و تنقیص کا موجب اور علت نہیں بن سکتا، ہذا

ما عندی واللہ ورسولہ اعلم۔

الغرض عالم عناصر میں عنصری اور مادی جسمانی حالت میں ظاہر ہونے پر یہ نبوت

صرف زمین میں نہیں بلکہ آسمانوں میں بھی موثر ہوگئی، لیکن عالم ارواح میں ہزاروں سال تک یہ نبوت حاصل ہوتے ہوئے زمین میں سرے سے ایک لمحہ کے لیے موثر نہ ہو سکی، تو روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ہوگئی، کہ آپ ﷺ اس دورانہ میں عالم عناصر و اجسام کے براہ راست نبی نہیں تھے۔ نیز وہ نبوت اور تھی جو صرف ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام تک محدود رہی اور اس عالم عناصر میں ظہور کے بعد والی نبوت اور تھی جو سب مکانوں کو بھی اور مکینوں کو بھی محیط ہوگئی

والحمد لله على ذلك۔

دونبوتیں اور دورسالتیں!

جن حضرات نے ارشاد نبوی کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد کو ظاہری معنی پر محمول کیا ہے اور آپ کے لیے عالم ارواح میں بالفعل اور عملی نبوت تسلیم کی ہے اور ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کے لیے فیض رسان اور مربی ہونا تسلیم کیا ہے انہوں نے آپ کے لیے دونبوتیں اور دورسالتیں تسلیم کی ہیں پہلی عالم ارواح کے اعتبار سے اور دوسری عالم اجسام اور ابدان کے اعتبار سے۔

حضرت العلامة الامام الشیخ سلیمان الجمل، نبی مکرم ﷺ کے اسم مبارک (الداعی) کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ اسم مبارک یا ”دعا“ سے ماخوذ ہے تو اس وقت اس کا معنی اور مفہوم یہ ہوگا کہ آپ اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعا کرنے والے اور تضرع اور زاری کرنیوالے ہیں اگر دعوت سے ماخوذ ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا:

انه داع للخلق ليقبلوا على الله تعالى و على توحيدہ و عبادتہ و قد دعا عليه

الخليقة في عالم الارواح والذرة فدعت روحه الشريفة جميع الارواح ودلتها على الله و على توحيدہ و عرفتها بربها و دعت زرتہ الشريفة جميع الذرات و ارشدتها و عرفتها بربها۔ ودعا الخليقة ايضافي عالم الاجساد بعد ان ظهر جسد انسانيا آدميا فدعا الانس

والجن و عرفہم برہم فقد انذر الخلیقة جميعا آمن الكل به فی الاولیة والآخریة کہ وہ مخلوق کو دعوت دینے والے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید اور عبادات کی طرف مائل اور راغب ہوں۔ اور آپ نے اس اسم مبارک کا حق ادا کرتے ہوئے اور تقاضا پورا کرتے ہوئے عالم ارواح اور عالم ذر میں مخلوق کو دعوت دی۔ آپ ﷺ کی روح اقدس نے تمام ارواح کو دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی توحید کی طرف رہنمائی فرمائی اور انہیں اپنے رب تعالیٰ کی پہچان کرائی اور آپ کے جسم اقدس مادہ اور جوہر نے (جو پست آدم علیہ السلام سے برآمد کیا گیا تھا) دیگر تمام اجسام کے مواد کو (جن سے ان کی ارواح متعلق تھیں) دعوت دی انہیں اپنے رب تعالیٰ کی طرف رہنمائی فرمائی اور اس کی پہچان کروائی اور آپ نے عالم اجساد میں نمودار ہونے پر بھی مخلوقات کو دعوت دی جبکہ آپ ﷺ خود آدمیت و انسانیت والے جسم کی حالت میں ظہور فرما ہوئے تو آپ نے اس حال میں انسانوں اور جنوں کو دعوت دی اور عذاب خداوندی سے ڈرایا اور تمام تر مخلوق کو ابتداء میں بھی اور آخر میں بھی آپ کی وجہ سے ایمان نصیب ہوا

(الی ان قال): انه نبی فی عالم الارواح والنور وارسل الیها بالفعل و دعاها و دلها ثم نبی و ارسل ثانیاً فی عالم الاجساد بعد بلوغه اربعین سنة من عمره فامتاز عن الانبیاء والرسل بانه نبی مرتین و ارسل مرتین الاولى فی عالم الارواح للارواح و ثانیة فی عالم الاجساد للاجساد فقد دعا^{صلی اللہ علیہ وسلم} عائل^ہ و دلی علی اللہ تعالیٰ فی کل من الحالتین کما تقدم و الاشارة الی ذلك بقوله تعالیٰ و ما ارسلناک الا کافة للناس و الانبیاء والرسل و جمیع اممهم و جمیع المتقدمین و المتأخرین داخلون فی کافة الناس و کان هو داعیا بالاصالة و جمیع الانبیاء والرسل یدعون الخلق الی الحق عن تبعیته و كانوا خلفائه و نوابه فی الدعوة۔

(بحوالہ جواهر البہار للنبہانی جلد ثانی)

(درمیان میں امام سبکی کا کلام بطور تائید ذکر کرنے کے بعد کہا)

”بیشک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ارواح اور عالم ذر میں بالفعل نبی اور رسول بنایا گیا اور آپ نے ان کو دعوت دی اور ان کی رہنمائی فرمائی۔ پھر آپ کو دوبارہ نبی اور رسول بنایا گیا عالم اجساد میں چالیس سال کی عمر شریف کو پہنچنے کے بعد تو آپ کو دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام سے اس طرح امتیاز اور انفرادیت حاصل ہو گئی کہ آپ کو دوسرے نبی بنایا گیا اور دوسرے رسول بنایا گیا پہلی دفعہ عالم ارواح میں ارواح کے لیے اور دوسری دفعہ عالم اجسام میں اجسام کے لیے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داعی ہیں کیونکہ آپ نے دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور رہنمائی فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وما ارسلناک الا کافة للناس بشیراً و نذیراً﴾ میں اسی عموم کی طرف اشارہ ہے اور انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کی تمام امتیں اور تمام متقدمین اور متاخرین کافة الناس میں داخل ہیں۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ادوار میں اصل اور مستقل نبی و رسول ہونے کے لحاظ سے دعوت دینے والے تھے اور دوسرے انبیاء اور رسل علیہم السلام حق کی طرف مخلوق کو دعوت دیتے تھے۔ تو آپ کے نائب اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اور آپ کی اتباع میں اس لیے الداعی کا لقب صرف اور صرف آپ کے ہی شایان شان ہے“

فائدہ:

علامہ سلیمان جمل نے بھی دوسری جسمانی نبوت چالیس سال کی عمر میں تسلیم فرمائی اور پہلی روحانی نبوت کو بھی دائم اور باقی اور مستمر تسلیم کیا ہے اس کے سلب ہو جانے کا شائبہ بھی نہیں ظاہر ہونے دیا بلکہ روح مجرد اور روح کے بدن میں حلول اور عالم اجسام کی طرف نزول کا فرق واضح کیا ہے کہ روح اقدس کی ارواح کے لیے نبوت الگ معاملہ ہے اور بدن اقدس سے تعلق حلولی کے بعد ابدان و اجسام انسانیہ کے لیے نبی و رسول ہونے کا معاملہ جداگانہ ہے۔

عالم ارواح میں نبوت کب حاصل ہوئی؟ اس کے مراتب و مراحل کا بیان!

جن حضرات نے ارشادِ مصطفوی ﷺ کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد، اور اس مضمون کی دیگر احادیث اور روایات کو بالفعل نبوت حاصل ہونے پر محمول کیا ہے تو ان میں سے بعض حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے جسم اقدس کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے آپ کی روح اقدس کو اس اعزاز اور شرف کے ساتھ معزز اور مشرف ٹھہرایا گیا چنانچہ سید احمد عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ليس المعنى انه كان نبيا في علم الله تعالى كما قيل لانه لا يختص به بل ان الله خلق روحه قبل سائر الارواح و خلع عليها خلعة التشريف بالنبوة اى ثبت لها ذلك الوصف دون غيرها في عالم الارواح اعلاما للملا الأعلى به (الى) وهذا هو المراد بقوله ﷺ ان الله خلق نوري قبل ان يخلق آدم عليه السلام بأربعة عشر ألف عام كما رواه ابن القطان و في رواية يسبح ذلك النور و تسبح الملائكة بتسبيحه وهذا يؤيد أنه ﷺ مرسل للملائكة كغيرهم فهذا صريح في أنه ﷺ ظهرت نبوته في الوجود العيني قبل نبوة آدم وغيره و ان الملائكة لم تعرف نبيا قبله

(بحوالہ جواهر البحار جلد سوم ص ۳۵۷)

”ارشادِ نبوی ﷺ کنت نبیا الحدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی تھے جیسے کہ کہا گیا ہے کیونکہ علم الہی میں نبی ہونا کوئی آپ کی خصوصیت نہیں (تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے علم میں ازل سے نبی ہیں جبکہ یہاں آپ اپنی خصوصیات بیان فرما رہے ہیں) بلکہ اس کا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح اقدس کو دیگر تمام ارواح سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو نبوت والی خلعت کے ساتھ مشرف فرمایا یعنی آپ کو یہ وصف حاصل ہوا بخلاف دیگر ارواح کے۔ ملاءِ اعلیٰ اور عالم بالا کے باسیوں کو آپ کے اس اعزاز و امتیاز سے آگاہ

کرنے کے لیے (تا) اور یہی مراد ہے نبی مکرم ﷺ کے اس ارشاد سے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے پیدا فرمایا جیسے کہ ابن قطان محدث نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کا نور اقدس تسبیح کہتا تھا اور ملائکہ اس کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کہتے تھے یعنی بطور اتباع اور اقتداء اور یہ روایت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت آدم علیہ السلام اور دیگر حضرات کی نبوت سے قبل اپنے عینی اور خارجی وجود کے ساتھ ظاہر اور متحقق ہو چکی تھی اور ملائکہ کی معلومات کے مطابق آپ سے پہلے کوئی دوسرا نبی نہیں تھا“

هذا ما يدل عليه ظاهر بعض الاحاديث من ان نبوته كانت بعد خلق جسد آدم (ص ۳۵۸)

”اور بعض احادیث کا ظاہری معنی اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کی نبوت آدم علیہ السلام کے جسم کی تخلیق کے بعد پائی گئی“

لیکن علامہ شیخ ابراہیم کورانی اپنے شیخ عارف قشاشی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ان نبوته ﷺ كانت سابقة على خلق اللوح والقلم وما بعدهما
”محبوب کریم ﷺ کی نبوت لوح و قلم اور بعد والی اشیاء کی تخلیق سے بھی پہلے متحقق اور

ثابت تھی“

علامہ محقق شیخ احمد بن محمد بن ناصر سلاوی فرماتے ہیں:

فالظاهر ان بين ظرف زمان اى فى زمان كان بين خلق روحه و جسده

ففيقيد ظهور نبوته بعد خلق روحه و قبل خلق جسده اى انه نباه الله تعالى فى عالم

الارواح واطلع الارواح على ذلك وامرهما بمعرفة نبوته و الاقرار بها

(جلد چہارم ص ۲۱۰)

” (فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد کے بارے میں) یقینی امر یہ ہے کہ بین کالفظ طرف زمان ہے اور معنی یہ ہے کہ میں نبی تھا اس زمانہ میں جو کہ آدم علیہ السلام کی روح اور ان کے جسم کے درمیان تھا تو اس کا مفاد اور مدلول یہ ہوگا کہ آپ کی نبوت آدم علیہ السلام کی روح پیدا ہونے کے بعد اور جسم پیدا ہونے سے پہلے ظاہر ہو چکی تھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ارواح میں نبی بنا دیا تھا اور ارواح کو اس حقیقت سے مطلع بھی فرما دیا تھا اور ان کو آپ کی نبوت اور معرفت اور اس کے اقرار و اعتراف کا مامور اور مکلف بھی ٹھہرا دیا تھا“

وبالجملة فحقيقته سابقة على خلق آدم فيستفاد ان نبوته مقدرة في العلم
اولاى تعلق علم الله تعالى بانه يصير نبيا وهذا المرتبة الاولى ثم خلق نوره وهذا
المرتبة الثانية ثم كتبه في ام الكتاب وهذه هي المرتبة الثالثة والنبوة الثانية ثم
اظهره للملائكة وهذه المرتبة الرابعة والنبوة الثالثة ثم اظهر للوجود وهذه المرتبة
الخامسة والنبوة الرابعة فقد علم اتصاف حقيقته ^{عليه} بالاصناف الشريفة المفاضة
عليه من الحضرة الالهية من اول الامر قبل خلق كل شئ وانما تأخر اتصافه
بالاصناف الوجودية العينية لجسده لما وجد في الدنيا

(بحوالہ جواهر البہار جلد چہارم ص ۲۱۱)

”خلاصہ یہ ہے کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے مقدم ہے تو اس سے استفاد (یہ ہوا کہ آپ کی تخلیق اور حصول نبوت کے کئی مراتب اور مراحل ہیں) کہ پہلے پہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت علم الہی میں مقدر تھی یعنی اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آپ نبی بنیں گے یہ پہلا مرتبہ ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کا نور پیدا کیا یہ دوسرا مرتبہ ہوا۔ پھر لوح محفوظ (کو پیدا فرما کر) اس میں آپ کی شان ثبت فرمائی یہ تیسرا مرتبہ و مرحلہ ہوا (از روئے تخلیق) اور دوسرا مرتبہ ہوا نبوت کا۔ پھر ملائکہ (کو پیدا فرما کر ان) پر اس امر کا اظہار فرمایا یہ چوتھا مرتبہ ہوا (از روئے تخلیق

(اور نبوت کا تیسرا مرتبہ ہوا۔ پھر بالفعل آپ کو موجود فرمایا اور موجودات پر ظاہر فرمایا تو یہ پانچواں مرتبہ ہوا) (از روئے تخلیق) اور چوتھا مرتبہ ہوا نبوت کا۔ تو معلوم ہو گیا آپ کی حقیقتِ مقدسہ کا اوصاف شریفہ کمالیہ کے ساتھ موصوف و متصف ہونا جو آپ پر بارگاہ الوہیت کی طرف سے فیضان کیے گئے تھے اول امر سے ہی ہے جب کہ کوئی شے تخلیق نہیں کی گئی تھی اگر التواء اور تاخیر پائی گئی تھی تو صرف اور صرف دنیا میں موجود ہونے پر آپ کے جسدِ اطہر کے اوصاف و وجودیہ خارجیہ محسوسہ کے ساتھ اتصاف میں“

شیخ جلیل نور الدین علی بن زین الدین الشہیر بابن الجزار ارشاد فرماتے ہیں:

والمراد انه كان نبيا بالفعل فانه تعالى لما اطلع على عالم الارواح في عالم
الذر وقال لهم اناست بربكم فاول من قال بلى محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوهبه مواهب شريفة
تليق بذاته وأرسل روحه الى أرواح الأنبياء فأمنوا بها وسبب ذلك بانه لو قيل انه كان
نبيا في علم الله تعالى و آدم بين الماء والطين لم يكن في التنصيص على قوله
كنت نبيا الحديث عظيم فائدة اذهم مستوون معه في ذلك فتعين تقريرة على ما
ذكرنا۔ (جواهر البحار جلد سوم ص ۸۹)

”اس حدیث کا معنی مرادی یہ ہے کہ آپ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم ذر اور سمات آدم پر عالم ارواح میں تجلی فرمائی اور ان سے دریافت کیا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب سے پہلے جس نے ہلسی (ہاں کیوں نہیں) کہا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ان کو عظیم اور بزرگ تحفے اور ہدایا عطا فرمادیں جو ان کی ذات والا صفات کے شایان شان تھے اور آپ کی روح کو انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے لیے نبی اور رسول بنا دیا تو وہ سب آپ پر ایمان لے آئے اور اس معنی پر اس حدیث شریف کو محمول کرنے کا سبب باعث یہ ہے کہ اگر کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور

کچھ کے درمیان تھے تو آپ کے اس وقت میں نبی ہونے کی تخصیص اور تصریح کا کوئی عظیم فائدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ سبھی انبیاء علیہم السلام علم الہی میں نبی ہونے کے اعتبار سے آپ کے ساتھ مساوی اور ہم پلہ تھے لہذا اس حدیث کی یہی تشریح اور تفسیر متعین ہو گئی جو ہم نے ذکر کی ہے۔

تنبیہ: اقول:

اگر آنحضرت ﷺ لوح و قلم کی تخلیق سے قبل یا ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کی تخلیق سے قبل بالفعل نبی ہوں تو پھر آدم بین الماء والطين اور آدم بین الروح والجسد کی تخصیص اور تخصیص کا بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ راجح اور مختار قول یہی ہوگا کہ نور تو آنحضرت ﷺ کا ہر چیز سے پہلے پیدا کیا گیا لیکن بالفعل نبوت و رسالت اس وقت عطا کی گئی جب ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام پیدا کر دیے گئے اگرچہ آدم علیہ السلام کا جسم ابھی پیدا نہیں کیا گیا تھا یا جسم اقدس پیدا کر کے جب اس میں سے اولاد کے نسبات اور ذرات کو نکالا گیا اور ان کی روحوں کا ان کے ساتھ تعلق قائم کر کے اللہ تعالیٰ نے الست بریکم فرمایا ہذا واللہ ورسولہ اعلم کیونکہ لوح و قلم کو ملائکہ کی تخلیق سے ہزاروں سال (پچاس ہزار سال براویۃ) پہلے پیدا کیا گیا اور اس سے پہلے ہزاروں سال آنحضرت ﷺ کا نور اقدس اور جوہر روح اور حقیقت محمدیہ کی تخلیق ہوئی اور ملائکہ کی تخلیق کے ہزاروں سال بعد آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ پر ظاہر فرمایا تو اس طرح لاکھوں سال کا عرصہ آدم علیہ السلام کے جسم بلکہ روح اور آنحضرت ﷺ کے نور اقدس کی تخلیق کے درمیان گزرا تو پھر آدم بین الماء والطين اور آدم بین الروح والجسد کے ساتھ آپ کی نبوت کی تعین اور تخصیص کا مقصد یا فائدہ نظر نہیں آتا بلکہ نقصان یہ نظر آتا ہے کہ اتنے طویل عرصہ کی نبوت کے انتفاء اور انقطاع کا وہم اور مغالطہ پیدا ہوگا بلکہ کتنے اکابر سے اس کی تصریح و تخصیص بھی منقول ہے کہ ارواح انبیاء علیہم السلام کی تخلیق کے بعد آپ کو بالفعل نبوت و رسالت کے ساتھ مشرف فرمایا گیا بلکہ بعض حضرات نے آدم علیہ السلام

کے جسم کی تخلیق اور اس سے نسمات اور ذرات کی تخریج کے بعد آپ کا بالفعل نبی اور رسول ہونا تسلیم کیا ہے، ابھی ابھی دونوں تصریحات نظر نواز ہو چکی ہیں گویا صرف وہم اور مغالطہ کا امکان ہی ثابت نہ ہوگا بلکہ اس کا وقوع اور تحقق بھی ہو چکا۔ فتاامل حق التامل

فائدہ:

اگر اتنا طویل ترین عرصہ آپ کے نورِ اقدس اور جوہرِ حقیقت کا وجود بالفعل نبوت کے حصول سے قبل تسلیم کرنا درست ہے اور اس میں نہ بے ادبی اور گستاخی ہے نہ اس کا شائبہ ہے تو بنِ اقدس کی تخلیق کے ساتھ ہی آپ میں بالفعل نبوت ماننا کیونکر لازم اور ضروری ہے اور اس کو تسلیم نہ کرنا سراسر بے ادبی و توہین اور گستاخی کیوں ہے؟ جب کہ روح اور حقیقت سراسر نور تھی اس میں نورِ مطلق جل و علیٰ سے استفادہ اور استفادہ کی صلاحیت اور استعداد اعلیٰ طریق پر موجود تھی اور لباسِ بشری میں جلوہ گری پر وہ اعلیٰ صلاحیت برقرار نہیں رہ سکتی تھی بلکہ روح و بدن اور حقیقتِ نوریہ اور جسمِ مادی میں باہم تناسب اور توافق پیدا ہونے کے لیے اور روحِ اقدس کی طرح بدنِ اقدس کے استفادہ و استفادہ کی صلاحیتِ کاملہ اور استعدادِ تام حاصل کرنے کے لیے مناسب وقت درکار تھا جیسے کہ قانونِ قدرت، آئینِ فطرت اور عالمِ اسباب کا تقاضا ہے۔

حضرت علامہ نبھانی جواہر البحار میں، امام کبیر عارف شہیر قطب عالم سید ابوالعباس التیجانی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

الحقیقة المحمدية لم تنزل مشحونة من جميع هذه المعارف والعلوم والاسرار من اول الكون من حيث انه اول موجود اوجده قبل وجود كل شئ و فطره على هذه العلوم والمعارف والاسرار ولم يزل مشحونة بها الى ان كان زمن وجود جسده الكريم ^{عليه السلام} فضرِب الحجاب بينها وبين علمه بها الى ان كان زمن النبوة فرفع الحجاب واعلمه على ما اودعه في حقيقته المحمدية (الي) حتى اذا بلغ مرتبة

النبوة رفع الحجاب بين علمه و بين ما كان مودعاً في حقيقته المحمدية من العلوم
والمعارف والاسرار و يدل على هذا الذي ذكرنا قوله صلوات الله عليه كنت نبيا و آدم بين الماء
والطين و حيث كان في ذلك نبيا يستحيل ان يجهل الرسالة والنبوة والكتاب و
مطالبات الجميع و ما يول اليه كل منها و ما يراد من جميعها فالحديث شاهد على ما
ذكرنا۔ (جواهر البحار جلد ثالث ص ۵۲، ۵۳)

حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ابتدائے تخلیق سے ہی تمام معارف اور علوم
و اسرار سے معمور اور بھر پور تھی کیونکہ وہ پہلی موجود چیز تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر شے اور تمام
مخلوقات سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو انہی علوم و معارف اور اسرار پر فطری طور پر مطلع فرمایا اور
ان علوم و معارف سے ہمیشہ ہمیشہ وہ حقیقت مقدسہ معمور رہی یہاں تک کہ اس کے جسد اطہر کے
موجود ہونے کا زمانہ آپہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ان علوم و معارف کا اور آپ کے ان کے عرفان
و ادراک کے درمیان حجاب اور پردہ قائم کیا یہاں تک کہ آپ کا زمانہ نبوت آپہنچا تو اس حجاب کو
اٹھا دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان علوم و معارف اور اسرار پر مطلع فرمایا جو آپ کی حقیقت اور
روح اقدس میں ودیعت فرمائے تھے (تا) حتیٰ کہ جب آپ کو منصب نبوت تک رسائی حاصل
ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے علم و ادراک اور آپ کی حقیقت میں ودیعت کیے ہوئے علوم و
معارف اور اسرار کا درمیانی حجاب اٹھا دیا اور ہمارے اس قول کی دلیل نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد
گرامی ہے کنت نبیا و آدم بین الماء والطين، میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ
السلام پانی اور کچھڑ کے درمیان تھے۔ کیونکہ جب اس وقت نبی تھے تو یہ محال امر ہے کہ نبی ہونے
کے باوجود رسالت و نبوت اور کتاب سے بے خبر ہوں اور ان کے مطالب اور تقاضوں سے آگاہ
نہ ہوں اور نہ ان کے نتائج اور مقاصد سے باخبر ہوں لہذا یہ حدیث ہمارے دعویٰ کی اہم دلیل
اور ہمارے اس قول پر شاہد صادق ہے۔

ولادت پاک کے فوراً بعد کیوں نہ نبوت و رسالت عطا کی گئی!

یہی امام کبیر اور عارف شہیر اور قطب وقت ابوالعباس تیجانی فرماتے ہیں:

ينبغي اعتراض على ما ذكرنا و هو ان يقال اذا صح ما ذكرتم و كان هذا السر هو المانع من ظهور ما في حقيقته المحمدية قبل النبوة فلم لا يكون رسولا ولا نبيا من اول نشأته عند ما في حقيقته المحمدية كما كان حال الغيب قبل وجود جسده الكريم فالجواب عن هذا الاعتراض ان منع الله له من الرسالة والنبوة قبل بلوغه اربعين سنة ان النبوة والرسالة لا تكون الا عن تجلي الهى و لو وضع اقل قليل منه على جميع ما في كورة العالم لذابت كلها لثقل اعباءه و سطوة سلطانه فلا تقدر الانبياء على تحمل اعبائه والثبوت لسطوة سلطانه الابد بلوغهم اربعين سنة واما قبل بلوغ الاربعمين سنة فلا قدرة لاحد على تحمل اعباء ذلك التجلى لما فطرت عليه البشرية من شدة الضعف حتى اذا بلغ الانسان اربعين سنة و كان في علم الله نبيا او رسولا فاض على روحه من قوة الهية ما يقدر به على تحمل اعباء ذلك التجلى فلماذا السر لم ينبأ احد الا بعد اربعين سنة و هذا هو المانع له من النبوة قبل ذلك ^{عليه السلام} ولغيره من النبيين عليهم السلام واما سيدنا عيسى عليه الصلوة والسلام كونه نبيا قبل الاربعمين فالجواب لم يكن بشريا محضا انما كان نصفين نصف بشري و نصف روحانى اذ نشأ من نفخة الروح الامين في امه فقوى فيه ضعف البشرية و زاد بذلك قوة على النبيين فلذلك بعث قبل الاربعمين للقوة التي اعطيتها من نفخ الروح الامين في امه۔

(بحوالہ جواہر البحار للعلامة التيماني جلد سوم ص ۵۴، ۵۵)

”یعنی ہم نے جو (آپ کے زمانہ نبوت تک علوم و معارف پر حجاب ظاری ہونے کا سبب بیان کیا ہے کہ اگر آغاز ولادت سے ہی آپ ان اسرار و رموز اور علوم و معارف کے بارے

میں بتلاتے اور عالم ارواح میں نبی ہونے کا انکشاف کرتے تو چالیس سال بعد والے اعلان نبوت و رسالت کے متعلق لوگ شکوک و شبہات اور غلط توہمات و تخیلات کا شکار ہوتے ہوئے کہہ دیتے کہ یہ تو مدت سے ایسی باتیں کر رہے ہیں کسی دوسرے شخص سے انہوں نے یہ باتیں سیکھی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان احوال اور کیفیات اور اسرار و رموز اور علوم و معارف کو مستور فرمادیا تاکہ آپ کی زبان پر زمانہ نبوت سے قبل ان کا ذکر ہی نہ آنے پائے اور لوگوں کو صرف اور صرف آپ کا امی ہونا اور علوم ظاہرہ سے بظاہر خالی ہونا نظر آئے اور اہل کتاب سے ایسے علوم کا حصول اور آپ کا ان کے قریب تک نہ جانا اور اجتناب معلوم ہو اور انہیں آپ کے متعلق ہر طرح کے اکتساب علوم اور تعلیم و تعلم سے دوری کا یقین ہو جائے تو پھر جب آپ ان پر اپنی نبوت اور رسالت کے بارے میں کلام کریں اور انکشاف فرمائیں تو، يعلمون ان ذالك حق لكونه صدر ذالك عن امي لا يعلم شيئا ولم يكن تعلم ذالك ولا بوقه و هذا سرا لا احتجاب و شاهد هذا قوله تعالى وما كنت تتلو من قبله من كتاب ولا تخطه بيمينك اذا لا رتاب المبطلون۔ تو مخاطبین اور مدعوین کو آپ کے دعویٰ کے برحق ہونے کا علم الیقین ہو جائے کیونکہ وہ امی کی ذات سے صادر ہونے والا ہے جو قبل ازیں ایسے علوم نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی اس قسم کے علوم کسی سے حاصل کیے اور نہ ہی نبوت تھی کہ صاحب نبوت سے استفادہ کر کے یہ بھی مدعی نبوت بن جاتے تو یہ ہے ان علوم و اسرار کے حجاب و پردہ میں چلے جانے کی حکمت اور راز اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان شاید صادق ہے، کہ تم قبل ازیں نہ کوئی کتاب تلاوت کرتے تھے اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے ہی تھے ورنہ باطل عقائد والے ریب اور تردد کا شکار ہو جاتے، تو اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے جس کا جواب دینا ہماری ذمہ داری بنتا ہے کہ جو راز اور بھید اور سبب حجاب اور مانع کے طاری ہونے کا تم نے بیان کیا ہے کہ حقیقت محمدیہ میں مکنون اور مستور معارف اور علوم اور اسرار و رموز کو اس وجہ سے ظاہر نہیں کیا گیا تو اس کا تدارک اس طرح بھی ہو سکتا تھا کہ

آپ کو آغازِ ولادت سے ہی منصبِ نبوت و رسالت پر فائز کر دیا جاتا تا کہ ان امور میں سے کوئی آپ سے مخفی اور پوشیدہ نہ رکھنا پڑتا جیسے کہ عالمِ غیب میں ہوتے ہوئے اور لباسِ بشری میں ملبوس ہونے سے قبل آپ کی حالت و کیفیت تھی۔ تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے چالیس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے آپ کو نبوت و رسالت سے دور رکھا کیونکہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی کے بعد حاصل ہوتی ہے جس کا اقل قلیل حصہ بھی اگر ہمارے جہان اور آبادی پر رکھا جائے تو وہ اس کے بوجھ اور ثقل اور غلبہ رعب و شکوہ کی وجہ سے پکھل جائے لہذا پیغمبرانِ کرام بھی نبوت کا بارِ گراں اور اس کے رعب و شکوہ کے متحمل ہونے اور اس کے آگے ثابت قدم رہنے کی ہمت و طاقت چالیس سال کی عمر سے پہلے نہیں رکھتے اور چالیس سال کی عمر تک رسائی سے پہلے کسی میں بھی اس تجلی کے برداشت کرنے کی سکت اور استطاعت نہیں ہو سکتی کیونکہ بشریت میں فطری اور پیدائشی طور پر شدید ضعف اور ناتوانی پائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جب انسان چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے اور علمِ الہی کے مطابق اس کا نبی و رسول ہونا مقدر ہو چکا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی روح پر قوتِ الہیہ میں سے افاضہ فرماتا ہے جس کی بدولت وہ اس تجلی کے بارِ گراں کو برداشت کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ اور سببِ خاص ہے جس کے تحت ہر پیغمبر کو منصبِ نبوت چالیس سال کے بعد ہی عطا کیا گیا اور آپ کے لیے بھی اور دوسرے انبیاء کے لیے بھی چالیس سال سے قبل اس عظیم منصب پر فائز ہونے سے یہی امر مانع ہے علیہم الصلوٰت والسلام۔

رہا معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چالیس سال کی عمر سے پہلے نبی بن جانے کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ محض بشر نہ تھے وہ نصف نصف تھے، آدھے بشر تھے اور آدھے روحانی تھے کیونکہ وہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے انکے امی جان حضرت مریم میں تین نفخ اور پھونک سے پیدا ہوئے تھے تو ان میں بشریت والا ضعف (روح الامین کے نفخ کی آمیزش سے)

قوت و توانائی میں بدل گیا اور دوسرے انبیاء علیہم السلام پر قوت برداشت اور استعداد تحمل میں زائد ہو گئے تو والدہ ماجدہ میں روح الامین کے نفع کی وجہ سے حاصل ہونے والی ملکی قوت کی وجہ سے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ان کو مبعوث فرما دیا گیا“

فائدہ:

جو حضرات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چالیس سال سے قبل حاصل ہونے والی نبوت سے بطور دلالت النص اور اولویت کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی آغاز ولادت سے نبوت ثابت کرتے ہیں انہیں عارف تجانی کے اس ارشاد پر بھی ذرا غور و خوض کرنا چاہیے کہ وہاں باپ کے مادہ کی آمیزش نہیں ہے بلکہ نفع جبرئیل کی آمیزش ہے اور وہ آدھے بشر اور آدھے ملک ہیں لہذا ان پر دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کا قیاس، قیاس مع الفارق کے قبیل سے ہے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی بچپن سے ہی نبی تسلیم کریں کیونکہ وہ بھی بالاتفاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور اگر وہاں قیاس نہیں ہو سکتا تو پھر یہاں بھی اس کو جاری نہیں کیا جاسکتا اور یہی ہمارے اسلاف اور سابقین اولین علمی اور روحانی کمالات کے مجمع البحرین حضرات کا نظریہ اور عقیدہ ہے۔ ہم تو انہیں کے خوشہ چین ہیں اور ان کے قبیح اور مقتدی نہ کہ اپنی طرف سے عقائد و نظریات کا اختراع کرنے والے ہیں۔

بعض ”محققین“ کی ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض بزعم خویش محققین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوہر پاک بھی عظیم نور ہے اور بقیہ انوار ان سے مستفاد ہیں تو آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس لحاظ سے بھی فضیلت حاصل ہے تو آپ کا بھی آغاز سے نبی تسلیم کرنا ضروری ہے۔

تو جواباً گزارش یہ ہے کہ یہاں نور حقیقت میں تقابل نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ اس پر جو

حجاب بشریت ہے اس میں کلام کیا جا رہا ہے کہ دوسرے حضرات میں ابدان کی تخلیق ماں باپ کے دونوں مادوں کی آمیزش سے ہوتی ہے۔ بالخصوص لڑکے میں باپ کا مادہ تولید ماں کے مادہ تولید کی نسبت غالب ہوتا ہے بخلاف لڑکی کے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں چونکہ باپ کا مادہ تولید سرے سے شامل ہی نہیں تھا بلکہ نفع جبرئیل علیہ السلام کی وجہ سے آدھا بدن ملکی ہو گیا (بلکہ آدھے سے بھی زیادہ) لہذا ان میں حقیقتِ نوریہ پر طاری ہونے والا حجاب بالکل خفیف تھا لہذا ابتداء سے ہی نبوت و رسالت کی اہلیت و استعداد موجود تھی اس لیے ان کو اس وقت اس نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا اور نبی مکرم ﷺ کا لباس بشری ماں باپ دونوں کے مادہ تولید کی آمیزش سے تیار ہوا لہذا وہ نسبتاً کثیف تھا اس لیے اس کی کثافت کو بار بار کے شق صدر اور چلہ کشی وغیرہ کے ذریعے جب لطیف کر دیا گیا اور حقیقتِ نوریہ کا ہم رنگ تب یہ منصب آپ کو سونپا گیا۔

اس حقیقت کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ چودھویں کے چاند کے آگے سفید اور باریک بدلی ہو مگر دوپہر کے سورج کے آگے سیاہی مائل اور دبیرتہ والا بادل ہو تو چاند کی چاندنی محسوس ہوتی رہے گی جبکہ سورج کی دھوپ اور شعاعیں محسوس نہیں ہوں گی حالانکہ نور القمر مستفاد من نور الشمس، مسلم امر ہے کہ چاند کا نور سورج سے حاصل ہونی والا ہے۔ ہذا واللہ ورسولہ اعلم۔

عالم اجسام میں جلوہ گر ہونے پر نبوت و رسالت کب حاصل ہوئی!

نبی اور رسول کی بعثت کا مقصد لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا انتظام و اہتمام کرنا ہوتا ہے تو لامحالہ اس کی عمر شریف اتنی ہونی چاہیے کہ عالم اسباب کے تحت بدنی قوت اور عقلی قوت تکمیل پا چکی ہو اور اللہ تعالیٰ کی تجلی خاص اور وحی کے بوجھ کو برداشت کرنے کی قوت اور طاقت اور صلاحیت و استعداد اس میں پیدا ہو چکی ہو۔ نیز لوگوں میں ان کی انفرادی خوبیوں اور امتیازی صفات کی شہرت اور چرچا ہو چکا ہو، تاکہ وہ اس کی بات کو توجہ سے سنیں اور اس میں غور و فکر کی

ضرورت بھی محسوس کریں تو ظاہر ہے کہ آغازِ ولادت سے یا بلوغت سے قبل بلکہ بلوغت کے بعد بھی بدنی اور عقلی قوی کی پختگی تک یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ کی سنت بھی یہی ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر شریف میں مبعوث فرمایا سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اور ان کا بھی بچپن میں بالفعل نبی ہونا اجماعی اور متفق علیہ امر نہیں ہے جیسے کہ بعد میں تفصیلاً عرض کیا جائے گا۔ لہذا از روئے عقل بھی اور سہ اللہ کے تقاضا کی رو سے بھی آنحضرت ﷺ کے جسمانی لحاظ سے عملی طور پر اور بالفعل نبی ہونے کا عرصہ چالیس سال کی عمر شریف کے پورے ہونے پر ہی شروع ہوتا ہے اور اس پر کتاب اللہ اور تفاسیر اور روایات و آثار اور اقوال محدثین اور سیرت نگار حضرات کے اقوال و ارشادات دلالت کرتے ہیں۔

باب دوم

عالم اجسام میں چالیس سال کے بعد اعطائے نبوت پر قرآنی دلائل

اور جلیل القدر ائمہ تفسیر کی تفسیرات

پہلی آیہ مبارکہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ

(یونس: ۱۶)

أَفَلَا تَعْقِلُونَ-

ترجمہ:

تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے (قرآن مجید کو) تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے باخبر کرتا تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں ہے۔

(کنز الایمان)

اس کے تحت اکابر امت کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

الف: یعنی قرآن کی تلاوت محض اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہے اور میں چالیس سال تم میں

رہا ہوں اس زمانہ میں تمہارے پاس کچھ نہیں لایا اور میں نے تمہیں کچھ نہیں سنایا تم نے میرے

احوال کا خوب مشاہدہ کیا میں نے کسی سے ایک حرف نہیں پڑھا کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا اس کے

بعد یہ عظیم کتاب لایا جس کے حضور ہر ایک فصیح پست اور بے حقیقت ہو گیا۔ اس کتاب میں نفیس

علوم ہیں، اصول و فروع کا بیان ہے، احکام و آداب ہیں، مکارم اخلاق کی تعلیم ہے، غیبی خبریں ہیں

، اس کی فصاحت و بلاغت نے ملک بھر کے فصحاء اور بلغاء کو عاجز کر دیا ہے، ہر صاحب عقل سلیم

کے لیے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی ہے کہ یہ بغیر وحی الہی کے ممکن نہیں ہے۔

(خزانة العرفان ص ۳۷ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی)

ب: عقائد میں اہل سنت کے امام حضرت علامہ ابو منصور ماتریدی اس آیت کریمہ کے

تحت فرماتے ہیں:

فلم اسمع احداً ادعى البعث ولا اقام حجة عليه وانا قد ادعيت البعث و اقامت

على ذلك الحجة افلا تعتقلون هذا انى لم اخترع من عند نفسى

(تاویلات اہل سنت جلد ۶ ص ۲۲)

ترجمہ:

میں نے کسی کو نہیں سنا کہ اس نے اپنے مبعوث ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور نہ یہ سنا ہے کہ اس نے اس پر کوئی حجت اور دلیل قائم کی ہو۔ جب کہ میں نے مبعوث ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے اور اس دعویٰ پر میں نے حجت اور دلیل بھی قائم کر دی ہے۔ کیا تم اس کو سمجھتے نہیں ہو کہ میں نے اپنی طرف سے (اس کتاب منزل کا) اختراع اور گھڑنت نہیں کی ہے یعنی کسی سے سن سنا کر اور اسکی دیکھا دیکھی نہ دعوائے نبوت کیا ہے اور نہ کسی سے سیکھ کر یہ کلام پیش کیا ہے بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے تعمیل کی ہے۔

ج: حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے اس آیت کریمہ کے تحت حضرت جعفر بن ابی طالب کا

یہ ارشاد نقل کیا ہے جو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ اصمہ نجاشی کے سامنے بیان فرمایا تھا:

بعث الله فينا رسولا يعرف صفة و نسبه و امانته و قد كانت مدة مقامه عليه

السلام بين اظهرنا قبل النبوة اربعين سنة۔ (تفسیر ابن کثیر جلد سوم ص ۴۷۸)

اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان رسول مبعوث فرمایا جن کی صفت و حالت اور نسب و قبیلہ

اور امانت و دیانت کو ہم اچھی طرح جانتے تھے اور آپ کی نبوت سے قبل ہمارے ہاں ان کے قیام

کی مدت چالیس سال تھی۔ چالیس سال عمر گزرنے پر آپ کو منصب نبوت پر فائز فرمایا گیا

(صاحب البیت ادلی بمافیہ کے تحت گھر والوں کی شہادت کے بعد کسی اور کی

شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہتی)

و: امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ درمنثور میں تحریر فرماتے ہیں:

اخرج احمد والبیہقی فی الدلائل عن انس رضی اللہ عنہ انہ سئل بسن ای

الرجال کان النبی ﷺ اذ بعث قال کان ابن اربعین سنة۔

(الدر المنثور جلد سوم ص ۵۴۱)

امام احمد علیہ الرحمہ نے نقل فرمایا اور امام بیہقی علیہ الرحمہ نے اپنی دلائل النبوت میں

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ بعثت کے وقت نبی

مکرم ﷺ کس شخص کی عمر پر تھے تو انہوں نے فرمایا چالیس سال کی عمر میں تھے۔

اخرج ابن ابی شیبہ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال بعث

رسول ﷺ علی رأس الاربعمین۔ (درمنثور جلد ۳ ص ۵۴۱)

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل فرمائی کہ

رسول ﷺ عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر مبعوث ہوئے۔

اخرج البیہقی فی الدلائل عن الشعبي قال نزلت النبوة علی النبی ﷺ وهو

ابن اربعین سنة۔ (درمنثور جلد سوم ص ۵۴۱)

شعبي (جو کہ اکابرین تابعین سے ہیں) سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ پر نبوت اس

وقت نازل ہوئی جب کہ آپ چالیس برس کے تھے اس آیت کریمہ اور اہل بیت اور صحابی اور

تابعی کی شہادت سے واضح ہو گیا کہ آپ کی عمر شریف کا معتد بہ حصہ یعنی چالیس سال گزرنے پر

آپ اس منصب پر فائز فرمائے گئے۔ (و کذا فی الخصائص الکبریٰ جلد اول ص ۹۳ بروایة احمد

بن جنبل و یعتوب بن سفیان و ابن سعد والبیہقی)

دوسری آیہ مبارکہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كُنْتُمْ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ الْآيَةُ (شوری: ۵۲)

”تم بذات خود از روئے عقل نہیں جانتے تھے کتاب کو اور نہ ایمان (کی تفصیلات) کو“
ظاہر ہے کہ قول باری تعالیٰ ﴿فَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ﴾ میں لوگوں کو جس عرصہ اور زمانہ میں قرآن سے آگاہ کیے جانے کی اور ان پر قرآن تلاوت کرنے کی نفی کی گئی ہے اسی دورانہ کے متعلق یہاں کتاب اور ایمان کی درایت کی نفی کی جا رہی ہے نہ کہ یہاں ولادت پاک سے پہلے زمانہ کے لحاظ سے نفی کی جا رہی ہے۔ تو ماننا پڑے گا کہ آپ ولادت پاک کے عرصہ بعد نبوت و رسالت والے اعزاز اور شرف کے ساتھ معزز اور مشرف فرمائے گئے اور وحی کتاب اور تفصیلات ایمان سے بہرہ ور فرمائے گئے۔

اس سلسلے میں علمائے اسلام کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر درمنثور میں فرماتے ہیں:

عن علي قبيلا للنبي ﷺ هل عبادت وثنا قاط؟ قال لا۔ قالوا هل شربت

خمر اقط؟ قال لا۔ وما زلت اعرف الذي هم عليه كثر وما كنت ادري ما الكتاب ولا

(درمنثور ج ۵ ص ۷۱۳)

الایمان

مولائے مرتضیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا کیا آپ نے کبھی کسی بت کی عبادت کی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کیا کبھی آپ نے شراب پی؟ آپ نے فرمایا نہیں، میں ہمیشہ سے جانتا تھا کہ جس عقیدہ اور عمل پر یہ لوگ (دور جاہلیت میں) ہیں یہ سراسر کفر ہے حالانکہ نہ میں کتاب کو جانتا تھا اور نہ ایمان کی (تفصیلات) کو۔

فائدہ:

اگر صحابہ کرام علیہم السلام رضوان آپ کو وقتِ ولادت سے نبی مانتے ہوتے تو پھر بت پوجنے اور شراب پینے کے بارے میں سوال کیونکر کرتے؟ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہ فرمادیا کہ میں بچپن سے نبی تھا اور نبیوں سے ایسے ناپسندیدہ امور کیسے سرزد ہو سکتے ہیں؟

(۲) علامہ ابو حیان اندلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

انما معناه الايمان الذي يدركه السمع لان شيئا من الايمان لا تعلم الا بالوحي - اما توحيد الله و برائته عن النقائص و معرفة صفاته العلى فجميع الانبياء عليهم السلام عالمون بذلك معصومون ان يقع منهم زلل في شئ من ذلك سابق لهم علم ذلك قبل ان يوحى اليهم (الى) ومن طالع سير الانبياء عليهم الصلوة والسلام من نشأ بهم الى مبعثهم تحقق عندهم معصومون من كل نقیصة موحدون لله تعالى منذ نشأوا (الى) وعن ابى العالية ما كنت تدري قبل الوحي ان تقرأ القرآن ولا كيف تدعو الخلق الى الايمان - (البحر المحیط جلد ۹ ص ۳۵۱)

”آیت کریمہ میں جس ایمان کی درایت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد وہ ایمان ہے جو سمعی دلائل سے معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ ہمارے کئی ایسے ایمانی نظریات اور عقائد ہیں جو صرف اور صرف وحی سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو واحد لا شریک لہ ماننا اور اس کو نقائص اور عیوب سے مبرا و منزہ ماننا اور اس کی صفات عالیہ کی معرفت تو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کا علم رکھتے ہیں اور ان امور میں سے کسی بھی امر میں لغزش اور غلطی کھانے سے معصوم ہیں۔ وحی کے نزول سے قبل ہی وہ ان امور کا حتمی علم رکھتے ہیں (تا) اور جس شخص نے بھی انبیاء علیہم السلام کے آغاز ولادت سے بعثت تک کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے تو اسے اس امر کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ہر نقص اور عیب سے منزہ و مبرا ہوتے ہیں اور آغاز ولادت سے ہی اللہ

تعالیٰ کی وحدانیت کے عقیدہ پر فائز ہوتے ہیں۔ ابوالعالیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آپ نزول وحی سے قبل قرآن مجید کی قراءت اور تلاوت نہیں جانتے تھے اور نہ یہ کہ لوگوں کو ایمان کی طرف دعوت کس طرح دینی ہے“

(۳) امام ابو بکر الحنفی الحداد اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

كان محمد صلی اللہ علیہ وسلم يعبد الله قبل الوحي على دين ابراهيم عليه السلام

الحداد۔ (جلد ۷ ص ۱۸۲)

”محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے نزول سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین و ملت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے“

(۴) علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں:

ويتبع شريعة ابراهيم عليه السلام و يتعبد بها حتى جاءه الوحي وجاءته

الرسالة (روح البیان جلد ۸ ص ۴۳۷)

”محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی اتباع کرتے تھے اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے تا آنکہ آپ پر وحی نازل ہوئی اور نبوت و رسالت حاصل ہوئی (تو اس وقت اپنی شریعت پر عمل فرمانے لگے)

(و كذا في التفسير الكبير للامام فخر الدين الرازي)

فائدہ عظیمہ:

ان حضرات کے اقوال سے واضح ہو گیا کہ آپ نزول وحی اور نزول کتاب سے قبل بالفعل نبی نہیں تھے ورنہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی اتباع و اقتداء کیوں فرماتے کیوں کہ آپ مستقل صاحب شرع نبی ہیں نہ یہ کہ یوشع علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح تابع نبی تھے اور بعد ازاں مستقل نبی بنائے گئے۔ نیز جو لوگ آپ کو نزول وحی سے قبل اللہ

تعالیٰ کی توحید اور صفات کی معرفت اور تصدیق سے بیگانہ اور بے خبر اور نعوذ باللہ ضال اور گمراہ سمجھتے ہیں ان کے اس قول کا بھی سراسر لغو، بیہودہ اور بذات خود ضلالت و گمراہی ہونا واضح ہو گیا۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیت اپنے ظاہری مفہوم کے لحاظ سے اگرچہ ایمان کی درایت کی نفی اور تصدیقی علم کے حصول کی نفی کر رہی تھی لیکن ان اکابرین علماء اور مقتدایان انام نے اس کو ظاہری معنی پر حمل نہیں کیا اور تاویل و توجیہ سے کام لیا ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿مَا ضلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ﴾ ”تمہاری صحبت اور مشاہدہ میں رہنے والی ذات پاک محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہ ہوئے اور نہ کبھی بھٹکے“

لہذا آپ کے حق میں توحید باری تعالیٰ اور صفات الوہیت اور عالم کے حدوث وغیرہ سے بے خبری اور جہالت کا اور ضلالت و گمراہی کا نظریہ سراسر لغو اور بیہودہ اور بذات خود ضلالت و گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے برے عقائد سے پناہ دے۔ آمین ثم آمین

تیسری آیت مبارکہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿مَا كُنْتَ تَرْجُو أَنَّ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً

(القصص ۸۶)

مِّن رَّبِّكَ﴾

”اور تم امید نہ رکھتے تھے کہ کتاب تم پر بھیجی جائے گی ہاں تمہارے رب نے رحمت

(کنز الایمان)

فرمائی“

(۱) امام اہل سنت ابو منصور ماتریدی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

فہو ینخرج علی وجہین احدہما وما کنت ترجوا وان کنت مطیعا ای خاضعا

ان یلقى الیک الكتاب وینزل علیک وتصیر رسولا ای لم تکن تطعم ذلک لکن اللہ

(تاویلات اہل السنة ص ۲۰۶)

بفضله ورحمته جعلک رسولا نبیا۔

”اس آیت کریمہ کے دو مطلب ہیں اول یہ کہ اگرچہ آپ اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار تھے اور متواضع اور منکسر مزاج تھے لیکن آپ کو یہ امید نہیں تھی کہ آپ پر کتاب کا القاء اور نزول ہوگا اور تم رسول بن جاؤ گے یعنی تمہیں اس امر کا طمع اور امید نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے بغیر (طمع و لالچ کے) محض اپنے فضل اور رحمت سے آپ کو رسول اور نبی بنا دیا“

(۲) امام ابو بکر الحداد نے اس آیت کریمہ کے تحت فرمایا:

ما كنت يا محمد ترجو ان يوحى اليك القرآن وانك تكون نبيا تتلوا على اهل مكة قصص الاولين الا ان ربك رحيمك واراد بك الخير فاحي اليك الكتاب واكرمك بالنبوة منة منه اليك۔

(تفسیر الحداد جلد ۵ ص ۲۷۰)

”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر قرآن مجید کی وحی کی جائے اور نہ اس کی امید رکھتے تھے کہ تم نبی بنو گے اور اہل مکہ پر پہلے گزرے لوگوں کے احوال اور قصے بیان کرو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم و کرم کیا اور تمہارے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا پس تمہاری طرف کتاب کی وحی فرمائی اور تمہیں اپنی نعمت اور فضل کے ساتھ نبوت والی کرامت اور عزت سے نوازا دیا“

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنی تفسیر میں اس آیت کریمہ کے تحت ارشاد ملاحظہ فرماویں:

وما كنت يا محمد ترجو ان يلقي اليك الكتاب ان ينزل عليك جبرئيل بالقرآن وتكون نبيا الا رحمة من ربك ولكن منة وكرامة من ربك اذ ارسل عليك جبرئيل بالقرآن وجعلك نبيا۔

(تفسیر ابن عباس علی ہاشم در منشور ج ۲ ص ۱۶۲)

”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی یعنی جبرئیل علیہ السلام تم پر قرآن مجید کے ساتھ نازل ہوگا اور تم نبی بن جاؤ گے مگر رحمت ہے تمہارے رب تعالیٰ

سے۔ یعنی یہ تمہارے رب کا احسان ہے اور کرم کریمانہ ہے جبکہ اس نے جبرئیل علیہ السلام کو آپ پر قرآن مجید کے ساتھ نازل فرمایا اور تمہیں نبی بنا دیا“

(۳) امام ابن جریر اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

وما كنت ترجو ان ينزل عليك الكتاب وان تكون نبيا قبل ذلك۔
”آپ قبل ازیں یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی اور تم نبی

بن جاؤ گے“ (جلد ۱۰ ص ۸۱)

(۵) امام قرطبی اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

ای ما علمت اننا نرسلک الی الخلق و نزل علیک القرآن۔

(تفسیر القرطبی الجامع الاحکام القرآن)

”آپ کو معلوم نہ تھا کہ ہم آپ کو مخلوق کی طرف بھیجیں گے اور تم پر قرآن نازل کریں

گے“ (لیکن تم پر تمہارے رب نے رحمت فرمائی)

(۶) امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

ای ما كنت تظن قبل انزال الوحي ان ينزل عليك لكن رحمة من ربك

۔ ای انما انزل الوحي عليك من الله تعالى عن رحمة بك و بالعباد بسببك۔

(جلد ثالث ص ۳۱۷)

”تم وحی کے نزول سے قبل یہ گمان نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوگی لیکن اللہ

تعالیٰ کی طرف سے تم پر وحی نازل کی گئی بسبب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آپ پر اور بسبب آپ کے

بندوں پر رحمت نازل فرمانے کے“

(۷) علامہ سلیمان بن عمر عجیل المعروف جمل اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے

ہیں:

وما كنت قبل مجيئى الرسالة اليك ترجوا و تامل انزال القرآن عليك

فانزاله عليك ليس عن ميعاد ولا عن تطلب سابق۔ (جلد ۳ ص ۳۶۵)

”تم رسالت و نبوت کے پہنچنے سے قبل اپنے آپ قرآن مجید کے نازل کئے جانے کی

امید و رجاء نہیں رکھتے تھے لہذا اس کا آپ پر نازل کیا جانا نہ کسی وعدہ کے بعد ہے اور نہ کسی سابقہ
طلب اور خواہش پر“

(۸) علامہ صاوی علیہ الرحمۃ اس آیت کی تفسیر میں اپنے حاشیہ جلالین میں

فرماتے ہیں:

ای ما كنت ترجوا ای قبل مجيئى الرسالة اليك ان يلقى اليك الكتاب ای

فانزاله عليك ليس عن ميعاد و لا تطلب منك و من ههنا قال العلماء ان النبوة ليست
مكتسبة لاحد قال فى الجوهرۃ:

ولم تكن نبوة مكتسبة ولو رقى فى الخيرا على عقبه

(جلد ۳ ص ۱۹۰)

”آپ رسالت کے نزول سے پہلے یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ تم پر کتاب القاء کی جائے

گی یعنی اس کتاب کا آپ پر نزول نہ کسی وعدہ اور عہد کے بعد پایا گیا اور نہ جد جہد اور طلب و

خواہش کے بعد۔ اور اسی وجہ سے علمائے کرام نے فرمایا کہ نبوت کسی امر نہیں جو کسی کے کسب اور

عمل سے حاصل ہو جائے۔ جوہرہ میں فرمایا کہ کبھی بھی نبوت کسی امر نہیں رہا اگرچہ کوئی شخص خیر

اور بھلائی کے اعلیٰ مراتب پر بھی فائز ہو جائے اور ترقی کی آخری حدود کو کیوں نہ چھونے لگے“

(۹) علامہ ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمن بن علی بن محمد

الجوزی القریشی البغدادی فرماتے ہیں:

ما كنت ترجوا ان يلقى اليك الكتاب ای ان تكون نبيا و ان يوحى اليك

القرآن الراحمة من ربك۔ قال الفراء هذا استثناء منقطع والمعنى الان ربك رحمتك
فانزله عليك۔ (جلد ۶ ص ۲۵۱)

”اور تم امید نہیں رکھتے تھے کہ تمہاری طرف کتاب القاء کی جائے گی یعنی تم نبی بن
جاؤ گے اور تمہاری طرف وحی قرآن نازل کی جائے گی (الراحمة من ربك) فراء فرماتے
ہیں کہ یہ استثناء منقطع ہے اور معنی یہ ہے کہ مگر آپ کے رب نے آپ پر رحم فرمایا پس قرآن مجید کو
آپ پر از روئے رحمت نازل فرما دیا“

(۱۰) امام قشیری علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ما كنت توصل محل النبوة و شرف الرسالة و تاھیل مخاطبتنا اليك
(تفسیر القشیری جلد دوم ص ۴۴۹)

”تم نبوت کا محل بننے اور شرف رسالت کے ساتھ مشرف ہونے اور ہمارے خطاب
کے لائق ہونے کی امید اور آرزو نہیں رکھتے تھے“

فائدہ:

محبوب کریم ﷺ سے نزول کتاب کی امید اور آرزو کی نفی کی جا رہی ہے تو ظاہر ہے کہ آباؤ
اجداد کے اصلاب اور امہات و جدات کے ارحام میں انتقالات اور گردش کے وقت کے لحاظ سے
تو نفی نہیں کی جا رہی ہے بلکہ ولادت پاک کے بعد اور نزول وحی اور کتاب سے قبل والے دورانیہ
میں ہی یہ نفی کی جا رہی ہے اور اس دورانیہ کو آپ نے ﴿فقد لبثت فيكم عمرا من قبله﴾ سے
تعبیر کیا ہے کہ میں ایک عمر تمہارے اندر قیام پذیر رہا ہوں اور میں نے تم پر نہ کتاب تلاوت کی
اور نہ تمہیں نبوت و رسالت کی اطلاع دی اور اسی دورانیہ میں آپ سے کتاب اور تفصیلات ایمان
کی درایت کی نفی کی گئی ہے۔

لہذا ان آیات کریمہ کی رو سے اور ان کی تفسیرات کی رو سے یہ تسلیم کرنا لازم اور

ضروری ہے کہ عمر عزیز کا معتد بہ حصہ آپ کا ایسا گزرا جس میں آپ نہ عملی طور پر نبی تھے اور نہ بالفعل رسول تھے اور نہ ہی آپ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔

لطیفہ عجیبہ:

یہ امر کتنا عجیب و غریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر کے معتد بہ حصہ میں نزول کتاب اور نبوت و رسالت کے حصول کی امید و رجاء اور حرص و طمع کی بھی نفی فرما رہا ہے اور ادھر وقت ولادت سے ہی آپ کو بالفعل اور عملی طور پر منصب نبوت پر فائز سمجھا جا رہا ہے اور دوسروں کو بھی یہ عقیدہ اور نظریہ اپنانے کا پابند ٹھہرایا جا رہا ہے۔ یا للعجب

بلکہ ان بزعم خویش ”ائمہ زمان“ اور ”مقتدایان انام“ کے اپنے مفروضہ نظریہ کی اقتداء اور تقلید نہ کرنے کی صورت میں گمراہی، بے دینی اور کفر و نفاق کے فتوؤں کا ہدف بھی بنایا جا رہا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

چوتھی آیہ مبارکہ:

اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمانِ ذیشان ہے: ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ اَشُدَّهُ وَبَلَغَ اَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ﴾ (الاحقاف: ۱۵)

ترجمہ:

”یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا اور چالیس سال کا ہوا تو عرض کی اے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے“

(کنز الایمان)

(۱) امام قرطبی علیہ الرحمہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فلما نبی رسول اللہ ﷺ و هو ابن اربعین سنة صدق ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ و هو ابن ثمانیة وثلاثین سنة (تفسیر القرطبی جلد ۱۶ ص ۱۹۲ روح المعانی

جلد ۲۶ شیخ زادہ جلد ۸ تفسیر مراغی جلد ۸، تفسیر حسینی، تفسیر جلالین، تفسیر زاد المسیر، بیضاوی

”جب نبی مکرم ﷺ کو نبی بنایا گیا جبکہ آپ چالیس سال کے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی تصدیق کی جبکہ وہ اڑتیس سال کے تھے“

(۲) قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ اور ابو حیان اندلسی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے

ہیں: ولم یبعث نبی الا بعد الاربعمین۔ (البحر المحیط جلد ۹ ص ۴۴۰)

”کوئی نبی چالیس سال کی عمر سے قبل مبعوث نہیں ہوا“

(۳) علامہ شہاب الدین خفاجی بیضاوی شریف کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

فلما نبی و هو ابن اربعین سنة و آمن به و هو ابن ثمان و ثلاثین سنة و

صدقہ۔ (حاشیہ الشہاب جلد ۸ ص ۴۷۰)

”پس جب محمد کریم ﷺ کو نبی بنایا گیا جبکہ آپ چالیس سال کے تھے اور ابو بکر صدیق

آپ پر ایمان لائے اور آپ کی نبوت کی تصدیق کی جبکہ وہ اڑتیس سال کی عمر کے تھے“

(۴) حضرت علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں اس آیت کریمہ کے تحت

فرماتے ہیں:

چوں سال مبارك آنحضرت رسالت پناه بجهل رسید مبعوث گشت و

صدیق سی و هشت ساله بود که بوع ﷺ ایمان آورد۔ (روح البیان جلد ۸ ص ۶۰۳)

(۵) شیخ احمد صاوی مالکی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فلما بلغ رسول ﷺ اربعین سنة و اکرمه الله تعالى بالنبوة و اختصه برسالته

آمن به ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ و صدقہ۔ (جمل جلد ۴ ص ۶۵)

و کذا فی الخازن جلد ۴ ص ۱۲۵ معالم التنزیل جلد ۴)

”جب رسول گرامی ﷺ چالیس سال کی عمر کو پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی نبوت سے

نوازا اور رسالت کے ساتھ مشرف اور ممتاز ٹھہرایا تو ابو بکر صدیق آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق فرمائی“

(۶) حضرت علامہ ملا جیون صاحب مولف نور الانوار اپنی تفسیرات احمدیہ میں اس آیت کریمہ کے متعلق فرماتے ہیں:

فلما بعث محمد ﷺ بالرسالة و كان ابن اربعين سنة دعاه (ابابکر) فآمن

(ص ۶۵۸)

”پس جب محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے ساتھ مبعوث ہوئے جبکہ چالیس سال کے تھے تو آپ نے انہیں یعنی ابو بکر صدیق کو اپنی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی تو وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کے حلقہ غلامی میں داخل ہوئے“

(۷) شیخ ابو بکر الحداد الحنسی الیمینی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے

ہیں:

و كان لا يفارق ﷺ في اسفاره و حضوره فلما بلغ (ابوبکر) اربعين سنة

ونبى رسول اللہ ﷺ دعا ربه - (تفسیر الحداد جلد ۶ ص ۲۳۲)

”ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (اٹھارہ سال کی عمر سے) ہر سفر اور حضر میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور کبھی جدا نہیں ہوتے تھے تو جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی بنائے گئے (اور ابو بکر آپ پر ایمان لاکے تھے جبکہ وہ اڑتیس سال کے تھے) تو جب چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی“

فائدہ:

یہ آیت کریمہ اگرچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جوانی کی قوت تک رسائی اور چالیس سال کی عمر تک پہنچ کر یہ دعا کرنے پر دلالت کر رہی ہے جو کہ اپنے اوپر اور والدین پر

ہونے والے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور استطاعت طلب کرنے پر مشتمل ہے لیکن اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر ایسی دعا کیسے متصور ہو سکتی ہے اور ایمان لانے کا ذریعہ اور وسیلہ ان کا صرف اور صرف یہ تھا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحب اور رفیق تھے اور اٹھارہ سال کی عمر میں ہی آپ کو یہ شرف حاصل ہوا جبکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف بیس سال تھی اور اس مصاحبت کی برکت سے آپ پر نبوت اور وحی نازل ہوتے ہی مشرف بایمان ہو گئے اور پھر یہ دعا کی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام حق ترجمان میں بیان فرمایا۔

حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی خزائن العرفان میں فرماتے ہیں کہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں بغرض تجارت شام کا سفر کیا ایک منزل پر ٹھہرے وہاں پیری کا درخت تھا حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے قریب ہی ایک راہب رہتا تھا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس کے پاس چلے گئے راہب نے آپ سے کہا کہ یہ کون صاحب ہیں جو اس پیری کے سایہ میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبد اللہ ہیں اور حضرت عبدالمطلب کے پوتے ہیں۔ راہب نے کہا کہ خدا کی قسم یہ نبی ہیں اس پیری کے سایہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے آج تک ان کے سوا کوئی نہیں بیٹھا یہی نبی آخر الزمان ہیں۔ راہب کی یہ بات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اثر کر گئی اور آپ کی نبوت کا یقین ان کے دل میں جم گیا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت شریف کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور سفر و حضر میں آپ سے جدا نہ ہوتے تھے جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت اور رسالت کیساتھ ہر فراز فرمایا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ آپ پر ایمان لائے اور اس وقت حضرت صدیق اکبر کی عمر اڑتیس سال تھی جب حضرت صدیق اکبر کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔ (خزائن العرفان ص ۹۰۶)

تنبیہ:

اگر آپ وقتِ ولادت سے نبی تھے تو پھر چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز فرمائے جانے کا کیا مطلب ہوگا؟ اور حضرت صدیق کے اڑتیس سال کی عمر میں آپ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہوگا؟ پہلے نہیں تو راہب کے اس انکشاف کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں کیوں نہ ایمان لے آئے؟ اور نبی مکرم ﷺ نے اس انتہائی مخلص اور فدائی مصاحب اور رفیق پر خود کیوں یہ انکشاف نہ فرمایا کہ میں آغاز ولادت سے نبی ہوں اور ان کو بچپن میں ہی اپنے امتی بننے کا اعزاز اور شرف کیوں نہ بخشا؟۔ حالانکہ آپ بھی پیدائشی طور پر شرک دشمن تھے اور بت پرستی کے خلاف تھے اور بتوں کو عاجز اور بے بس سمجھتے تھے اور امی جان کے پیٹ میں تھے تو وہ غیب سے یہ بشارت سنا کرتی تھیں اور اپنے بطن والے کی شان ہاتھ غیبی کی زبانی سماعت فرماتی تھیں جیسا کہ انہوں نے اپنے خاوند ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو بتلایا کہ انہیں آواز آتی تھی:

يا امة الله على التحقيق ابشرى بالولد العتيق اسمہ فی السماء الصديق

لرسول الله صاحب ورفیق۔

”اے اللہ تعالیٰ کی حقیقی باندی! اپنے بیٹے عتیق اور مرد حر کی بشارت قبول کرو۔ اس کا نام آسمان میں صدیق (مرقوم و معروف) ہے اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت و رفاقت دائمہ کے شرف سے مشرف ہونے والے ہیں“

اور اس انکشاف کا پس منظر یہ تھا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے والد ابو قحافہ بچپن میں اپنے ہمراہ بت خانہ میں لے گئے اور ایک بت کے بارے میں کہا کہ یہ ہمارا خدا ہے اور ہماری ضروریات کی کفالت کرتا ہے اس کی پوجا پاٹ کرو۔ یہ کہہ کر وہ آگے دوسرے اصنام و اوٹان کی طرف چلے گئے تو آپ نے اس بت سے کہا (انی جانع فاطعمنی) میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا آپ نے کہا (انی عطشان فاسقنی) میں پیاسا ہوں

مجھے پانی پلا اس نے کوئی جواب نہ دیا انہوں نے کہا (انی عار فاکسنی) میں برہنہ بدن ہوں مجھے کپڑا پہنا اس نے کوئی جواب نہ دیا تو آپ نے کہا (انی ملق علیک حجرا فان کنت الہا فامنع نفسک عنی) میں پتھر مارنے لگا ہوں اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچالے تو اس نے کوئی جواب نہ دیا چنانچہ آپ نے پتھر مارا اور وہ آپ کے قدموں میں گر گیا۔ ابو قحافہ واپس آئے تو صورتحال دیکھ کر پوچھا یہ کیا تو آپ نے صورتحال بتائی تو انہوں نے آپ کی امی جان سے جا کر شکوہ کیا کہ یہ کیسا بچہ تو نے جنم دیا ہے جو ہمارے خداؤں کا دشمن ہے اور ان کی توہین کرتا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس بچے کو مت تغلیظ و تشدید کا نشانہ بنانا یہ میرے پیٹ میں تھا تو مجھے غیب سے یہ ندائیں آئیں تھیں اور بشارت دی جاتی تھی۔

الغرض جب آپ بھی فطرت سلیمہ کے مالک تھے اور مخلص مصاحب اور رفیق تو محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بطور راز مخفی ہی بتلا دیتے اور اسے مخفی رکھنے کی تلقین فرما دیتے لیکن آپ نے ان کو بھی نہیں بتلایا تو معلوم ہو گیا کہ آپ کو جسمانی لحاظ سے یہ اعزاز ملا ہی بعد میں تھا۔

پانچویں آیہ مبارکہ:

ارشاد خداوند تعالیٰ ہے:

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (الضحیٰ: ۷)

”اور پایا تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ تو اپنی طرف راہ دی“

(۱) علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں فرماتے ہیں:

فكان ابو طالب هو الذي تكفل رسول الله ﷺ الي ان بعثه الله تعالى

(روح البیان جلد ۱۰ ص ۷۳۳)

للنبوة

”یتیم ہونے کے بعد آپ کے جدا مجد اور ان کی وفات کے بعد جناب ابو طالب

ہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل اور سرپرست رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے منصب پر

فائز فرمایا“

(۲) حضرت علامہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

كانت هذه منازل رسول الله ﷺ قبل ان يبعثه الله تعالى-

(تفسیر ابن کثیر جلد ۶ ص ۸۷۲)

” (یتیم، عاقل اور خود رفتہ ہونا) یہ رسول گرامی ﷺ کی منازل اور کیفیات تھیں قبل اس

کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا“

(۳) امام ابو منصور ماتریدی جو کہ اہل سنت کے عقائد میں امام ہیں اس آیت کی

تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ووجدك ضالاً عن النبوة فهذاك للنبوة و هو قريب مما ذكرناه

(تاویلات اہل سنت جلد ۱۰ ص ۵۶۱)

” اور پایا تمہیں نبوت سے بے توجہ اور بے التفات تو نبوت کی طرف راہ دکھلائی بلکہ

نبوت تک واصل فرمایا اور یہ معنی پہلے معانی مذکورہ کے قریب ہے“

(۴) امام ابن جریر طبری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

عن قتادة الم يجدك يتيماً فأوى و وجدك ضالاً فهدى و وجدك

عائلاً فاعنى قال كانت هذه منازل رسول الله قبل ان يبعثه الله تعالى

(تفسیر جامع البیان جلد ۱۵ ص ۲۹۳)

یہی مضمون اور مفہوم علامہ ابن کثیر کے حوالے سے اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۵) امام ابو عبد اللہ قرطبی فرماتے ہیں:

ای غافلاً عما يراد بك من امر النبوة فهذاك ای ارشدك-

(تفسیر قرطبی جلد ۲۰ ص ۹۲)

یعنی ضال سے مراد یہ ہے کہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا جو ارادہ نبوت عطا کرنے کا تھا اس سے آپ کو غافل پایا تو اس کی طرف ہدایت اور رہنمائی فرمائی۔

(۶) حضرت فخر المفسرین امام رازی فرماتے ہیں:

ثامنها كنت ضالاً عن النبوة ما كنت تطمع في ذلك ولا خطر شئ من ذلك في قلبك فان اليهود والنصارى كانوا يزعمون ان النبوة في بني اسرائيل فهديتك الى النبوة التي ما كنت تطمع فيها البته

(التفسير الكبير جلد ۳۱ ص ۲۱۷)

”اس آیت کریمہ کی آٹھویں تاویل اور توجیہ یہ ہے کہ تم نبوت سے ضلال میں تھے یعنی اس کا طمع نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی تمہارے دل میں اس کا اندیشہ اور خیال پیدا ہوا کیونکہ یہود و نصاریٰ یہی زعم اور نظریہ اپنائے ہوئے تھے کہ نبوت ہمیشہ کے لیے بنی اسرائیل میں ہی ہے پس میں نے تمہیں اس نبوت کی طرف ہدایت اور وصل کی توفیق دی جس کا قطعاً تمہیں حرص اور لالچ نہیں تھا“

العشرون روى عن علي عليه السلام عن النبي ﷺ انه قال ما همت بشي مما كان اهل الجاهلية يعملون به غير مرتين كل ذلك يحول الله تعالى بيني وبين ما اريد من ذلك ثم ما همت بعد هما بسوء حتى اكرمني الله برسالته۔

(تفسیر کبیر جلد ۳۱ ص ۲۱۸)

”اس آیت کریمہ کی بیسویں توجیہ یہ ہے کہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی ان کاموں میں سے کسی کام کا ارادہ نہیں کیا تھا جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے سوائے دو دفعہ کے اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ میرے اور ان افعال کے درمیان حائل ہو گیا جن کا میں ارادہ رکھتا تھا اس کے بعد میں نے کبھی کسی غیر موزوں اور نامناسب امر کا ارادہ نہ کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت کے ساتھ مکرم و مشرف ٹھہرایا“

(۷) فخر المتأخرین حضرت شاہ عبدالعزیز اسی آیت کریمہ کی تفسیر اور جن دو

نامناسب امور کا آپ نے ارادہ فرمایا ان کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یعنی یافت ترا راہ گم کردہ پس راہ نمود ترا و بیان این ہدایت و ضلال

آنست کہ آنحضرت ﷺ را بعد از رسیدن بحد بلوغ بسبب کمال عقل این قدر

معلوم شد کہ عبادت بتاں و رسوم جاہلیت ہمہ ہیج و پوج است درپے تفتیش

دین حق شدند و از زبان پیران کهن سال شنیدند کہ اصل دین ما دین حضرت

ابراہیم علیہ السلام است، آنحضرت ﷺ را این خیال در سر افتاد کہ عبادت بتاں

را گذاشتہ و رسوم جاہلیت را ترک دادہ متوجہ برب ابراہیم شوم و اورا عبادت

کنم۔

لیکن چون ملت ابراہیمی کسے را یاد نماندہ بود نہ در کتابے مدون بود

و نہ آنحضرت ﷺ را قدرت خواندن کتاب حاصل ناچار در تلاش احکام آن

ملت بے تاب و بیقرار بودند و بقدر معلوم از تسبیحات و تہلیلات و تکبیرات و

اعتکاف و غسل از جنابت و ادائے مناسک حج و خلوت و دیگر امور از ہمیں

جنس اشتغال می و رزید تا آنکہ حق تعالیٰ ایشان را بوحی خود بر اصول ملت

حنیفی آگاہ ساخت و فروع آن ملت را بخوب ترین طریق برائے ایشان معین

فرمودند۔ ازین وقت تعطش و بیتابی کہ بسبب نا یافت آن میداشتند زائل گشت

گویا چیز گم کردہ خود را یافتند و میخواستند کہ براہے بروند و آنراہ معلوم

ایشان نمیشد آن راہ را در نظر ایشان ظاہر کردند پس ازاں تعطش و بیتابی و الم

نا یافت تعبیر بہ گم کردن راہے فرمودند۔ ارباب تفسیر کہ این معنی را کما ینبغی

ندانستہ اند در تفسیر این گمراہی دور دور رفتہ اند۔

(تفسیر عزیزی پارہ عم ص ۲۲۰)

در اینجا اینقدر بالیقین باید دانست که انبیاء علیہم السلام قبل از بعثت نیز از ضلال و کفر اصلی و طبعی معصوم و محفوظ اند بلکه از معاصی نیز به عمد چنانچه در حدیث شریف است کہ من هیچگاه قصد نکردم کہ کارے از آن کارها کہ اہل جاہلیت مینمودند بعمل آرم مگر دوبار و در ہر دوبار لطف الہی آن کار کردن نداد و عصمت او تعالیٰ در میان من و در میان آن کار حائل شد آن دو کار ایس است کہ روزے من نوجوان را از قریش کہ ہمراہ من بزآن و گوسفندان را بیرون مکہ مے چرانید گفتم امشب از گوسفندان و بزآن من خبردار باش تا در شہر مکہ بروم و در آنجا چند نوجوان نشسہ افسانہ مینگویند من ہم آن افسانہ را بشنوم چون بایس قصد در مکہ داخل شدم در اول خانہ کہ در راہ من افتاد آواز مزامیر و طبل و دیگر ملاحی شنیدم۔ گفتم کیست گفتند فلاں کس را با فلا زن امروز شادی میشود من ہم در آن خانہ در آمدم و خواستم کہ آن تماشا بینم۔ ہمیں کہ نشستم خواب را بر من بآن حد مسلط کردند کہ تا طلوع آفتاب بیدار نشدم۔ بعد از آنکہ بیدار شدم مجلس برخاستہ بود۔ ہمیں قسم بار دیگر نیز قصد کردم و خواب در میان من و در میان شنیدن آن افسانہ و سماع مزامیر حائل گشت و بعصمت او تعالیٰ محفوظ ماندم و از آن بعد ہر گز خیالے بد پیرامون خاطر من نگشت تا آنکہ مزاحق تعالیٰ برسالت خود نواخت و آن عصمت را دو بالا ساخت۔ ولیکن بدانستن شرائع و تعطش بد ریافت آنها انبیاء را قبل از بعثت نیز میباشند در تلاش راہ حق میشوند و اینقدر برائے استعمال لفظ ضلال کافی است چنانکہ گذشت۔

(ص ۱۲۱، ۱۲۲)

ترجمہ :

”تمہیں راہ گم کرنے والا پایا پس تمہیں راہ دکھلائی۔ اس ہدایت اور ضلالت کا بیان یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حد بلوغت تک پہنچنے پر اپنے عقل کے کامل ہونے کی وجہ سے یہ تو قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ بت پرستی اور جاہلیت کی رسمیں لغو اور بیہودہ ہیں تو آپ دین حق کی تلاش اور جستجو کے درپے ہو گئے اور عمر رسیدہ لوگوں سے آپ نے سنا تھا کہ ہمارا دین دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام والا دین ہے آپ کے ذہن مبارک میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا کہ بتوں کی عبادت اور رسوم جاہلیت سے گریز کرتے ہوئے رب ابراہیم کی طرف توجہ کروں اور اس کی عبادت کروں۔ لیکن ملت ابراہیمی کسی کو یاد نہیں تھی اور کسی کتاب میں مدون صورت میں موجود نہیں تھی اور نہ آپ کو کتاب پڑھنے کی قوت واستعداد تھی تو ناچار آپ ملت ابراہیم علیہ السلام کے احکام کی تلاش و جستجو میں بیتاب اور بیقرار تھے۔ اور جو کچھ اس میں سے معلوم ہو سکا تھا یعنی تسبیحات و تہلیلات اور تکبیرات، اعتکاف اور غسل جنابت، مناسک حج کی ادائیگی اور خلوت گزینی وغیرہ قسم کے اعمال و افعال میں آپ مشغول اور مصروف رہنے لگے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ملت حنیفی کے اصول و قواعد سے آگاہ فرمایا اور اس ملت کے فروع و احوال کو واضح طریقہ پر آپ کے لیے متعین فرمایا۔ اس وقت وہ پیاس اور بیتابی آپ کی زائل ہو گئی جو ان اصول و فروع کے معلوم ہونے سے قبل درپیش تھی۔ گویا آپ کو اپنی گمشدہ متاع عزیز دوبارہ دستیاب ہو گئی۔

اور آپ کی دلی آرزو تھی کہ راہ (ابراہیمی) پر چلوں اور وہ راہ آپ کو معلوم نہیں ہو رہی تھی تو اس راہ راست اور صراط مستقیم کو آپ پر آشکارا کر دیا گیا الغرض اس پیاس اور جستجو و تلاش اور بے چینی و بیتابی جو راہ راست کے دریافت ہونے سے قبل درپیش تھی اسکو ضلالت اور راہ راست دریافت نہ کر سکنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارباب تفسیر اس معنی و مطلب کا کما حقہ ادراک نہ کر سکنے کی وجہ سے اس ضلالت کی تفسیر میں دور دور تک چلے گئے۔

اس جگہ اس قدر یقینی طور پر معلوم ہونا لازم اور ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام بعثت سے قبل بھی ضلالت و گمراہی اور کفر طبعی و اصلی سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں بلکہ معاصی کے قصد و ارادہ سے بھی معصوم ہوتے ہیں جیسے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ میں نے اہل جاہلیت والے کاموں میں کسی کام کا کبھی قصد و ارادہ نہیں کیا تھا مگر دو بار۔ اور ہر دو بار اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم نے وہ کام نہ کرنے دیا اور اللہ تعالیٰ کی عصمت و حفاظت میرے اور اس کام کے درمیان حائل ہو گئی۔

اور وہ دو کام یہ تھے کہ ایک دن میں نے اپنے ساتھ بھیڑ بکریاں چرانے والے نوجوان ساتھی سے کہا کہ آج رات بھیڑ بکریوں کی حفاظت کرنا تا کہ میں مکہ شہر جا کر افسانہ گوئی کی مجلس میں شرکت کر سکوں اور اسے سن سکوں چنانچہ جوں ہی میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو پہلا گھر جو راہ میں پڑتا تھا، اس سے مزامیر، طبلوں اور دیگر آلات لہو و غنا کی آواز سنائی دینے لگی میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے تو لوگوں نے بتلایا کہ فلاں مرد کی فلاں عورت کے ساتھ شادی ہو رہی ہے میں بھی اس گھر میں داخل ہو گیا اور وہ تماشا دیکھنا چاہا لیکن بیٹھتے ہی مجھ پر نیند کو اس قدر غالب اور مسلط کر دیا گیا کہ طلوع آفتاب تک آنکھ ہی نہ کھل سکی اور جب آنکھ کھلی تو محفل برخاست ہو چکی تھی۔ اس طرح دوسری دفعہ بھی قصد اور ارادہ کیا لیکن نیند میرے اور افسانہ اور مزامیر سننے کے درمیان حائل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی عصمت اور حفاظت کی بدولت جاہلیت والے اس کام سے محفوظ و مامون رہا اور اس کے بعد ہرگز اس قسم کا خیال بھی میرے قریب نہیں پھٹکا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے منصب پر فائز فرما دیا اور اس عصمت کو دوبالا فرما دیا۔ لیکن احکام شریعت جاننے اور انہیں دریافت کرنے کی طلب اور پیاس بعثت سے قبل انبیاء علیہم السلام کو بھی ہوتی ہے اور وہ راہ حق کی تلاش اور جستجو میں رہتے ہیں اور لفظ ضلال استعمال کرنے کے لیے یہ تلاش اور پیاس کافی ہے جیسے کہ بیان ہو چکا۔“

صاحب دلائل نبوت نے اس روایت کو مفصل طور پر نقل کرتے ہوئے آخر میں نقل

فرمایا:

فوالله ما همت ولا عدت بعد ما لثني من ذلك حتى اكرمني الله عز وجل

(دلائل النبوة جلد دوم ص ۳۴)

ببوتہ۔

بخدا میں نے نہ اس کے بعد ارادہ کیا اور نہ ایسے کسی امر کی طرف رجوع کیا حتیٰ کہ اللہ

تعالیٰ نے مجھے اپنی نبوت کا شرف عطا کیا۔

نوٹ:

اس حدیث کو امام سیوطی علیہ الرحمہ نے خصائص کبریٰ میں، امام حاکم علیہ الرحمہ نے

مستدرک میں، اور حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے البدایہ والنہایہ میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ نیز شفا

شریف (جلد اول ص ۸۰) پر بھی یہ روایت موجود ہے۔

الغرض ان تمام تفسیری اقوال میں نبوت سے غفلت اور اس کا طمع و لالچ اور امید و آرزو

کانہ ہونا، پیران کہن سال سے ملت ابراہیمی کی اتباع کا لزوم و وجوب معلوم کرنا پھر جس قدر اس

کے اعمال و افعال معلوم ہو سکے ان پر عمل کا التزام، مزید براں کے لیے تلاش و تجسس اور بے

قراری اور بے تابی اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت کے ساتھ سرفرازی اور وحی و

الہامات کے ذریعے رہ نمائی وغیرہ اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ آپ آغازِ ولادت سے منصب

نبوت پر فائز نہیں تھے بلکہ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ مرتبہ و مقام عطا فرمایا۔ کم از کم ان اکابر

اسلاف کا نظریہ یہی ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اکابر نے اس ارشاد باری تعالیٰ سے یہی سمجھا

اور یہی سمجھایا، ہم بھی الحمد للہ ان اکابر کے مقتدی اور تبع ہیں اور ان کے دامن سے وابستہ اور

متمسک ہیں۔ اور ان کی راہ پر گام زن ہیں جو کہ صراطِ مستقیم اور صراطِ الذین انعمت علیہم

ہے والحمد لله على ذلك و صلى الله على حبيبه وآله وصحبه اجمعين۔

باب سوم

چالیس سال بعد حصول نبوت پر احادیث طیبہ سے دلائل

نہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی شہادت:

فائدہ:

قرآن مجید کی ان آیات سے واضح ہو گیا اور ان تفسیری اقوال اور تائید میں پیش کی جانے والی طویل حدیث سے بھی واضح ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقت ولادت سے بالفعل نبی نہیں تھے بلکہ عملی طور پر آپ کو نبوت عرصہ بعد عطا کی گئی اور اس معاملہ میں ان اکابر کا عقیدہ و نظریہ بھی واضح طور پر معلوم ہو گیا جن کا اہل سنت ہونا بلکہ اہل سنت کا مقتدا اور پیشوا ہونا مسلم حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرصہ دراز گزارنے کے بعد نبوت و رسالت والے اعزاز کے ساتھ معزز و مکرم ٹھہرائے گئے۔

نیز نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی بنائے جانے والے اعزاز کو بطور غایت مرتبہ ذکر کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ نبوت اس وقت متحقق نہیں تھی جس دوران آپ نے افسانوی محفل میں شامل ہونے کا قصد اور ارادہ فرمایا تھا اور نہ ہی اس کے عرصہ بعد تک نبوت آپ کو حاصل تھی اور چونکہ ایسے امور سے عصمت اور تحفظ کا تعلق نبوت سے ہوتا ہے نہ کہ اعلان نبوت سے یعنی جس نے منصب نبوت پہ فائز ہونا ہوا اللہ تعالیٰ اس کو حصول نبوت سے قبل بھی اور بعد بھی ناموزوں اور ناپسندیدہ امور کے ارتکاب سے محفوظ رکھتا ہے اور اسی پر علمائے امت کا اجماع اور اتفاق ہے تو واضح ہو گیا کہ آپ اس عرصہ میں ایسے امور کے ارتکاب سے محفوظ رہے اور محفوظ رہنے پر نفس نبوت کے حصول کو مترتب فرما رہے ہیں نہ کہ اعلان نبوت اور اظہار نبوت کو۔

اہل بیت کی شہادت:

نیز یہ روایت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تو ان کا عقیدہ اور نظریہ بھی واضح ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ بچپن سے منصب نبوت پر فائز نہیں تھے بلکہ بہت عرصہ بعد اس منصب پر آپ کو فائز کیا گیا اور آپ کے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا اصرار و نجاشی کے سامنے بیان فرماتا کہ آپ نبوت سے قبل ہم میں چالیس سال قیام پذیر رہے نظر نواز ہو چکا اور یہی مضمون حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے و منقول ہے چنانچہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی متفق علیہ روایت ہے:

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال بعث رسول اللہ ﷺ لاربعمین

سنة فمكث بمكة ثلاث عشرة سنة يوحى اليه ثم امر بالهجرة فهاجر عشر سنين و مات وهو ابن ثلاث و ستين سنة

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے پس مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام پذیر رہے جبکہ آپ پر وحی نازل ہوتی رہی پھر آپ کو ہجرت فرمانے کا حکم دیا گیا اور آپ نے دار ہجرت مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا“

(۲) عده قال اقام رسول اللہ ﷺ بمكة خمس عشر سنة يسمع

الصوت يا محمد ويرى الضوء سبع سنين ولا يرى شيئا وثمان سنين يوحى اليه و اقام بالمدينة عشرا و توفي وهو ابن خمس و ستين سنة متفق عليه

(مشکوٰۃ باب المبعث و بدء الوحی)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں پندرہ سال قیام پذیر رہے اس حال میں کہ آواز سنتے تھے کہ کہنے والا یا محمد کہہ کر پکار رہا ہے اور

روشنی دیکھتے تھے سات سال تک اور آواز دینے والا اور روشنی دینے والا کوئی جوہر آپ کو نظر نہیں آتا تھا اور آٹھ سال اس حالت میں قیام پذیر رہے کہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور (بعد از ہجرت) مدینہ منورہ میں دس سال اقامت گزریں رہے اور پینسٹھ سال کی عمر شریف میں آپ کا وصال شریف ہو گیا۔“

تنبیہ:

شیخ محقق فرماتے ہیں یہ روایت صحیح مسلم شریف میں ہے بخاری شریف میں نہیں ہے لہذا متفق علیہ کہنا مناسب نہیں ہوگا۔

قال محمد بن اسماعیل البخاری ثلاث و ستین اکثر۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی عمر شریف کے متعلق (پینسٹھ، ساٹھ اور تریسٹھ کی روایات ہیں مگر) تریسٹھ سال والی روایت اکثر ہے اور وہی معتمد علیہ ہے (۳) پہلی روایت میں مکہ مکرمہ میں تیرہ سال نزول وحی کا عرصہ بتایا گیا ہے اور اس میں آٹھ سال کا جبکہ سات سال تک یا محمد ﷺ کی ندائیں سنائی دیتی رہیں اور نور و ضیاء کا مشاہدہ ہوتا رہا لیکن سیرت اور احادیث کی دوسری کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ندائیں سننے اور فقط روشنی دیکھنے والی کیفیت نبوت کے دورانیے سے پہلے تھی نہ کہ ظہور نبوت کے دوران چنانچہ شیخ محقق فرماتے ہیں:

ایس حدیث دلالت دارد بر آنکہ شنیدن آواز و دیدن روشنائی بعد از نبوت بود در مدت اقامت بمکہ کہ پانزدہ سال بود از کتب سیر و احادیث دیگر معلوم میشود کہ این حال پیش از ظہور نبوت بود۔

(اشعة اللغات جلد چہارم ص ۵۰۵)

لہذا مختار اور معتمد علیہ قول وہی ہوا جو پہلی متفق علیہ روایت سے اور دیگر کتب سیرت

سے اور احادیث سے معلوم ہو رہا ہے اور ثابت ہو رہا ہے اور اس طرح کی ندا میں آنے اور نورو ضیاء کی حکمت بیان کرتے ہوئے شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں:

حکمت ازاں تحصیل استیناس و ایتلاف بعالم ملکوت بود ظہور آن یکایک سبب انہدام بنائے بشریت و اضمحلال رسوم انسانیت نگردد و باوجود حصول استقرار و تمکین در وقت وحی در بعضے اوقات از ثقل و تعب از خود میرفت۔ (اشعة اللمعات ص ۵۰۵)

یعنی ان نداؤں اور روشنیوں کے سننے دیکھنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کو عالم ملکوت کے ساتھ انس اور الفت حاصل ہو جائے تاکہ وحی کا ایک دم ظہور اور نزول بشریت کی بنیاد اور رسوم انسانیت کے مضمحل ہونے کا سبب نہ بن جائے۔ (روشنیوں اور نداؤں کے دیکھنے، سننے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے) استقرار اور تمکین کے باوجود نزول وحی کے وقت بعض اوقات میں اس کے بارگراں اور تھکن کی وجہ سے آپ اپنے آپ سے بیگانہ ہو جاتے تھے (تو اچانک وحی کا نزول ہوتا تو آپ کی کیا حالت ہوتی؟)

فائدہ عظیمہ:

عمر شریف کے اڑتیس اور چالیس سال گزرنے پر بھی نزول وحی سے قبل عالم ملکوت کے ساتھ مانوس کرنے اور ربط و تعلق کی استعداد و صلاحیت اور اہلیت و قابلیت پیدا کرنے کے لیے اگر اس حکمت حکیمانہ اور تدبیر لطیف کی ضرورت تھی تو معلوم ہوا کہ پہلے آپ عملی طور پر اور بالفعل نبی نہیں تھے ورنہ عمر شریف کا دو تہائی حصہ تقریباً آپ نبی تو ہوں مگر عالم ملکوت کے ساتھ آپ کو انس و الفت نہ ہو اور نہ ہی ربط و تعلق حاصل ہو کیا کوئی عقلمند اس کا تصور کر سکتا ہے؟

(۴) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شہادت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم ﷺ کے اہل بیت میں عظیم تر محدثہ اور

حافظہ ہیں۔ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی ہیں اور درجہ محبوبیت پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ سے مشکل مسائل اور لائیکل عقدوں کے متعلق سوال کرنے اور جواب حاصل کرنے کی کامل جرات اور ہمت رکھتی تھیں تو اس معاملہ میں ان کی روایت اور رائے کو حرف آخر سمجھنا چاہیے۔
آپ کا ارشاد ملاحظہ فرمادیں:

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت اول ما بدأ به رسول اللہ ﷺ من الوحي الرؤيا الصادقة فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب اليه الخلاء وكان يخلو بغار حرا فيتحدث فيه وهو التعبد الليالي ذوات العدد قبل ان ينزع الي اهله ويتزود لذلك ثم يرجع الي خديجة فيتزود لمثلها حتى جاءه الحق وهو في غار حرا فجاءه الملك فقال اقرأ) الحديث۔

خلاصہ مفہوم یہ کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی اور جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے اس کی تعبیر صبح کے سفیدہ کی طرح واضح اور آشکارا طور پر آپ کے سامنے آجاتی اور پھر آپ کے دل میں خلوت اور گوشہ نشینی کی محبت ڈال دی گئی چنانچہ آپ نے اس کے لیے غار حراء کا انتخاب کیا اور چند دن کا توشہ ہمراہ لے جاتے اور پھر حضرت خدیجہ کے پاس آتے اور اس طرح توشہ ہمراہ لے جاتے حتیٰ کہ حق آپ کے پاس آپہنچا جبکہ آپ غار حراء میں تھے پس فرشتہ جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اقرأ الخ۔

فائدہ:

تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ روایات صادقہ صالحہ کا سلسلہ آپ کو چالیس سال کی عمر شریف کے قریب پیش آیا اور چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس دوران غار حراء میں خلوت اختیار فرمائی۔ اگر عمر شریف کے پہلے عرصہ میں بھی آپ منصب نبوت پر فائز تھے تو یہ سلسلہ بچپن سے شروع ہونا چاہیے تھا۔ اس قدر تاخیر اور التوا کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟ کیونکہ اقسام وحی میں یہ

سب سے نچلا اور باسانی اور قابل برداشت وحی کا قسم تھا۔ اور جب یہ قسم بھی پہلے نہیں پایا گیا تو وحی کے دوسرے اعلیٰ اور شدید مراتب و درجات کا ثبوت و تحقق کیسے متصور ہو سکتا ہے؟ اور بغیر وحی کے کسی ہستی کے منصب نبوت پر فائز ہونے کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ نبی کی ذات اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان افادہ اور استفادہ اور افاضہ و استفاضہ کے لیے واسطہ اور وسیلہ ہوتی ہے پہلے اللہ تعالیٰ ان کی تہذیب نفس اور تزکیہ و تصفیہ فرماتا ہے پھر مخلوق کی تہذیب اور تزکیہ کا فریضہ سونپتا ہے تو لامحالہ اس پر وحی کا نزول ہونا چاہیے۔

نبوت و رسالت میں فرق، شیخ محقق کے الفاظ میں:

شیخ محقق علیہ الرحمہ، حدیث رسول اللہ ﷺ کہ ”انبیاء علیہم السلام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور ان میں سے مرسل تین سو پندرہ ہیں“ کے تحت فرماتے ہیں۔

”نبی وہ جس پر وحی نازل ہوتا کہ اس کو لوگوں تک پہنچائے (لیکن کتاب اس پر نازل نہ ہو) اور رسول وہ جس پر کتاب بھی نازل ہو“

اور محدثین کا مذہب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

مذہب محدثان آنست کہ آنحضرت ﷺ در مدت شش ماہ بمرتبہ نبوت مخصوص بود و مکلف بود بتہذیب نفس شریف خود خاصۃً پس ازاں مامور گشت بدعوت و ابلاغ کہ نزد ایشان معنی رسالت است و نبی بمذہب ایشان لازم نیست کہ داعی و مبلغ باشد بلکہ اگر وحی کردہ شود بسوئے وے در خاصہ نفسی وے بس است کما تقرر فی موضعہ۔

(اشعة اللمعات جلد سوم ص ۶۳۶)

”محدثین کا نظریہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چھ ماہ تک مرتبہ نبوت تک محدود اور مخصوص تھے اور صرف اپنے نفس کی تہذیب و تربیت کے مکلف تھے بعد ازاں آپ دعوتِ خلق اور تبلیغ پر

مامور ہوئے جو کہ ان (محدثین) کے نزدیک منصب رسالت ہے اور ان کے مذہب میں نبی کے لیے داعی اور مبلغ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر اس کی طرف وحی کی جائے صرف اس کی اصلاح نفس کے لیے تو یہ بھی اس کے نبی ہونے کے لیے کافی ہے کما تقریر فی موضعه

لہذا کسی مذہب پر بھی پہلی وحی سے قبل آپ کو نبی تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی نہ محدثین کے مذہب پر اور نہ علمائے کلام کے مذہب پر۔

محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

الرؤيا الصالحة جزء من ستة واربعين جزء من النبوة

(متفق علیہ)

”سچے خواب نبوت کے چھیا لیس اجزاء میں سے ایک جزء ہیں

اس میں جو نسبت قائم کی گئی ہے اسکی وجہ بیان کرتے ہوئے شیخ محقق فرماتے ہیں:

اما وجه تخصیص بعدد ستة و اربعين آنست که زمان نبوت بست و سه سال است و ابتدائے وحی برؤیائے صالحه بود آن در مدت شش ماه بود و نسبت شش ماه با بیست و سه سال نسبت یکے بچهل و شش است این سخن مشهور است میان مردم۔

یعنی لوگوں میں معروف اور مشہور وجہ اس نسبت کی یہ ہے کہ آپ کی نبوت کا عرصہ تیس سال ہے اور سچے خوابوں کی مدت چھ ماہ ہے اور چھ ماہ کی تیس سال کے ساتھ ایک اور چھیا لیس والی نسبت ہی بنتی ہے“

اس پر علامہ تورپشتی کا اعتراض نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کہ حصر مدت وحی در بیست و سه سال مسلم است و وارد است در روایات معتدبہا باختلافی کہ دروست الخ

(اشعة اللمعات جلد سوم ص ۶۳۶)

وحی کی مدت کا حصر کرنا تیس سال میں تو مسلم ہے اور معتد بہ روایات میں وارد ہے باوجود اختلاف کہ جو روایات میں ہے (کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ میں نبوت کے بعد اقامت کی مدت تیرہ سال ہے جیسے کہ مشہور اور مختار ہے اور بعض روایات کے مطابق دس سال اور بعض کے مطابق پندرہ سال ہے)

لیکن سچے خوابوں کا عرصہ چھ ماہ ہونا ایسا امر ہے جو قائل نے اپنے اندازے اور تخمینے کے تحت بیان کیا ہے کوئی نص اور روایت اس کی تائید نہیں کرتی۔

الغرض مذہب مشہور اور مختار کے مطابق وحی کی کل مدت تیس سال ہے اور بیس اور پچیس کا قول بھی موجود ہے مگر وحی کی عمر تریسٹھ سال ہونے کا کہیں بھی نام و نشان نہیں ملتا اور جمہور کے مذہب کے مطابق بھی ابتدائے نبوت یہیں سے ہی مانی جاسکتی ہے نہ کہ اس سے قبل۔

لطیفہ عجیبہ و نکتہ غریبہ:

عصر حاضر کے ”محققین“ تو ولادت باسعادت ہی کے روز سے آپ کے نبی ہونے پر مصر ہیں جب کہ علمائے اعلام اور اکابرین ملت کا اس پر بھی اجماع اور اتفاق ثابت نہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد اور سورہ علق کی ابتدائی آیات کے نزول پر آپ بالفعل اور عملی طور پر نبی بن چکے تھے؟

ورنہ ورقہ بن نوفل کے صحابی ہونے میں اکابرین کا اختلاف نہ ہوتا کیونکہ انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے صورتحال سن کر عرض کیا تھا:

هذا الناموس الذي انزل الله على موسى الحديث

”یہ وہ فرشتہ مقدس ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا، اے کاش میں اس وقت مضبوط اور توانا جوان ہوتا جبکہ تمہاری قوم تمہیں مکہ مکرمہ سے نکال دے گی“

بعد ازاں نیاز مندی کا ظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

ان یدر کئی یومک انصرك نصر آموزرا

اگر میں نے وہ وقت پایا جب آپ قوم کو دعوت اسلام دیں گے اور وہ آپ کو ایذا میں دے کر مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کر دیں گے تو میں پوری قوت اور توانائی کے ساتھ آپ کی مدد کروں گا۔

(مشکوٰۃ: باب المبعث و بدء الوحی اور کتاب الرویا) کی روایت ہے

(فقال له خديجة انه كان صدقك و لكن مات قبل ان تظهر)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ورقہ نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی لیکن آپ کی نبوت کے شیوع اور غلبہ سے پہلے وفات پا گئے تو ان کے متعلق آپ کا کیا نظریہ ہے کہ وہ مومن اور جنتی ہیں یا کافر اور دوزخی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اريتہ فی المنام و علیہ ثياب بيض ولو كان من اهل النار لكان علیہ لباس

(غیر ذالک) (رواہ احمد و الترمذی)

”مجھے وہ خواب میں دکھلائے گئے جبکہ ان کا لباس سفید تھا اور اگر دوزخی ہوتے تو ان کا

لباس اس طرح نہ ہوتا بلکہ اس سے مختلف لباس ہوتا۔“

شیخ محقق فرماتے ہیں :

بدآنکہ در ایمان ورقہ باں حضرت ﷺ خلافے نیست و لیکن در

صحبت اختلاف است اگر این واقعہ بعد از ثبوت نبوت است صحابی است

واگر از مبادی احوال است چنانکہ ظاہر است صحابی نیست واللہ اعلم۔

(اشعة اللمعات جلد چہارم ص ۵۰۹)

”یقین رکھو کہ ورقہ بن نوفل کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں کوئی اختلاف نہیں

ہے لیکن ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، اگر یہ واقعہ نبوت کے ثبوت اور تحقق کے بعد کا ہے تو پھر وہ صحابی ہیں اور اگر آپ کی نبوت کے ابتدائی احوال سے ہے جیسے کہ ظاہر یہی ہے تو پھر وہ صحابی نہیں ہیں“

اقول:

شیخ محقق اور ان سے سابق اکابرین ملت جو حضرت ورقہ کے صحابی ہونے میں اختلاف رکھتے ہیں کیا ان کے نزدیک نبی مکرم ﷺ کو آغازِ ولادت سے نبی مانا جاسکتا ہے اور کیا وہ یہ عقیدہ رکھ سکتے تھے؟ ہے کوئی مائی کالال جو اس شک و تردد اور اضطراب و تذبذب کے شکار حضرات کو اہل سنت کے زمرہ سے خارج کرے؟

پھر جن اکابرین نے ان کے صحابی ہونے کا اس وجہ سے انکار کیا کہ حضور اکرم ﷺ اس وقت بالفعل اور عملی طور پر نبی نہیں تھے تو ان پر فتویٰ لگانے والا کوئی ہے اور کسی نے کیا ایسی جسارت کی ہے؟ بینوا فتوجروا۔

علاوہ ازیں شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے نزدیک اس صورت حال کا مبادیات نبوت سے قرار دیا جانا راجح اور مختار معلوم ہوتا ہے جیسے کہ ان کے یہ الفاظ:

اگر از مبادی احوال است چنانکہ ظاہر است۔

اس پر دلالت کر رہے ہیں تو اس صورت میں بالخصوص شیخ محقق کی اہل سنت میں کنتی کرنے کا کوئی جواز ان مجبوں کے نزدیک ہو سکتا ہے؟ کیونکہ وہ اس حالت میں بھی آپ کی نبوت کا عقیدہ اور اس کا پختہ یقین نہیں رکھتے چہ جائیکہ پہلے عرصہ میں کیا ہمارے مہربان ان کو بھی (حدیث رسول ﷺ کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد) کے منکر ٹھہرائیں گے یا اس سے جاہل اور بے خبر؟ نعوذ باللہ تعالیٰ

(۵) حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ کا معمول اور عادت جاریہ:

اخرج ابو نعیم عن علقمة بن قیس قال ان اول ما یوتی به الانبیاء فی

المنام حتی تهدء قلوبهم ثم ینزل الوحی بعدہ (خصائص جلد اول ص ۹۳)

”حضرت علقمہ تابعی سے محدث ابو نعیم نے نقل کیا کہ پہلے پہل انبیاء علیہم السلام کو

نیند کی حالت میں وحی کی جاتی ہے تاکہ ان کے قلوب مطمئن اور پرسکون ہو جائیں اس کے بعد

بیداری میں ان پر وحی نازل ہوتی ہے“

فائدہ:

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بالعموم انبیاء علیہم السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ کا معمول،

طریقہ جاریہ اور سنت دائمہ یہی ہے کہ سچے خوابوں کے ساتھ ان پر وحی کا آغاز فرماتا ہے تاکہ

ملک وحی اور نزول نبوت کے متحمل ہو سکیں۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت جبرئیل کو فضا میں کہ سی پر پوری عظمت و جلالت کے ساتھ بیٹھے دیکھا اور آپ اس سے مرعوب

ہو گئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے آپ کو تسلی دی اور پھر جناب

ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لائیں اور ساری صورت حال آپ کی ان کو بتائی تو انہوں نے فرمایا:

والله انه لصادق و ان هذا لبدا نبوته و انه لياتيه الناموس الاكبر فمر به ان

لا يجعل فی نفسه الا خیرا (خصائص جلد اول ص ۹۷)

”بخدا آنجناب سچے ہیں اور یہ ان کی نبوت کا آغاز ہے اور بیشک ان کے پاس ناموس

اکبر (جبرئیل امین) آتے ہیں لہذا ان سے کہیے کہ اپنے متعلق خیر اور بہتری کا یقین رکھیں“ (اور

ہرگز پریشان نہ ہوں)

(۷) عن برة بنت ابي تجران قالت ان رسول الله ﷺ حين اراد الله

کرامتہ و ابتداءہ بالنبوة (الیٰ) فلا یمر بحجر ولا شجر الا قال السلام علیک یا رسول
اللہ - (الوفالین الجوزی، ص ۶، خصائص براویۃ ابن سعد)

حضرت برہ بنت ابی تجرۃ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کو بزرگی اور سیادت عطا کرنے اور ان کی نبوت کی ابتداء اور آغاز کا ارادہ فرمایا تو آپ
قضائے حاجت کے لیے نکلتے تو بہت دور چلے جاتے حتیٰ کہ کوئی گھر اور مکان نظر نہ آتا اور گھاٹیوں
اور وادیوں میں جا پہنچتے تو جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتے تو وہ عرض کرتا السلام
علیک یا رسول اللہ

فائدہ:

اگر آپ وقت ولادت سے ہی نبی تھے تو اس عمر میں یہ اکرام و اعزاز اور ابتداء نبوت
کے لیے اللہ تعالیٰ کے ارادہ فرمانے کا مطلب کیا ہوگا؟

(۸) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بصرہ کے بازار
میں حاضر تھا کہ ناگاہ ایک راہب اپنی عبادت گاہ میں پکار رہا تھا کہ اس بازار میں تجارت کے لیے
موجود لوگوں سے دریافت کرو کہ ان میں سے کوئی شخص اہل حرم سے بھی آیا ہوا ہے میں نے
کہا میں اہل حرم سے ہوں تو اس نے دریافت کیا:

هل ظهر احمد بعد قلت ومن احمد قال ابن عبد الله بن عبد المطلب هذا
شهره الذي يخرج فيه وهو آخر الانبياء مخرجه من الحرم و مهاجرة الى نخل و حرة
و سباخ فإياك ان تسبق اليه (الیٰ) حتی قدمت مكة فقلت هل كان من حدث قالوا
نعم محمد بن عبد الله الامين قد تنبأ وقد تبعه ابن ابی قحافه)

(خصائص جلد ۱۵ ص ۹۹)

”کیا احمد مجھے صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ظہور ہوا؟ میں نے کہا وہ احمد کون ہیں؟ تو اس نے کہا وہ

عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے ہیں یہ ان کے ظہور کا مہینہ ہے اور وہ آخری نبی ہیں ان کا مقام ظہور حرم مکہ ہے اور دارِ ہجرت کھجوروں پتھروں اور کلروالی زمین ہے پس تم پر لازم ہے کہ ان کی طرف سبقت لے جاؤ۔ طلحہ فرماتے ہیں میرے دل میں راہب کے کلام نے بہت اثر کیا چنانچہ میں بہت جلد بصرہ سے واپس ہو کر مکہ مکرمہ پہنچا تو میں نے دریافت کیا کیا کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے تو لوگوں نے کہا ہاں محمد بن عبداللہ نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ابو بکر بن ابوقحافہ نے ان کی اتباع کی ہے تو میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو راہب کے قول سے آگاہ کیا جس کے بعد وہ نبی مکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ آپ سے عرض کیا تو آپ بہت مسرور ہوئے اور حضرت طلحہ بھی مشرف باسلام ہو گئے۔

فائدہ:

راہب کو آپ ﷺ کا نام نامی اور اسم گرامی بھی معلوم تھا اور آپ کے ظہور اور دعوائے نبوت کے مہینہ کا بھی علم تھا اور اگر آغاز ولادت سے ہی حضور اکرم ﷺ جسمانی طور پر اور عملی طور پر نبی تھے۔ تو پھر آپ کے ظہور کیلئے راہب کو اس مخصوص مہینہ کی انتظار کیوں تھی؟ اور چالیس سال سے لوگوں کو اس رشد و ہدایت کے سرچشمہ کی طرف کیوں نہ راہنمائی کی جیسے کہ اب حضرت طلحہ کی راہنمائی فرمائی؟

(۹) عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ سمعت زید بن

عمر بن نفیل یعیب اکل ما ذبح لغير اللہ فما ذقت شینا ذبح علی النصب حتی اکرمنی اللہ برسالتہ (خصائص بروایت ابو نعیم ص ۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے (موحد جاہلیت حضرت) زید بن عمرو بن نفیل کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کے کھانے پر تنقید اور اعتراض کرتے سنا تو میں نے (بتوں کی عبادت کے طور پر ذبح کئے جانے

وا۔ لے جانوروں کا) کبھی گوشت نہیں چکھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی نبوت و رسالت کا اعزاز بخشا (اور ان ذبیحوں کی حرمت اور قباحت براہ راست مجھ پر واضح فرمائی)

فائدہ:

اگر آپ خود نبی تھے تو آپ کو بذات خود الہام و وحی کے ذریعے یہ حکم معلوم ہونا ضروری تھا حضرت زید بن عمرو سے سن کر کیوں یہ حکم معلوم ہوا؟ بلکہ جب آپ نبی تھے تو ایسے احکام کی تبلیغ بھی کرنی چاہیے تھی تاکہ لوگ آپ سے استفادہ و استفاضہ کرتے اور مقصد نبوت کی تکمیل ہوتی۔
فتمامل حق التامل جبکہ اس روایت کی رو سے آپ حضرت زید سے استفادہ فرما رہے ہیں حالانکہ وہ نبی نہیں ہیں۔

(۱۰) عن ابن البراء قال بعث الله محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم و له يومئذ أربعون سنة و

(الوقایا بن الجوزی ص ۱۶۶)

يوم الخ

(۱۱) عن عامر قال نزلت عليه النبوة صلی اللہ علیہ وسلم وهو ابن أربعين سنة الخ

(ایضاً ص ۱۷۲)

(۱۲) عن ابي عبد الرحمن كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يدعو من اول ما نزلت

عليه النبوة ثلاث سنين مستخفياً الى ان امر ان يصدع بما جاءه من عند الله وان

(الوقایا بن الجوزی ص ۱۸۱)

يظهر الدعوة۔

تینوں روایات کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم آغاز نبوت میں خفیہ طور پر لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے حتیٰ کہ پھر آپ کو کھل کر وحی اور نبوت اور اسلام کی طرف علانیہ دعوت دینے کا حکم دیا گیا، اور خفیہ طور پر دعوت دینے کا عرصہ حصول نبوت کے بعد تین سال تک تھا اور حصول نبوت کا وقت عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے والا وقت تھا یا ایک دن اوپر جیسے کہ حضرت ابن البراء کی روایت سے ثابت ہے۔

باب چہارم

علماء اسلام اور اکابرین ملت کی تصریحات اور اجماع امت

(۱) امام نووی علیہ الرحمہ شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:

الصواب انہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث علی رأس الاربعةین سنة هذا هو المشهور الذی اطبق

علیہ العلماء وقال السہیلی رحمة الله تعالى انه الصحيح عند اهل السير والعلم بالاثار

(سبل الہدی والرشاد فی سیرة خیر العباد مولفہ شیخ محمد بن یوسف شامی الصالحی)

حق اور صواب یہ ہے کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال عمر شریف کے گزارنے پر مبعوث

ہوئے اور یہی مشہور ہے جس پر علماء کرام کا اتفاق ہے اور سہیلی فرماتے ہیں اہل سیرت اور آثار

کا علم کارکنے والے حضرات کے نزدیک یہی صحیح ہے

(۲) علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فلما تمت له اربعون سنة نبی فجاءه الوحي

(الوفاء باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم التحیة والثناء ص ۱۰۲)

(۳) علامہ ابن ہشام رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال محمد ابن اسحاق فلما بلغ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اربعین سنة بعثه الله تعالى رحمة

(السیرة النبویة لابن ہشام جلد اول ص ۴۹)

”جب آپ کی عمر شریف چالیس سال ہوئی تو آپ کو نبی بنایا گیا پس آپ کے پاس

اللعمین

وحی آئی“

(۴) علامہ علی بن برہان حلبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لما بلغ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اربعین سنة بعثه الله تعالى رحمة اللعمین

جب رسول گرامی ﷺ چالیس سال کے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام جہانوں کے

لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔ (السیرة الحلبيّة جلد اول ص ۳۶۲)

(۵) امام المحدثین علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

انزلت عليه ﷺ النبوة وهو ابن اربعين سنة

”جب آپ ﷺ چالیس سال کے تھے تو آپ پر نبوت نازل کی گئی“

(فتح الباری شرح البخاری جلد اول ص ۲۷ سیر اعلام النبلاء ص ۶۶)

(۶) علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بعث رسول ﷺ لاربعين سنة رواه عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ

(سیر اعلام النبلاء جلد اول ص ۶۶)

(۷) علامہ زین الدین عبدالرحیم العراقي اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:

حتى اذا ما بلغ الرسول الاربعين جائه جبرئيل

اقام في مكة بعد البعثة ثلاث عشرة بغير مرة

(الفہم السیرة النبویة ص ۳۴، ۳۵، شعر: ۷۸، ۹۲)

”یعنی جب رسول گرامی ﷺ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام آپ پر

نازل ہوئے بعد ازاں آپ مکہ مکرمہ میں بلا شک و شبہ تیرہ سال قیام پذیر رہے“

(۸) علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں:

على هذا فابتدا النبوة بالرؤيا وقع من شهر مولده وهو ربيع الاول بعد

اكتماله اربعين سنة وابتدا وحى اليه في شهر رمضان (جلداول ص ۲۶)

یعنی (سچے خوابوں کی مدت چھ ماہ ہونے کی صورت میں) آپ کی نبوت کی ابتدا عمر

شریف کے چالیس سال پورے ہونے کے بعد سچے خوابوں کے ذریعے ولادت پاک والے

مہینہ یعنی ربیع الاول سے ہوئی اور بیداری والی وحی کی ابتداء رمضان المبارک سے ہوئی۔

ان اول احوال النبیین فی الوحی الرؤیا كما رواه ابو نعیم فی الدلائل باسناد حسن عن علقمة بن قیس صاحب بن مسعود رضی اللہ عنہ ان اول ما یوتی بہ الانبیاء فی المنام حتی تھدا قلوبہم ثم ینزل الوحی بعد فی البقطة۔

(فتح الباری جلد اول ص ۷)

انبیاء علیہم السلام کی ابتداءئے وحی خوابوں کے ساتھ ہوتی ہے جیسے کہ حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ پہلے پہل انبیاء علیہم السلام کو حالت نیند میں وحی کی جاتی ہے تاکہ ان کے دل مطمئن اور پرسکون ہو جائیں بعد ازاں بیداری کی حالت میں وحی کا نزول ہوتا ہے۔

(۹) امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قال المفسرون لم یبعث نبی قط الا بعد اربعین سنتوا قول هذا مشکل بعیسی علیہ السلام فان اللہ جعلہ نبیا من اول عمرہ الا انہ یجب ان یقال الاغلب انہ ما جاء الوحی الا بعد الاربعین و هكذا كان الامر فی حق رسولنا ^{صلی اللہ علیہ وسلم}۔

(تفسیر کبیر جلد ۲۸ ص ۱۸، ۱۹)

تمام مفسرین اس امر کے قائل ہیں کہ کوئی نبی چالیس سال کی عمر سے پہلے مبعوث نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد مبعوث ہوا میں کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے یہ قول کرنا مشکل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اول عمر سے ہی نبی بنا دیا تھا مگر (جواب اس اشکال کا یہ ہے) کہ یہ ماننا اور تسلیم کرنا لازم ہے کہ اغلب اور اکثر صورت حال یہی ہے کہ ہر نبی کی ذات پر وحی چالیس سال کے بعد نازل ہوئی اور ہمارے رسول گرامی ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کے حق میں بھی معاملہ اسی طرح ہے (کہ آپ پر وحی چالیس سال کے بعد نازل ہوئی)

اقول:

امام رازی بجائے اس کے مفسرین پر (كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد) کے ساتھ بھی اعتراض کرتے الٹا انہوں نے آپ کے چالیس سال بعد نبی ہونے کی تصریح کر دی ہے۔ ”محققین عصر“ امام رازی علیہ الرحمہ کو کیا کہیں گے؟

(۱۰) امام محمد ابن عبداللہ المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(لا خلاف فی انه صلی اللہ علیہ وسلم بعث و هو ابن اربعین سنة و اختلف ابن کم مات

(عارضۃ الاحوذی بشرح الترمذی جلد ۱۳ ص ۹۴)

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مبعوث ہوئے جبکہ چالیس سال کے تھے اور وصال شریف کس عمر میں ہوا اس میں اختلاف کیا گیا ہے (ساٹھ، تریسٹھ اور پینسٹھ سال کے اقوال اور روایات موجود ہیں)

(۱۱) قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ قول باری تعالیٰ ﴿فقد لبثت فیکم عمرا

من قبلہ افلا تعقلون﴾ کے تحت فرماتے ہیں:

لبث النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہم قبل الوحی اربعین سنة ثم اوحی الیہ فاقام بمکة

بعد الوحی ثلاث عشرة سنة ثم ہاجر فاقام بالمدينة عشر سنین وتوفی وهو ابن

ثلاث وستین سنة کذا روی مسلم عن بن عباس رضی اللہ عنہما الخ۔

قال محمد بن یوسف الصالحی اتفق العلماء علی ان صلی اللہ علیہ وسلم اقام بالمدينة بعد

الہجرة عشر سنین و بمکة قبل النبوة اربعین سنة وانما الخلاف فی قدر اقامته بمکة

بعد النبوة قبل الهجرة والصحيح انه ثلاث عشرة سنة الخ

(تفسیر مظہری جلد ۵ ص ۱۵)

خلاصہ یہی ہے کہ علمائے اعلام اور اکابرین اسلام کا اس پر اتفاق ہے اور حضرت عبداللہ بن

عباس رضی اللہ عنہما سے یوں ہی مروی ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل چالیس سال مکہ

شریف میں قیام پذیر رہے اور ہجرت کے بعد مدینہ پاک میں دس سال قیام فرما رہے، اور راج اور مختار اور صحیح یہی ہے کہ آپ نبوت کے بعد اور ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام فرما رہے۔

اقول:

متفق علیہ اور اجماعی امر ٹھکرانے اور اس کی مخالفت کرنے کا نہ از روئے شرع کوئی جواز ہے اور نہ اخلاقی لحاظ سے۔ اور اہل علم جانتے ہیں کہ کتاب و سنت کی طرح اجماع امت بھی شرعی دلیل ہے جس کے ذریعے اعتقادی اور عملی احکام ثابت کئے جاسکتے ہیں۔

حضرت علقمہ کے بیان فرمودہ ضابطہ کی رو سے جب روئے صادق کا آغاز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عمر شریف کے اکتالیسویں سال میں ثابت ہے تو آپ کی نبوت کا آغاز بھی اکتالیسویں سال سے ہی ثابت ہوگا نہ کہ ابتدائے ولادت سے۔

(۱۲) ابو عبد الملک البونی فرماتے ہیں کہ:

امام بخاری علیہ الرحمہ نے باب بدء الوحي قائم کیا اور پہلی روایت انما الاعمال بالنية ذکر فرمائی تو باب اور عنوان اور اس حدیث نیت میں باہم مناسبت کیا ہے اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

انما الاعمال بالنية وان بدأ الوحي كان بالنية لان الله تعالى فطر محمدًا ^{صلی اللہ علیہ وسلم} علی التوحید و بغض الیہ الاوثان و وهب له اول اسباب النبوة و هی الرؤیا الصالحة فلما رائی ذالک اخلص الی اللہ تعالیٰ فی ذالک فكان يتعبد بغار حراء فقبل الله عمله و اتم له النعمة۔

(بدء الوحي کے عنوان اور انما الاعمال بالنیات میں مناسبت یہ ہے) کہ وحی کا آغاز نیت کی وجہ سے ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فطری طور پر توحید کی معرفت بخشی اور اوثان و اصنام

کے ساتھ بغض و عداوت کو فطری طور پر آپ میں پیدا کیا۔ اور آپ کو نبوت کے اسباب میں سے پہلا سبب یعنی رویائے صالحہ عطا فرمایا جب آپ نے وہ سچے خواب دیکھے تو آپ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص اور مختص کر دیا تب غار حرا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس عمل کو شرف قبولیت بخشا اور آپ کے لیے (اپنے فضل و کرم سے) اپنی نعمت (نبوت) کو مکمل فرمادیا“

(۱۳) علامہ مہلب عنوان اور پہلی حدیث میں مناسبت بیان کرتے ہوئے فرماتے

ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

قصد البخاری الاخبار عن حال النبی ﷺ فی حال منشائه و ان اللہ بغض الیہ الاوثان و حبیب الیہ خلال الخیر و لزوم الوحدة فراراً من قرناء السوء فلما التزم ذلك اعطاه الله علی قدر نیته و وهب له النبوة كما یقال الفواتح عنوان الخواتم

(و لخصه بنحو من هذا القاضي ابو بكر بن العربي)

”امام بخاری علیہ الرحمہ کا مقصد ہے نبی مکرم ﷺ کے آغاز ولادت اور بچپن کی حالت کو بیان کرنا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اصنام کو آپ کے نزدیک مبغوض اور قابل نفرت ٹھہرایا اور اچھی عادات اور خصلتیں اور برے ساتھیوں سے فرار کی خاطر خلوت اور گوشہ نشینی کا التزام محبوب اور مرغوب ٹھہرایا۔ جب آپ نے ان امور کا التزام کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی نیت کے مطابق عطاؤں سے نوازا اور آپ کو نبوت عطا فرمائی جیسے کہ کہا جاتا ہے آغاز انجام کا عنوان ہوتا ہے (تو ان امور کا التزام آپ کے لیے حصول نبوت کا ذریعہ بن گیا)

علامہ قاضی ابو بکر بن العربی نے بھی اسکا خلاصہ اسی طرح بیان کیا ہے (امام مہلب سے موافقت فرمائی ہے)

(۱۴) علامہ ابن المنیر نے بھی امام بخاری کے قائم کردہ عنوان (بدء النبوة) اور

ذکر کردہ پہلی حدیث کے درمیان مناسبت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

كانت مقدمة النبوة في حق النبي ﷺ الهجرة الى الله تعالى بالخلوة في غار

الحراء فناسب الافتتاح بحديث الهجرة

(فتح الباری جلد اول ص ۸ و کذانی عمدۃ القاری جلد اول ص ۱۷)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں آپ کی نبوت کا مقدمہ اور سبب حصول تھا آپ کا اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنا، یعنی غار حرا میں خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کرنا تو اس طرح بدء الوحی والے باب کی اس حدیث ہجرت کے ساتھ مناسبت ثابت ہوگئی

کیونکہ ہجرت دو قسم کی ہوتی ہے ہجرت از وطن جو ہجرت ظاہرہ ہے اور ہجرت در وطن یعنی مالوفات نفسی کا ترک اور ان سے گریز جو کہ ہجرت باطنہ ہے اور نبی مکرم ﷺ نے غار حرا میں خلوت اختیار فرما کر ہجرت کی دوسری قسم اختیار فرمائی تھی

الغرض ان اکابر کے ارشادات سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ روایے صادقہ اور غار حرا میں خلوت گزینی کے بعد آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور یہ خلوت اور گوشہ نشینی حصول نبوت کا مقدمہ اور بنیاد بن گئی۔

(۱۵) علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ غار حرا میں خلوت گزینی اور گوشہ نشینی کی حکمت

بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حب العزلة اليه لان فيها سكون القلب و هي معينة على التفكير و بها ينقطع عن مالوفات البشر ويخشع قلبه و هي من جملة المقدمات التي ارهصت لنبوته و جعلت مبادى لظهورها (عمدۃ القاری الامام بدر الدین عینی جلد اول ص ۶۱)

نہی محتشم ﷺ کے لیے عزلت اور گوشہ نشینی کو پسندیدہ اور مرغوب امر ٹھہرایا گیا کیونکہ اس میں سکون قلب ہے اور یہ غور و فکر میں معاون ہوتی ہے اور اس کی بدولت انسانوں کو پسندیدہ

اشیاء سے قطع تعلق حاصل ہوتی ہے اور دل میں خضوع اور خشوع پیدا ہوتا ہے اور یہ ان مقدمات اور بنیادی امور میں سے ہے جو آپ کی نبوت کے لیے بنیاد بنائے گئے تھے اور اس کے ظہور کے لیے مبداء اور اساس بنائے گئے تھے۔

اقول:

اگر آپ آغاز ولادت سے ہی بالفعل اور عملی طور پر نبی تھے تو چالیس سال بعد اس کے حصول اور وصول کے لیے اس خلوت کو ارباب و اساس اور مبداء و بنیاد بنانے کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی؟

(۱۶) علامہ بدرالدین عینی قدس سرہ روایے صالحہ کے ساتھ ابتدائے وحی کی

حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انما ابتداء بها لنلا يفجاء الملك و ياتيه بصريح النبوة ولا تحتلها القوى البشرية فبئدي باوائل خصال النبوة و تباشير الكرامة من صدق الرؤيا مع سماع الصوت و سلام الحجر والشجر عليه بالنبوة وروثة الضوء ثم اكمل الله له النبوة بارسال الملك في اليقظة و كشف له عن الحقيقة كرامة له۔ (عمدہ القاری جلد اول ص ۶۰)

روایے صالحہ کے ساتھ صرف اس لیے وحی کی ابتداء کی گئی تاکہ وحی کا فرشتہ اچانک آپ پر نمودار نہ ہو اور واضح اور صریح نبوت آپ کے پاس نہ لے آئے ورنہ آپ کے قوائے بشریہ اس کے متحمل نہ ہو سکتے لہذا نبوت کی ابتدائی خصلات اور عزت و تکریم کی شہادت کے ساتھ آغاز کیا گیا یعنی سچے خواب بمع مختلف اطراف سے آوازیں اور ندائیں سننے کے اور پتھروں اور درختوں کے آپ کو منصب نبوت کے ساتھ سلام عقیدت پیش کرنے اور نور و ضیاء کے مشاہدہ کرنے کے ساتھ آغاز کیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے نبوت کو کامل اور مکمل کیا حالت بیداری میں ملک وحی نازل فرما کر اور آپ کے لیے از روئے عزت و تکریم حقیقت حال سے پردہ

ہٹایا اور حجاب اٹھا دیا۔

(۱۷) علامہ امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ تشہد میں پہلے السلام علیک ایہا النبی اور بعد میں اشہد ان محمداً عبداً ورسولہ میں وصف نبوت کے تقدم اور وصف رسالت کے تاخر کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قیل الحکمة فی تقدیم الوصف بالنبوة انہا کذاک وجدت فی الخارج
لنزول قوله تعالیٰ اقرء باسم ربک قبل قوله تعالیٰ یا ایہا المدثر قم فانذر
(عمدة القاری جلد ۶ ص ۱۱۲)

خلاصہ مفہوم اور حاصل مطلب یہ ہے:

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وصف نبوت کے ساتھ پہلے موصوف کر کے ذکر کرنے (اور وصف رسالت کے ساتھ بعد میں موصوف ٹھہرانے میں) حکمت یہ ہے کہ یہاں ترتیب ذکر کو واقعی اور نقسی الامری ترتیب کے مطابق بنایا گیا ہے، کیونکہ خارج اور نفس الامر میں بھی آپ نبی پہلے تھے بسبب اقرء باسم ربک کے پہلے نازل ہونے کے بہ نسبت (یا ایہا المدثر قم فانذر) کے کہ جس میں آپ کو منصب رسالت پر فائز فرمایا گیا ہے۔
اقول:

جب آپ کی نبوت قول باری تعالیٰ اقرء باسم ربک (العلق: ۱) سے ثابت ہو رہی ہے اور اس کا نزول عمر شریف کے اکتالیسیویں سال پایا گیا ہے تو لا محالہ آپ کے لیے عمر شریف کے اسی حصہ میں ہی نبوت کا حصول تسلیم کرنا پڑے گا جیسے کہ رسالت کا حصول عمر شریف کے تینتالیس سال بعد تسلیم کرنا پڑے گا۔

(۱۸) حضرت علامہ امام کمال الدین بن زملکانی علیہ الرحمہ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

فقد خمدت لنبینا ﷺ فار فارس ولم تخمد الف عام وانما خمدت لمیلاد

۵ وذاك قبل الوحي بدحواربعين سنة (بحوالہ جواہر البحار للعلامة نجفانی جلد ۴ ص ۱۲۱)
 نبی مکرم ﷺ کے لیے فارس کی آگ بجھ گئی حالانکہ ہزار سال سے مسلسل جل رہی تھی اور
 کبھی نہیں بجھی تھی اور یہ آگ آنحضرت ﷺ کی ولادت پاک کے موقع پر بجھی اور یہ واقعہ آپ پر
 وحی کے نزول سے چالیس سال قبل رونما ہوا۔

اقول:

نبوت کے لیے وحی کا نزول لازم اور ضروری ہے خواہ وہ اس نبی کی ذات کی تکمیل کے
 لیے ہو جیسے کہ محدثین کا مذہب ہے یا امت کی تبلیغ کے لیے ہو جیسے علماء کلام کا مذہب ہے اور جب
 وحی عمر شریف کے چالیس سال گزرنے پر نازل ہوئی تو نبوت بھی اسی وقت سے ثابت ہوگی نہ کہ
 نبوت کا ثبوت و تحقق پہلے ہو جائے اور وحی کا نزول بعد میں ہو۔

(۱۹) امام شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے
 قصیدہ ہمزنیہ کے اس شعر کی تشریح اور توضیح میں فرمایا ہے:

فاستبانت خديجة انه ال كنز الذي حاولته والكيمياء

یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے معلوم کر لیا آنحضرت ﷺ کے متعلق کہ یہی وہ کنز مخفی
 اور کیمیا ہیں جس کے حاصل کرنے کا انہوں نے قصد اور ارادہ کر رکھا تھا۔

اشاريد كرمنا وقع لخديجة الي سبب ذلك وهو قصة ابتداء بعثته ﷺ و
 حاصلها انه ﷺ لما بلغ الاربعين سنة قيل و كسراً بعثه الله تعالى يوم الاثنين كما
 في خبر مسلم في سبع عشر من رمضان وقيل لثمان من ربيع الاول وقيل كان في
 رجب رحمة للعالمين ورسولا الي كافة الخلق اجمعين كما قال ﷺ ارسلت الي
 الخلق كافة رواه البخاري وغيره اول ما بدني به ﷺ من الوحي الرؤيا الصالحة
 (الي) وابتدني بها لان الملك لو فجأه بغتة لم تحتمله قواة البشرية و كان ياتي حراء

فیتعبد فی لیالی كثيرة ثم یرجع الیٰ خدیجة فیتزود لمثلها حتیٰ فجاءه الحق ای جاءه جبرئیل وهو بغار حرا فقال له اقرء قال ما انا بقاری ای لست بقاری قاله امتناعاً لانه صلی اللہ علیہ وسلم کان امیاً لا یقرء ولا یکتب فغطه حتیٰ بلغ منه الجهد ثم ارسله و قال له اقرء قال ما انا بقاری ای لست بقاری قاله اخباراً بالواقع فغطه ثم ارسله کذاک قال له اقرء قال ما انا بقاری ای ما الذی اقرءه فغطه و ارسله کذاک

وحکمة الغط ثم تکریرة مزید التاهل الیٰ لقاء الملك لما بین الملكية والبشرية التباين ثم الیٰ التلقى منه الخ (الیٰ) اخرج الشیخان وغيرهما صلی اللہ علیہ وسلم قال جاورت بحراء شهراً ای لا لطلب النبوة فانها موهبة لا تنال بحسب الله اعلم حیث یجعل رسالته فلما قضیت جوارى هبطت فنودیت فنظرت فلم ارشیتا فرفعت راسی فرایت شیئاً لم اثبت له فاتیت خدیجة فقلت دثرونی دثرونی فدثرونی وصبوا علی ماء بارداً فنزلت یا ایها المدثر وهذا بعد نزول اقرء باسم ربک و بعد فترة الوحي اذا اول ما نزل علیه اقرء علی الاصح بل الصواب

وصح عن الشعبي انه قال انزلت علیه النبوة و هو ابن اربعین سنة فقرن بنبوته اسرافیل ثلاث سنین و كان یعلمه الكلمة و الشیء و لم ینزل علیه القرآن علی لسانه فلما مضت ثلاث سنین قرن بنبوته جبرئیل فنزل علیه بالقرآن علی لسانه عشرين سنة و حکمة الفترة نهاب الروع الذی وجد صلی اللہ علیہ وسلم و مزید تهییجه الی الاشتیاق للعود۔

(بحوالہ جواهر البحار جلد ثانی ص ۷۷، ۷۸)

خلاصہ مفہوم یہ ہے اور اس سے حاصل استدلال یہ ہے کہ حضرت علامہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال ہوگئی اور بقول بعض چالیس سال سے قدرے زائد ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا بروز سوموار سترہ رمضان المبارک کو اور بقول بعض آٹھ

ربیع الاول کو مبعوث فرمایا اور بقول بعض رجب میں عالمین کے لیے رحمت اور تمام مخلوق کے لیے رسول ہونے کی حیثیت سے آپ کی بعثت کی ابتدا ہوئی جیسے کہ آپ ﷺ کا اپنا ارشاد گرامی ہے کہ: میں ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ الی آخرہ

علامہ موصوف نے تصریح فرمادی کہ آپ ﷺ کی بعثت کا آغاز چالیس سال پورے ہونے پر یا اس سے بھی کچھ عرصہ بعد میں ہوا اور امام بخاری علیہ الرحمہ کی نقل کردہ حدیث (اول ما بدءی بہ رسول اللہ من الوحی الرؤیا الصالحہ) کو اس دعویٰ کی تائید میں پیش کیا اور روایے صالحہ والی وحی کے آغاز کا وقت بھی واضح کر دیا یعنی چالیس سال یا قدرے بعد میں۔ روایے صالحہ والی وحی کا آغاز ہوا نیز روایے صادقہ کے ساتھ آغاز کی حکمت بیان فرمائی کہ اگر اچانک صاحب وحی فرشتہ آپ پر نازل ہو جاتا تو آپ کے قوائے بشریہ اس کے متحمل نہ ہو سکتے لہذا حکمت الہیہ کا تقاضا یہی تھا کہ درجہ بدرجہ اس مرتبہ تک رسائی ہو، جبرئیل امین کے بار بار سینہ سے لگا کر دبانے کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ آپ میں فرشتہ کے ساتھ ملاقات کی اہلیت اور استعداد پیدا ہو جائے کیونکہ ملک ہونے اور بشر ہونے میں بہت بڑا تفاوت اور تباہی ہے وہ دور ہو گا تب ہی تو ملک وحی سے وحی کے وصول و حصول کی راہ ہموار ہو سکے گی۔

غارِ حرا میں خلوت گزینی اور عزلت نشینی سے پیدا ہونے والے اس توہم کا ازالہ فرمایا کہ یہ مجاہدہ اور ریاضت حصول نبوت کے لیے ہو گا تو فرمایا قطعاً یہ مقصد نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت سراسر موہبت اور عطاء الہی ہے مجاہدوں اور ریاضتوں سے اس کا حصول ممکن نہیں ہے قال تعالیٰ ﴿اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ﴾ (الانعام: ۱۲۴) اللہ تعالیٰ ہی اس مکان کو بہتر جانتا ہے جس میں رسالت و نبوت کو ودیعت فرماتا ہے

اقول:

علامہ موصوف کے نزدیک آپ وقت ولادت سے نبی تھے تو اب مجاہدہ اور ریاضت اور

خلوت و عزلت کے ذریعے اس کے طلب کرنے کا تو ہم ہی کیسے ہو سکتا تھا اور اس کے ازالہ کی ضرورت کیا ہو سکتی تھی کیونکہ حاصل شدہ چیز کا دوبارہ حاصل کرنا ہر عقلمند کے نزدیک محال اور ناممکن ہے اور تحصیل الحاصل قطعاً جائز اور روا نہیں ہے۔

نیز فرمایا حضرت شععی تابعی سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ پر چالیس سال کی عمر شریف میں نبوت نازل ہوئی اور آپ کی نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں حضرت اسرافیل آپ کے قرین اور مصاحب رہے، جو آپ کو ایک کلمہ یا قدرے زائد چیز کی تعلیم دیتے تھے لیکن ان کی زبانی آپ ﷺ پر قرآن پاک کا نزول نہیں ہوا، تین سال گزرنے کے بعد آپ کی نبوت کے قرین اور مصاحب حضرت جبرئیل علیہ السلام بنے اور ان کی زبانی بیس سال کے عرصہ میں آپ پر قرآن مجید کا نزول ہوا اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ علامہ موصوف کے نزدیک آپ کی نبوت کا ظاہری حیات طیبہ کے لحاظ سے کل عرصہ تیس سال ہے نہ کہ تریسٹھ سال۔

پہلی وحی کے بعد تین سال تک نزول وحی کے توقف اور تعطل کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مقصود یہ تھا کہ جو خوف اور دہشت آپ کو پہلی وحی پر لاحق ہوئی تھی وہ دور ہو جائے بلکہ آپ کے دل میں وحی کے دوبارہ نزول اور ملک وحی کی آمد کا شوق ابھرے اور فراواں ہو۔

الغرض اس کلام حقیقت ترجمان سے بھی نبی کریم ﷺ کے حق میں عالم ارواح اور عالم اجساد کا فرق واضح ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کی نبوت جسمانیہ کا آغاز کب ہوا اور اس کا کل عرصہ جسمانی اور حیات ظاہرہ کے لحاظ سے کتنا تھا وہ بھی واضح ہو گیا لیکن ارباب عقل و دانش پر!!! یہی امام کبیر شہیر الشہاب احمد بن حنبلہ الہیتمی، النعمة الكبرى للعالم بمولد سید ولد آدم میں فرماتے ہیں:

ثم لما بلغنا ﷺ أربعين سنة ارسله الله تعالى رحمة للعالمين ورسولاً الى

کافة الخلق اجمعين صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمتہ للعالمین اور تمام مخلوق کی طرف

رسول بنا کر بھیجا۔ (جواہر البحار للعلامة النبھانی جلد سوم ص ۳۳۷)

(۲۰) حضرت امام زین العابدین البرزنجی المدنی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

جو کچھ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء روئے

صادقہ کے ساتھ ہونے کی حکمت میں اور آپ کی نبوت کے آپ کی رسالت پر مقدم ہونے کے

بارے میں فرمایا بالکل وہی مضمون اور وہی حکمت حضرت علامہ برزنجی نے اپنے انداز میں بیان

فرمائی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

ولما كمل لصلی اللہ علیہ وسلم اربعون سنة على اوفق الاقوال لذوى العالمية بعثه الله

تعالى للعالمين بشيرا و نذيرا فعمهم برحماة و بدنى الى تمام ستة اشهر بالرؤيا

الصادقة الجليلة فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح اضاء سناه - وانما ابتدا

بالرؤيا تمرين اللقوة البشرية لثلا يفجاءه الملك بصريح النبوة فلا تقواه اقواه و حبيب

اليه الخلاء فكان يتعبد بحراء الليالي العديدة الى ان اتاه فيه بصريح الحق و وافاه

وذلك في يوم الاثنين لسبع عشرة ليلة خلت من شهر الليلة القدرية و ثم اقوال لسبع

او لاربع و عشرين منه او لثمان من شهر مولده صلی اللہ علیہ وسلم الذي بدا فيه بدر محياه فقال له

اقرأ (الى) ثم فتر الوحي ثلاث سنين او ثلاثين شهر المشتاق الى التشاق هاتيك

النفحات الشذية ثم انزلت عليه يا ايها المدثر فجاءه جبرئيل بها و ناداه فكان لنبوته

في تقدم اقرأ باسم ربك الذي خلق شاهد على ان لها السابقة و التقدم على رسالته

بالبشارة و النذارة لمن دعاه۔ (بحوالہ جواہر البحار جلد سوم ص ۳۶۹)

یعنی جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے چالیس سال پورے ہو گئے اہل علم کے اقوال

میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ نے اپنی رحمت کے ساتھ ان کا احاطہ فرمایا اور اس بعثت کا آغاز سچے خوابوں کے ساتھ کیا گیا چھ ماہ مکمل ہونے تک۔ پس آپ کوئی خواب نہیں دیکھتے تھے مگر اس کی تعبیر صبح تا باں کی مانند واضح طور پر سامنے آجاتی تھی۔ وحی اور بعثت کا آغاز سچے خوابوں کے ساتھ صرف اور صرف قوت بشریہ کو تحمل وحی کا عادی بنانے کے لیے کیا گیا تا کہ ملک وحی کے اچانک واضح اور روشن نبوت کے ساتھ نازل ہونے پر آپ کے قوائے بشریہ اس کے برداشت کرنے سے عاجز نہ آجائیں اور آپ کے دل میں عزلت اور گوشہ نشینی کی محبت پیدا کر دی گئی۔ چنانچہ آپ غار حرا میں کئی کئی راتیں عبادت الہیہ میں گزارتے یہاں تک کہ اسی غار میں ہی صریح اور حقیقی نبوت کیساتھ فرشتہ آپ کے پاس آیا اور حق کو آپ ﷺ نے پالیا، جبکہ یہ رمضان المبارک کی سترہ تاریخ اور سوموار کا دن تھا اور یہاں پر اور بھی اقوال ہیں رمضان شریف کی ستائیس تاریخ یا چوبیس تاریخ تھی یا آٹھ تاریخ تھی آپ کی ولادت پاک کے مہینہ کی جس میں آپ کے چہرہ اقدس کا بدر منیر نمودار ہوا۔ اس فرشتہ نے آپ سے کہا اقرء (تا) پھر تین سال تک یا تیس ماہ تک نزول وحی کا سلسلہ موقوف ہو گیا تا کہ آپ کے دل اقدس میں ان نرالی خوشبوؤں کے سونگھنے کا شوق پیدا ہو۔ پھر آپ پر یا ایہا المدثر کو نازل کیا گیا جس کو حضرت جبرئیل لے آئے اور اس پیاری ادا کے ساتھ آپ کو پکارا۔ لہذا اقراء باسم ربك کے تقدم میں آپ کی نبوت کے آپ کی بشارت و انداز کے ساتھ حاصل ہونی والی رسالت پر سبقت اور تقدم کی شہادت پائی گئی ہے۔

اقول:

امام برزنجی کے اس کلام حقیقت ترجمان سے بھی نبوت کا چالیس سال کے بعد حاصل ہونا واضح طور پر ثابت ہو گیا۔

(۲۱) حضرت شیخ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری شرح بخاری میں

فرماتے ہیں:

حكى البهيقي ان مدية الرؤيا كانت ستة اشهر و على هذا فابتداء النبوة
بالرؤيا وقع من شهر مولده هوربيع الاول بعد اكماله اربعين سنة و ابتداء وحي
المبظة وقع في رمضان (الى) عن الشعبي انزلت عليه النبوة وهو ابن اربعين سنة
(الى) عن داؤد بلفظ بعث لاربعين و وكل به اسرافيل ثلاث سنين ثم و كل به
جبرئيل عليه السلام۔ (فتح الباري جلد اول ص ۲۶)

امام بیہقی نے یہ بیان کیا ہے کہ رؤیائے صادقہ کی مدت چھ ماہ تھی تو اس بنا پر آپ کی
نبوت کی خوابوں کے ذریعے ابتداء آپ کی ولادت باسعادت کے مہینہ ربیع الاول شریف میں
ہوئی جبکہ آپ نے عمر شریف کے چالیس سال مکمل کر لیے تھے اور بیداری کی حالت میں وحی کا
آغاز رمضان المبارک میں ہوا۔ شعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ آپ پر چالیس سال کی عمر
میں نبوت کا نزول ہوا اور داؤد نے بھی یوں ہی کہا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور
تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام کو آپ کا مصاحب بنایا گیا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام
کو آپ کا مصاحب و رفیق اور صاحب وحی بنایا گیا۔

(۲۲) الامام الاديب بدر الدين حسن بن عمر بن الحبيب الحلبي، النجم

الثاقب في اشرف المناقب میں فرماتے ہیں:

ولماتني جبرئيل بالرسالة المعظمة اليه جعل لا يمر بحجر ولا شجر الا سلم

عليه الخ۔ (جواہر البحار جلد سوم ص ۱۲۲)

جب جبرئیل امین علیہ السلام آپ کے پاس رسالت معظّمہ لے آئے تو آپ جس پتھر
اور درخت کے پاس سے گزرتے تھے وہ آپ کو سلام پیش کرتا تھا۔ (جبکہ یہ مسلم حقیقت ہے کہ وہ
آپ پر وحی کے ساتھ چالیس سال کی عمر شریف کے بعد نازل ہوئے تھے)

(۲۳) حضرت علامہ امام ابوالفرج عبدالرحمن ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں:

كان عليّ ﷺ في اول نبوته يدعو الناس سرا الى الاسلام، كان ابو بكر يدعوا ايضا من يثق به من قومه فلما مضت من النبوة ثلاث سنين نزل عليه، فاصدع بما تومر، فاظهر الدعوة۔
(الوقايا حوال المصطفى ﷺ ص ۱۸۱)

محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم آغاز نبوت میں خفیہ طور پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی قوم سے قابل اعتماد لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے جب آپ پر نبوت کے تین سال گزر گئے تو آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ امر نازل ہوا کہ تمہیں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے کھل کر بیان کرو تو آپ نے علانیہ دعوت اسلام دینے کا آغاز کر دیا۔
اقول:

اگر آپ آغاز ولادت سے ہی نبی تھے تو پھر خفیہ دعوت دینا آغاز اور ابتدائے نبوت میں کیسے متصور ہے بلکہ وہ تو نبوت کے تقریباً دو تہائی عرصہ گزرنے پر شروع کیا گیا نہ کہ آغاز نبوت میں۔

فلما تمت له اربعون سنة نبى فجاءه الوحي واستتر بالنبوة ثلاث سنين ثم نزل فاصدع بما تومر۔
(الوقايا جلد ۱۰۲)

اس عبارت کا معنی اور مفہوم وہی ہے جو پچھلی عبارت کا ہے۔

(۲۴) حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

تاسیہ سال حال بریں منوال بود و مامور بود آنحضرت ﷺ با خفاء این امر و صبر بر آن پس آنحضرت ﷺ بنخفیہ دعوت میگرد تا نازل شد این آیت کریمہ، فاصدع بما تومر و اعرض عن المشركين یعنی اظہار کن آنچه امر کردہ

شدی بداد و آشکارا کن دعوت را و بگردان روئے خود از مشرکان الخ

(مدارج النبوت جلد دوم ص ۳۷)

بعضے گفته اند نبوت آنحضرت ﷺ مقدم است بر رسالت وے و بر

مذہب محدثین در نبوت تبلیغ و انذار شرط نیست و نزول وحی برائے نفس کافی

است چنانکہ سورہ اقرء برائے تعلیم و تکمیل وے نازل شد و آن نبوت است بعد

از ان نازل شد سورہ یا ایہا المدثر برائے تبلیغ و انداز و این رسالت است۔

(مدارج النبوت جلد دوم ص ۳۵)

فائدہ:

شیخ محقق کے کلام حقیقت ترجمان سے واضح ہو گیا کہ نزول وحی کے بعد آپ نے خفیہ

طور پر تین سال تک لوگوں کو دعوت اسلام اور توحیدی اور اس کے بعد آپ کو علانیہ دعوت دینے

کے ساتھ مامور فرمایا گیا اور آپ اس حکم پر عمل پیرا ہوئے مگر قابل غور امر یہ ہے اگر آپ آغاز

ولادت سے عملی طور پر نبی تھے تو چالیس سال تک اپنے نبی ہونے کا انھیں احباب اور بالخصوص

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ و دیگر مخلصین پر اظہار کیوں نہ فرمایا اور

کسی طرح بھی دعوت کیوں نہ دی نیز آپ کے فرمان سے واضح ہو گیا کہ آپ کی نبوت پہلے متحقق

ہوئی (اقرء باسم ربك) کے ساتھ اور رسالت بعد میں حاصل ہوئی تھی۔

در مواہب لدنیہ گفته کہ امام احمد در تاریخ از شعبی آورده کہ گفت

فرو فرستاده شد بر آنحضرت ﷺ نبوت بحال آنکہ وے ابن اربعین بود پس قرین

شد با نبوت او اسرافیل گنہ سال و تعلیم می کرد او را کلمہ و چیزے نازل نمی شد از

قرآن بر زبان وے و چون سیہ سال گزشت قرین شد بنبوت او جبرئیل پس نازل شد

بر وے قرآن بیست سال۔ بدانکہ علماء وحی را مراتب عدیدہ ذکر کرده اند اول

رؤیاء صالحہ چنانکہ در حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا آمدہ اول ما بدی بہ رسول
 ﷺ من الوحي الرؤيا الصالحة (تا) و در کتب واقع شدہ کہ آن در شش ماہ بود و
 در نبوت این مدت سخن است۔ واللہ اعلم

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۵، ۳۴)

فائدہ:

سچے خوابوں کے ساتھ وحی کا آغاز ہونا اور چھ ماہ تک مسلسل اس وحی منامی کا جاری رہنا
 تسلیم کرنے کے باوجود حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس مدت میں آپ کا نبی ہونا مختلف
 فیہ امر ہے تو جب وحی کے اقسام میں سے سب سے نچلا اور کم درجے کا قسم بھی آنحضرت ﷺ کے
 لیے چالیس سال تک ثابت نہ ہو تو اس عرصہ میں آپ کا نبی ہونا کیسے ثابت ہو گیا اور وہ بھی متفق
 علیہ اور اجتماعی طور پر یا للعجب ولضیعة العلم والادب۔

الرؤيا الصالحة جزأ من ستة و اربعین جزأ من النبوة حدیث مشہور است
 و بعضے از برائے عدد این روایت مشہورہ کہ ستہ و اربعین است مناسبتے پیدا کردہ
 اند و گفتہ کہ حق تعالیٰ وحی فرستادہ بسوئے پیغمبر خود ششماہ در منام بعد
 ازاں وحی فرستاد در یقظہ باقی مدت حیات و دور نبوت ہمہ بست و سہ سال
 است و نسبت ششماہ با بیست و سہ سال نسبت یک جزو است بچھل و شش
 این وجہ مناسب و معقول است اگر ثابت شود وحی در ابتدائے نبوت ششماہ
 در منام بود۔ (مدارج النبوة جلد اول ص ۲۴۰)

فائدہ:

شیخ محقق قدس سرہ کے نزدیک محبوب کریم ﷺ کی نبوت کا دورانیہ تو تیس سال ہے
 جس میں شک و تردد اور اضطراب اور تذبذب کی گنجائش نہیں ہے۔ تردد ہے تو صرف اس امر میں

کہ یہ وحی واقعی ابتدائی نوبت میں چھ ماہ تک نیند کی حالت میں سچے خوابوں کے ذریعے آتی رہی یا اس کی مدت کم و بیش ہونے کا امکان و احتمال بھی ہے اگر ثابت ہو جائے کہ اس وحی منامی کا دورانیہ پورے چھ ماہ تھا تو پھر رویائے صالحہ کو نبوت کا چھیا لیسواں حصہ قرار دینا بالکل درست صحیح اور معقول ہے ورنہ نہیں۔ جیسے کہ علامہ خطابی نے کہا کہ بعض اہل علم نے جو نسبت بیان کی ہے وہ از روئے دلائل ثابت نہیں ہو سکتی اور منامی وحی کی مدت چھ ماہ ہونا کسی حدیث نبوی اور اثر صحابی سے ثابت نہیں ہے، (نیز رویا کے متعلق اس سے کم و بیش نسبت والی روایات بھی ہیں اگرچہ مشہور نہیں ہیں)

الغرض نبوت مصطفیٰ ﷺ کا عرصہ اس عشاقان مصطفیٰ ﷺ کے سرخیل اور افضل المحققین کے نزدیک تیس سال ہے جو کہ غار حرا کی پہلی وحی سے شروع ہو کر مدینہ منورہ کے دس سالہ قیام پر ختم ہوا اگر نبوت مصطفوی کا دورانیہ تریسٹھ سال تھا تو ان کو معلوم کیوں نہ ہو سکا؟ نیز ان پر کوئی مانی کالال فتویٰ ضلالت و گمراہی اور کفر کا صادر کر سکتا ہے؟

صلائے عام ہے یا راں نکتہ داں کے لیے

حضرت ورقہ کے صحابی ہونے میں اکابر کا اختلاف اور شیخ محقق کی رائے:
مزید فرماتے ہیں:

بدانکہ در ایمان ورقہ بانحضرت ﷺ خلافی نیست و لیکن در صحبت وے
خلافی هست۔ اگر ایں واقعہ بعد ثبوت نبوت است صحابی است و اگر در
مبادی احوال است چنانکہ ظاہر است صحابی نیست واللہ اعلم۔

(اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۵۳۴)

اقول:

افضل المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کے نزدیک حضرت

ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کا مومن ہونا یقینی ہے کیونکہ انہوں نے آپ کے برحق نبی ہونے کی تصدیق کی اور حضرت جبرئیل کے وحی لانے کی تصدیق کی اور قوم کی مخالفت کے وقت اور ہجرت پر مجبور کرنے کے وقت زندہ ہونے کی صورت میں بھرپور انداز میں امداد و اعانت کرنے کا عزم بالجزم ظاہر کیا۔ لیکن ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ذکر کیا بعض صحابیت کے قائل ہیں اور انکی دلیل یہ ہے کہ محبوب کریم ﷺ اس وقت بالفعل نبی بن چکے تھے اور کلام مجید کی چند آیات بھی آپ پر نازل ہو چکیں تھیں تو جسے نبی کی ذات کو نبی بننے کے بعد حالت ایمان میں زیارت کا شرف حاصل ہو جائے تو وہ یقیناً صحابی ہوتا ہے مگر بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ واقعہ نبوت کے ابتدائی دور کا ہے اور مبادیات نبوت میں سے ہے ابھی آپ کی نبوت بالفعل ثابت اور متحقق نہیں ہوئی تھی لہذا وہ صحابی نہیں ہیں۔

شیخ قدس سرہ نے بھی اس واقعہ کو مبادیات نبوت سے ہونے کو ظاہر و واضح قرار دیا ہے جس سے انکا چینی رجحان بھی دوسرے قول کی طرف معلوم ہو رہا ہے چہ جائیکہ دوسرا قول آپ کے نزدیک باطل و مردود اور ناقابل قبول ہو۔ بلکہ شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کا مختار یہی ہے جیسے کہ ان کی اس عبارت میں تصریح پائی گئی ہے۔

دیر شد کہ ورقہ وفات یافت و زمان ظهور دعوت در نیافت و وے از

ایمان آرندگان و تصدیق کنندگان بانحضرت ﷺ است و زمان نبوت را در

نیافت الخ۔ (مدارج النبوة جلد دوم ص ۳۲)

بہت وقت گزر گیا کہ حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور نبی مکرم

ﷺ کی دعوت کا زمانہ ظہور نہ پایا وہ نبی مکرم ﷺ پر ایمان لانے والوں میں اور آپ کی تصدیق

کرنیوالوں میں شامل ہیں اور انہوں نے آپ کی نبوت کا زمانہ نہیں پایا۔

ورقة بن نوفل كان حيا في ابتداء الوحي الي ان تنبأ رسول الله ﷺ

واجتمع بالنبي ﷺ وآمن به (الی) كان النبي ﷺ اذ ذاك نبيا ولم يؤمر بالدعوة
ومات ورقه بعد نبوته ﷺ وقبل رسالته (الی) وهذا المذكور هو الصحيح من انه
صحابي وقيل ليس بصحابي لانه لم ير النبي ﷺ ولم يؤمن به بعد بعثته وعليه
جماعة محققون (الی) والاكثر من علمائنا انه صحابي

(نسیم الرياض ج: ۲ ص: ۳۷)

”ورقہ بن نوفل ابتداء نزول وحی میں زندہ تھے، یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ نے
دعویٰ نبوت فرمایا وہ آپ کے ساتھ جمع ہوئے، شرف ملاقات حاصل کیا اور آپ پر ایمان لائے
(تا) نبی مکرم ﷺ اس وقت نبی تھے لیکن (علانیہ) دعوت اسلام دینے پر مامور نہیں ہوئے تھے اور
ورقہ بن نوفل آپ کے نبی بننے کے بعد اور رسول بننے سے پہلے فوت ہو گئے (تا) یہ جو ذکر کیا گیا
ہے کہ وہ صحابی ہیں یہی صحیح قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صحابی نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے نبی
کریم ﷺ کو (وصف نبوت سے موصوف ہونے کی حالت میں) نہیں دیکھا اور نہ آپ پر آپ کی
بعثت اور دعویٰ نبوت کے بعد ایمان لائے۔ اور محققین علماء کی ایک جماعت کا قول اور پسندیدہ
نظریہ یہی ہے (تا) ہمارے اکثر علمائے اعلام کا نظریہ یہی ہے کہ وہ صحابی ہیں رضی اللہ عنہ“
نیز ظاہر ہے کہ حضرت ورقہ کی صحابیت کا انکار کرنیوالے یہودی، نصرانی، منافق اور
غیر مسلم ہوتے تو ان کے اس نظریہ کا شیخ کے نزدیک کیا اعتبار ہوتا تو لامحالہ حضرت شیخ انہیں معتد
بہ اور مسلم علمائے اسلام تسلیم کرتے ہوئے اور ان کے قول کا وزنی اور راجح ہونے کا تاثر دیتے
ہوئے ذکر کر رہے ہیں تو اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آپ کے نزدیک اور ان علمائے
اسلام کے نزدیک ان آیات مقدسہ کے نزول کے وقت بھی آپ کا نبی ہونا متفق علیہ اور اجتماعی
امر نہیں تھا۔ اور نہ ہی روایات صالحہ کے دیکھنے کے عرصہ اور دورانیہ میں آپ کا بالفعل اور عملی طور
نبی ہونا آپ کے نزدیک اور چند دیگر علماء اسلام کے نزدیک متفق علیہ اور مسلم امر ہے بلکہ اس

دورانہ میں بھی آپ کے نبی ہونے میں اختلاف ہے جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ تو اندریں صورت آغاز ولادت سے ہی آپ کو بالفعل اور عملی طور پر نبی ماننے کا قول کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ فاعتبروا یا اولی الالباب اور یہ عقیدہ نہ رکھنے والوں کو ہدف تنقید اور مورد طعن و تشنیع کیونکر بنایا جاسکتا ہے؟

(۲۵) علامہ شہاب الدین القسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

هذا ظاهرة انه اقر بنبوته ﷺ لكنه مات قبل الدعوة الى الاسلام فيكون

مثل بحيرا وفي اثبات الصحبة له نظر - (جلداول ص ۹۴)

حضرت ورقہ کے کلام کا ظاہر اور واضح مطلب اور مفہوم یہی ہے کہ انہوں نے آپ کے نبی ہونے کا اقرار کیا لیکن آپ کی طرف سے دعوت اسلام دیے جانے سے قبل وفات پا گئے لہذا وہ بحیرا اہلب کی طرح آپ پر ایمان لانے والوں میں تو شامل ہو گئے لیکن ان کے لیے نبی مکرم ﷺ کے صحابی ہونے کا اعزاز و شرف ثابت کرنا محمل نظر ہے۔

ابن مندہ و ابو نعیم بحیرا را در صحابہ ذکر کرده اند و این مبنی است بر آن قول کہ معتبر در تعریف صحابی رویت است اگرچہ پیش از نبوت باشد و مختار خلاف آنست و بر این تقدیر ورقہ بن نوفل اقرب باشد باطلاق اسم صحابی کہ در مبادی نبوت بود۔ (مدارج النبوت ج: ۲، ص: ۲۶)

ابن مندہ اور ابو نعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت بحیرا کو صحابہ کرام علیہم الرضوان میں ذکر کیا ہے اور ان کا یہ اقدام اس قول اور نظریہ پر مبنی اور موقوف ہے کہ صحابی کی تعریف میں معتبر اس کا دیدار نبوی ﷺ ہے اگرچہ ان کی نبوت سے پہلے ہی کیوں نہ پایا جائے جبکہ مختار اور معتبر قول یہ ہے کہ بعد از حصول نبوت نبی علیہ السلام کا دیدار پایا جائے اور ان کے قول پر اعتماد و اعتبار کی صورت میں حضرت ورقہ بن نوفل صحابی کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے مبادیات

نبوت میں نبی مکرم ﷺ کا شرف دیدار حاصل کر لیا تھا (اور آپ کی تصدیق بھی کر دی تھی) جبکہ بحیرا آپ پر نزول وحی سے تقریباً بیس سال قبل ایمان لائے اور ورقہ مبادیات نبوت میں۔

فائدہ عظیمہ:

حضرت ورقہ کی صحابیت اور پہلی وحی کے نزول پر سید عالم ﷺ کے لیے نبوت کا ثبوت: حضرت ورقہ کے بارے میں علمائے اعلام اور اسلاف کرام کے اختلافات کا ذکر کرنے سے صرف اور صرف یہ مقصود تھا کہ آغازِ ولادت سے چالیس سال کی عمر شریف تک سرورِ کونین ﷺ کا عملی طرز پر اور بالفعل نبی ہونا قطعی امر کیسے ہو سکتا ہے جبکہ پہلی وحی کے نزول کے باوجود جب تک آپ نے اپنے صاحبِ وحی ہونے اور منصبِ نبوت کے ساتھ بہرہ ور اور سرفراز ہونے کا دعویٰ نہیں فرمایا زیارت کرنے والوں اور تصدیق کرنے والوں کو صحابی ماننا متفق علیہ اور اجتماعی امر نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ امر ہے۔ اگرچہ اصح قول اور راجح و مختار امر یہی ہے کہ پہلی وحی کے نزول پر آپ کی نبوت بھی ثابت ہو گئی تھی اور حضرت ورقہ کی صحابیت بھی۔ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

آنکہ ورقہ را صحابی توان گفت ظاهر تعریف صحابی کہ کردہ اند من رأی النبی مؤمناً به صادق است بروے و ظہور دعوت در آن شرط نہ کردہ اند۔

(مدارج النبوت ج: ۲، ص: ۳۲)

رہا یہ معاملہ کہ حضرت ورقہ کو صحابی کہہ سکتے ہیں کہ نہیں تو ظاہر ہے کہ صحابی کی جو تعریف علمائے اسلام اور اکابرین نے کی ہے یعنی ”جو ایمان کی حالت میں نبی ﷺ کی ذات اقدس کا دیدار کرنے“ وہ بظاہر ان پر سچی آتی ہے اور صحابیت کے لیے نبی کے دعوائے نبوت اور اعلانِ واطہارِ نبوت کی شرط عائد نہیں کی گئی۔

فائدہ:

اگر نزول وحی پر آپ ﷺ کو نبوت حاصل نہ ہوتی تو صحابی کی تعریف حضرت ورقہ پر قول مختار کے مطابق کیونکر سچی آسکتی تھی۔

پہلی وحی کے نزول پر جو دہشت و حیرت اور خوف و خشیت آپ کو لاحق ہوا اس کا سبب بعض حضرات نے یہ سمجھا تھا کہ آپ کو جنون اور کہانت کا اندیشہ لاحق ہو گیا تھا اور آنے والی شخصیت کے امین وحی اور روح الامین ہونے اور لائے جانے والے کلام کے وحی الہی اور کلام خدا ہونے کا ابھی آپ کو وثوق اور کامل و مکمل یقین نہیں تھا کیونکہ غار کی تنہائی میں اچانک اجنبی شخص کا وارد ہونا اور مصیبت والا کلام پیش کرنا موجب حیرت بن گیا اور آپ فوری طور پر اس میں غور و خوض نہ کر سکے۔

اس پر اپنا رد عمل ظاہر کرتے ہوئے اور اس حیرت و دہشت کا اصلی سبب اور علت موجبہ بیان کرتے ہوئے شیخ اجل، شیخ محقق فرماتے ہیں:

”وَأَنْ كَمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ لَوْ لَمْ يَنْزِلْ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا مِنَ الْمَلَأَيْنِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْحَقِّ كَمَا كَفَرُوا بِالْحَقِّ قَدْ كُنَّا فِيهَا كَاذِبِينَ“ (مدارج النبوت ج: ۲، ص: ۳۴)

حضرت را علم باں کہ آمدہ است اور ا جبریل از پیش خدا نہ جن و شیطان و شاق بود برآں حضرت کہ اورا مجنون گویند و کاہن خوانند نظر بسیاق قصہ کہ ذکر کردہ اند نادرست است چہ این خوف و هول بعد از نزول جبریل و ورود وحی و حصول علم نبوت است و بعد از مشاہدہ آیات و ظہور انوار و اسرار است چنان کہ معلوم شد۔

نہ بود این رجف فواد و ترس و هول از آن حضرت ﷺ مگر از غایت ہیبت و جلال در تعب آن مقام کہ طاقت بشریت از غلبہ سطوت آن بیتاب گشت و اگر نہ آن بودے کہ بتدریج ظہور آیات و علامات و انوار و مستعد

استفاضہ آن انوار ساختندے و مانوس و مالوف بانعام گردانیدے مشکل کہ نظام کارخانہ وجود بحال خود ماندے و باستهلاك نہ انجامیدے و قول آنحضرت ﷺ خشیت علی نفسی اشارت بمثل این حال خواهد بود و براین معنی حمل باید کرد، یا چون ثقل بار نبوت و صعوبت ادائے این امانت تصور کرد پشت طاقت او را شکست و ترسید بر نفس خود کہ در زیر این بار هلاک گردد ازین جهت فرمود

خشیت علی نفسی (مدارج النبوت ج: ۲، ص: ۳۳)

”علمائے کرام نے کہا ہے کہ محبوب کریم ﷺ کا خوف و ہراس اور حیرت و خشیت اس علم و معرفت سے قبل تھی کہ یہ آنے والا شخص جبریل امین ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے نہ کہ کوئی جن اور شیطان۔ اور آپ پر یہ امر گراں اور ناقابل برداشت تھا کہ لوگ آپ کو مجنون کہیں یا کاہن کہیں۔ لیکن اس قصہ کے سیاق و سباق کے لحاظ سے یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ جو خوف و ہراس اس روایت میں مذکور ہے وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے آنے، وحی اترنے اور نبوت کا علم حاصل ہونے کے بعد والے دور میں منقول ہے اور آیات کے مشاہدہ، انوار کے ظہور اور اسرار کے انکشاف کے بعد لاحق ہوا ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا۔ لہذا دراصل اس ہول و دہشت اور خوف و خشیت اور قلب و جگر کے لرزنے کا سبب اس مقام میں آپ کو لاحق ہونے والی مشقت اور کوفت کے غایت درجہ ہیبت و جلال تک پہنچ جانا تھا جس سے آپ کی طاقت بشری بوجہ غلبہ سطوت بیتاب ہو گئی تھی اور اگر تدبیر الہی کے تحت درجہ بدرجہ آیات و علامات اور انوار کا ظہور نہ ہوتا، آپ کو ان انوار و تجلیات کے استفادہ و استفاضہ کا مستعد اور اہل نہ بنایا جاتا اور اس انعام و اکرام سے مانوس اور مالوف نہ کیا جاتا تو مشکل تھا کہ آپ کا کارخانہ وجود بحال رہتا اور شکست و ریخت کے انجام سے دوچار نہ ہوتا۔ لہذا آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ ”مجھے اپنی ذات کے بارے میں خوف و ہراس لاحق ہو گیا ہے“ اس صورت حال کی طرف اشارہ ہے اور اس کو اسی معنی پر منطبق اور

محمول کرنا چاہیے

یا اس خوف و ہراس اور وہشت کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ نے نبوت کے بوجھ کو اٹھانے اور اس امانت کی کما حقہ ادائیگی کا تصور کیا تو اس نے آپ کی قوت و طاقت کی کمر توڑ دی اور آپ کو یہ ڈر اور خوف لاحق ہوا کہ میری ذات اس بارگراں کے نیچے ہلاکت سے ہی دوچار نہ ہو جائے اسی وجہ سے فرمایا ”مجھے اپنی ذات کے بارے میں خوف و ہراس لاحق ہو گیا ہے“

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی حضرت ورقہ کے پاس لے جانا اور پیش آمدہ صورت حال کے متعلق تبادلہ خیال کرنا یہ وہم پیدا کر سکتا تھا کہ شاید ان سے ملاقات اور گفتگو کا مقصد شک و تردد کا ازالہ ہے اس وہم کا قلع قمع کرتے ہوئے شیخ محقق نے فرمایا:

بردن خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ را نزد ورقہ نہ برائے رفع شد
و ریب بود و تحصیل اصل علم و یقین بود بلکه برائے مزید ایقان و اطمینان
و وضوح حجت و ظہور محجت کہ حکم نور علی نور دارد۔ و اگر آن را نظر
بحال خدیجہ رضی اللہ عنہا دارند و جہ صحت دارد چہ او با استدلال بوجود
صفات کمال کہ منافی طرد و خذلان و ضلال است علم نظری حاصل کردہ کہ
طریان وہم و احتمال غیر نیز شاید دخلے داشته۔

اماثبات احتمال و اشتباہ نسبت بحال آنحضرت ﷺ فحاشا
و کلا، چنان چہ تقریر کردیم و اگر آنحضرت ﷺ را بگفت ورقہ و تسلیہ او
وضوح و عیانے حاصل شد آن چنان خواہد بود کہ گاہے بعد از ظہور بعضے
معجزات می فرمود اشہد انی رسول اللہ برائے آن کہ در اذہان مردم در آید و
موجب زیادت برائے تصدیق و ایمان گردد و نیکو باید فہمید این معنی را و تحصیل

کرد این مطلب را و نیکو باید ایستاد درین مقام و نظر بایہام عبارت قوم از راہ نباید رفت والتائید والہدایۃ من اللہ۔ (مدارج النبوت ج: ۲، ص: ۳۴)

”حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا نہ آپ کے شک و شبہ کو دور کرنے کے لیے تھا اور نہ ہی اصل علم اور یقین کے حصول کے لیے۔ بلکہ مزید یقین اطمینان کلی اور حجت و برہان کی مزید وضاحت کے لیے جو کہ نور علی نور کے حکم اور درجہ میں تھا۔ اگر اس اقدام کا باعث اور محرک حضرت خدیجہ کی ذاتی حالت کو ٹھہرائیں تو البتہ اس میں درستگی کی وجہ ہو سکتی ہے کیونکہ انہوں نے پہلے پہل آپ میں موجود خداوندی صفات کمال سے (آپ کی نبوت پر) استدلال کیا اور علم نظری حاصل کیا کہ ایسے خداوندی کمالات اور امتیازات کا مالک ہونا بارگاہ خداوندی سے دور کیے جانے، راہ راست سے بھٹک جانے اور بے عزت و بے وقار کیے جانے کے سراسر منافی و مناقض ہے اس عقلی استدلال میں وہم کا طاری ہونا اور جانب مخالف کے محتمل ہونے کا اندیشہ ہو سکتا تھا تو انہوں نے اپنے اندر یقین و وثوق پیدا کرنے کے لیے یہ قدم اٹھایا ہو تو اس کا امکان و احتمال ہو سکتا ہے۔

لیکن محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات والا صفات میں اس طرح کے احتمال و اشتباہ کو ثابت کرنا، حاشا وکلا! ایسا نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے اور اگر حضور اکرم ﷺ کو ورقہ کی گفتگو سے اور ان کے تسلی دلانے سے وضاحت و صراحت اور مزید بصیرت حاصل ہوئی ہو تو وہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ بعض معجزات کے صدور ظہور کے بعد فرماتے تھے ”میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں“ تاکہ لوگوں کے اذہان میں یہ امر راسخ ہو جائے اور ایمان و تصدیق میں اضافہ اور ترقی کا موجب ہو جائے اس معنی و مفہوم کو اچھی طرح سمجھنا اور ذہن نشین کر لینا چاہیے اور اس مقام میں بڑی احتیاط سے قدم رکھنا چاہیے اور قوم کی وہم عبارات پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے راہ راست سے بھٹکنا نہ چاہیے واللہ هو الہادی

والمؤید والموفق للسلوك على الصراط المستقيم -

تنبیہ نبیہ:

جن علمائے کرام نے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں احتمال و اشتباہ کا قول کیا اور حیرت و دہشت کو اس کا ثمرہ اور نتیجہ قرار دیا تو حاشا وکلا ان کا قطعاً یہ مقصد نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذاتہ اریب و تردد اور شک و شبہ کا شکار ہو گئے تھے اور اپنی نبوت اور نزول وحی کا آپ کو جزم نہیں تھا اور نہ ہی ان علماء کا یہ مقصد ہے کہ مہینوں ہفتوں تک وہ کیفیت ذاتی شک اور تردد کی بنا پر برقرار رہی بلکہ جب قلب و جگر پر طاری لرزہ اور اچانک وارد ہونے والے نو وارد کا مکان خلوت میں نمودار ہونا، بذات خود ان کا پر شکوہ اور رعب و دبدبہ والا ہونا، پھر اس کلام خداوندی کی تلاوت کرنا اور دل و دماغ میں نقش کرنا جس سے پہاڑوں کے جگر شق ہو جائیں اور وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں ان تمام امور نے وقتی طور پر آپ کو اس طرف توجہ ہی نہ کرنے دی اور اپنی صفات کمال میں غور و فکر سے دور رکھا جس طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس میں غور و فکر کیا اور استدلال کیا اور نہ ہی آنے والے کی ذات کی طرف اور لائے جانے والے کلام کی طرف جیسا کہ بشر پر طاری ہیبت و دہشت کے اثرات و ثمرات ہوتے ہیں اور منصب نبوت کا حصول اور وہ بھی ابتدائی حالت میں بشری تقاضوں کے کلیتاً زائل ہونے کا سبب موجب نہیں بن سکتا ہے جیسا کہ علامہ قسطلانی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

لما فجأة من الامر المخالف للعادة والمألوف فنفر طبعه البشريه وحاله ذلك ولم يتمكن من التأمل في تلك الحالة لان النبوة لا تزال طباع البشرية كلها

(ارشاد الساری ج: ۱ ص: ۹۰)

”جب اچانک آپ کو ایسا معاملہ پیش آیا جو خلاف عادت خلاف مالوف اور غیر مانوس تھا تو آپ کی طبیعت بشری اس سے متنفر ہوئی اور آپ کو دہشت میں ڈالا اور اس حالت میں تامل

اور غور و فکر پر قادر نہ ہو سکے کیونکہ نبوت تمام تر بشری تقاضوں کو زائل نہیں کرتی“

اور جب آپ سے وہ لرزہ اور حیرت وغیرہ دور ہوئے، استغراق و محویت والی کیفیت کا فور ہوئی، اپنی ذات اور خداداد استعدادات و صفات کی طرف توجہ مبذول ہوئی، اپنے خداداد منصب کا علم یقینی مستحضر ہوا تو حضرت خدیجہ اور حضرت ورقہ کے کلام سے تائید مزید ہو گئی کہ میں اس نظریہ و عقیدہ میں تنہا نہیں ہوں بلکہ اور بھی لوگ میرے ساتھ اس امر کی تصدیق میں شریک ہیں۔ جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی تو آپ نے فرمایا واللہ ما علمت علی اہلی الا خیر ”بخدا! میں اپنے اہل اور زوجہ کے بارے میں خیر اور بھلائی کا ہی یقین رکھتا ہوں“۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی المرتضیٰ، و حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہم سے صلاح و مشورہ بھی فرمایا اور ان کے آپ کے ساتھ حضرت صدیقہ کی براءت کے یقین و اعتراف میں موافقت کے بعد آپ نے مجمع عام میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان فرمایا یہ مشاورت بھی اصل یقین کے حصول کے لیے نہیں بلکہ حق یقین اور کامل ترین وثوق و اطمینان کے لیے تھی لہذا یہاں بھی معمولی وقفہ اور چند ساعت کا توقف ہوا اور حضرت خدیجہ اور حضرت ورقہ کی تائید و موافقت بھی حاصل ہو گئی تو اس کے بعد آپ نے اظہار نبوت بھی فرمایا اور سلسلہ دعوت بھی شروع فرمایا اور فترت وحی کے دوران ہی حضرت صدیق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت بلال، حضرت خدیجہ اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات حلقہ غلامی میں داخل ہو گئے۔ فترت وحی کے بعد آپ نے علانیہ دعوت توحید و رسالت دینی شروع فرمائی اسی لیے شیخ محقق قدس سرہ اور دوسرے علمائے اعلام نے ان حضرات پر انکار نبوت وغیرہ کا حکم نہیں لگایا اور نہ ضلالت و گمراہی کا فتویٰ صادر فرمایا اور نہ ہی حضرت ورقہ کی صحابیت کے انکار اور نفی کو بدیہی البطلان اور موجب طعن و تشنیع ٹھہرایا اور ظاہر ہے کہ صحابیت کے لیے نبوت کے حصول کے بعد کسی خاص مدت کا گزرنا ضروری نہیں اور نہ کسی کا یہ قول اور دعویٰ

ہے کہ جب تک نبی کو نبوت ملنے کے بعد سال یا چھ ماہ مثلاً نہ گزر جائیں ان کی زیارت کرنے والے کو صحابی نہیں کہہ سکتے۔

نیز عند اللہ منصب نبوت کا مالک ہونا اور اس کے ساتھ موصوف ہونا علیحدہ امر ہے اور لوگوں کے نزدیک نبی ہونا اور ان کا حلقہ غلامی میں داخل ہونے اور ایمان لانے کا پابند اور مکلف ہونا علیحدہ امر ہے۔ فریق ثانی نے آپ کی عند اللہ نبوت سے اختلاف نہیں کیا بلکہ دوسری صورت کے لحاظ سے نفی کی ہے اور حضرت ورقہ کی صحابیت کا بھی اسی بناء پر انکار کیا ہے کیوں کہ آپ نے ابھی اظہار نہیں فرمایا تھا کہ میں نبی ہوں بلکہ ورقہ بن نوفل اس امر کا اظہار کر رہے تھے، جیسے کہ آپ کا دعویٰ نہیں تھا کہ میں اس امت کا نبی ہوں بلکہ بحیراراہب اس کا اظہار فرما رہے تھے کہ یہ اس امت کے نبی ہیں، هذا فتامل حق التامل۔ اسی وجہ سے فریق ثانی نے حضرت ورقہ بن نوفل کو بحیراراہب کی مانند اور مماثل ٹھہرایا، هذا والله ورسوله اعلم۔

نبوت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کس شریعت پر تھی؟

یہاں یہ بات بھی قابل غور و فکر ہے کہ محققین علماء نے اس بات کی تفصیلات ذکر فرمائی ہیں کہ بعثت سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کس کی شریعت کے مطابق تھی؟ بعض نے حضرت نوح، بعض نے حضرت موسیٰ، کچھ نے حضرت عیسیٰ اور بہت سے اکابر نے حضرت ابراہیم علیہم السلام کے اسمائے مبارکہ ذکر فرمائے ہیں۔ اگر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم وقت پیدائش سے ہی بالفعل نبی اور رسول تھے تو کسی اور نبی یا رسول کی شریعت پر عمل کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اور پھر اس بارے میں جن علماء نے مختلف اقوال ذکر فرمائے ہیں ان کو یہ خیال کیوں نہ آیا کہ آپ تو وقت پیدائش ہی سے نبی اور رسول تھے؟ اندر میں صورت اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ سکتی تھی۔ ”محققین عصر“ کو غور فرمایا چاہیے کہ اس سے ان اکابر کا کیا نظریہ معلوم ہو رہا ہے؟ اس سلسلے میں اکابر کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

(۱) شیخ محقق، شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

علماء را در آن اختلاف است کہ آنحضرت ﷺ پیش از بعثت تعبد و امثال بشریے از شرائع میگرد یا نہ؟ مختار نزد اصولیین اول است پس بعضی گویند تعبد او بشرع نوح علیہ السلام بود و بعضی گویند بشریعت ابراهیم علیہ السلام و بعضی بموسیٰ و بعضی بعیسیٰ علیہ السلام۔ و بعضی گویند لا علی التعمین ہر چہ ثابت میشود کہ شریعتی از شرائع است تعبد می نمود ہر شریعت کہ باشد (تا) پس متعمین گشت کہ تعبد بشریعت ابراهیم علیہ السلام داشت والحق چنین سزد زیرا کہ علم قریش بدین ابراهیم و اتباع ایشان آنرا اولیٰ و اقرب بود چنانکہ گویند کہ آبائی آنحضرت ﷺ ہمہ بر دین ابراهیم علیہ السلام بودہ اند۔ و آنها کہ گویند کہ تعبد وے نہ بشریعت بود گویند کہ بحکم عقل و استحسان وے بود بالہام و رؤیائی صالحہ کہ در قریب مبادی ظهور نبوت میدید و میل امام غزالی درین مسئلہ توقف و تردد است از جهت عدم دلیل قاطع الخ۔

(شرح سفر سعادت ص ۲۶)

ایک اور مقام پر اسی مضمون کو یوں ادا فرماتے ہیں:

علماء اختلاف دارند کہ آنحضرت ﷺ پیش از نبوت تابع شریعتی از شرائع سابقہ بود یا بحکم عقل و استحسان آن عمل می نمود یا از ہر شریعتی ہر چہ اولیٰ و افضل می یافت میگرد و اگر تابع شریعت بود کدام شریعت بود مختار آنست کہ تابع دین ابراهیم علیہ السلام بود و لہذا در روایتی بجائے یتحدث یتحنف بہ فانہ آمده کہ عمل کردن است بدین جنیف کہ لقب ابراهیم علیہ السلام است و ظاہر آنست کہ از جانب حق تعالیٰ نور رشد و ہدایت در دل وے تافتہ بود کہ

بدان مقرب و مرضی در گاہ بعنمل می آمد بی اتباع شریعتی و حکم عقل۔ نیز اختلاف دارند کہ تعبد وے بفکر بود یا بذکر و صحیح آنست کہ بذکر بود نہ بفکر۔
(اشعة اللمعات جلد چهارم ص ۵۳۱، ۵۳۲)

(۲) حضرت شیخ نورالدین علی بن زین الدین ابی المواہب الشہیر بابن الجزار فرماتے ہیں:

اختلف فیما کان یتعبد بہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الوحی والنبوة فقیل بشریعة ابراهیم و قیل بغيره مذاہب اصحابها واجلها واولاها مذهب من ذهب الی الوقوف عن ذلك والسکوت وهو صلی اللہ علیہ وسلم مطبوع علی الحق والخیر واخلق الکرام الموافقة لما جاءت به شریعتہ بالهامر اللہ له من حین نشاء صغیرا۔ (بحوالہ جواہر البحار جلد سوم ص ۸۷)

”اس امر میں اختلاف ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی اور نبوت کے نزول سے پہلے کس شریعت پر عبادت کیا کرتے تھے بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا ہونے کا قول کیا اور بعض نے دوسری شریعتوں کے مطابق عبادت کرنے کا قول کیا۔ لیکن اصح اور اجل اور اولیٰ بالقبول مذہب اور نظریہ ان کا ہے جنہوں نے اس بارے میں توقف اور سکوت کا قول کیا ہے جبکہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق ہی حق و صواب اور خیر و رشد پر ہوئی اور ان اخلاق کریمہ پر جو آپ کی شریعت میں وارد ہونے والے احکام کے موافق تھے بسبب اللہ تعالیٰ کے الہامات کے جو صغریٰ سے ہی آپ کو ہونے لگے تھے“

(۳) عارف باللہ شیخ عبداللہ البسنوی الرومی علیہ الرحمہ زمانہ فترت میں دین ابراہیم علیہ السلام پر ثابت قدم رہنے والے حضرات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالیٰ ثم اوحینا الیک یا محمدان اتبع ملة ابراهیم حنیفا وما کان من المشرکین امرہ اللہ تعالیٰ ان یتبع ملة ابيه ابراهیم علیہ السلام فكانت

ملته شرعا من الله و ليس فوق هذا في اثبات ملة ابراهيم و بقاءها الى بعثة سيدنا
 محمد ﷺ نص فان سيدنا محمد ﷺ كان في ملته قبل بعثته فلما بعث منها بعث
 بها من حيث كونها شرعا له
 (بحوالہ جواہر البحار)

”اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا پھر ہم نے اے محمد ﷺ
 آپ کی طرف وحی نازل کی کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرو جو کہ حق پر ثابت قدم
 ہیں اور شرک کرنے والوں میں سے قطعاً نہیں ہیں اس کلام میں اللہ نے آپ کو اپنے باپ ابراہیم
 علیہ السلام کی ملت کا پابند بنایا تو ان کی ملت اللہ تعالیٰ کی شریعت ٹھہری اور اس آیت سے بڑھ
 کر ملت ابراہیم کے ثبوت و تحقق اور سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک اس کے دوام و بقا کی کوئی نص
 اور دلیل صریح نہیں ہے۔ کیوں کہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد کریم ﷺ سے قبل ان کی ملت
 پر تھے اور جب آپ کو مبعوث فرمایا گیا اور شرف نبوت و رسالت سے بہرہ ور کیا گیا تو اسی ملت
 کو آپ کی شریعت بنا کر اس کیساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا“
 مزید فرماتے ہیں:

لان دين ابراهيم عليه السلام باق في ذريته من المسلمين الى مبعث
 الرسول فلذلك وفقه الله تعالى في ابتداء امره لعبادته بملة ابراهيم عليه السلام حتى
 جاءه الملك من عند الله تعالى بالرسالة والنبوة قال الشيخ رضی اللہ عنہ فی
 الفتوحات فی الباب الخامس والاربعين ولما كانت حالته ^{عليه السلام} في ابتداء امره ان الله
 تعالى وفقه لعبادته بملة ابراهيم الخليل عليه السلام و كان يخلو بغار حراء يتحنث
 فيه عناية من الله سبحانه به ^{عليه السلام} الى ان فجأه الحق فجاءه الملك فسلم عليه
 بالرسالة و عرفه بنبوته فلما تقررت عنده ارسل الى الناس كافة بشيراً و نذيراً و
 داعياً الى الله باذنه و سراجاً منيراً انتهى كلامه

فحينئذ مازالت ملة ابراهيم ثابتة و مازالت امة من ذريته مسلمة من لدن
دعوة ابراهيم عليه السلام الى بعثة الرسول ﷺ بالرسالة والنبوة عند الاربعةين من
عمره فحينئذ كان ﷺ بعثته من الامة المسلمة من ذريته۔

ولهذا قال تعالى و ابعث فيهم رسولا منهم لانه كان يتعبد على ملة
ابراهيم فانختمت به ﷺ ملة ابراهيم عليه السلام عند بعثته من حيث تعبد به ملة
ابراهيم عليه السلام من حيث كونها ملة ابراهيم عليه السلام و بعد بعثته شرعت له
ملة ابراهيم اتباعا لملته لا لابراهيم فتعبد بها من حيث بقيت ذريته في ملته و ملته
في ذريته من الامة المسلمة و ختمت ملته بالرسول الذي طلبه من ربه ان يبعثه من
الامة المسلمة من ذريته و جعله قبل بعثته منهم لانه منهم نسباً و ملة الخ۔

(بحوالہ جواہر البحار جلد سوم ص ۸۷)

”کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کا دین ان کی مسلمان اولاد میں رسول گرامی ﷺ کی بعثت
تک باقی رہا۔ اسی لیے ابتدائی دور حیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ملت ابراہیمی کے مطابق ہی
عبادت کرنے کی توفیق بخشی تا آنکہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نبوت و رسالت کے
ساتھ نازل ہوا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فتوحات مکیہ کے پینتالیسویں باب
میں فرمایا محبوب کریم ﷺ کی ابتدائی امر میں حالت یہ تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی
کے مطابق عبادت کرنے کی توفیق بخشی اور آپ بہ سبب اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت کے (جو آپ کی
ذات پاک کے شامل حال تھی) غار حرا میں خلوت گزریں ہو کر عبادت کیا کرتے تھے حتیٰ کہ وہیں
حق آپ پر اچانک ظہور پذیر ہوا تو جبرئیل امین علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ کو رسالت
والے منصب کے ساتھ سلام پیش کیا اور آپ کو آپ کے منصب نبوت کیساتھ متعارف کرایا جب
نبوت و رسالت آپ کے ہاں مقرر و متحقق ہو چکی تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی طرف

بشارت سنانے والا اور عذاب خداوندی سے ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا اس کے اذن اور توفیق سے اور نور پھیلانے والا چراغ بنا کر مبعوث فرمایا انتھی کلامہ“

فائدہ:

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کے نزدیک آنحضرت ﷺ نزول وحی اور جبرئیل کی حاضری سے قبل ملتِ ابراہیمی پر عبادت کیا کرتے تھے اگر آپ آغازِ ولادت سے ہی تھے تو پھر اپنی شریعت پر عمل پیرا ہوتے۔ فتامل حق التامل۔

(یہاں سے پھر عربی عبارت کا ترجمہ)

”حضور اکرم ﷺ کے عمل مبارک اور طرزِ عبادت سے واضح ہو گیا کہ ملتِ ابراہیمی ہمیشہ کیلئے قائم و دائم رہی اور ان کی اولاد میں سے ایک جماعت اسلام پر قائم رہی جب سے کہ انہوں نے اولاد میں سے بعض کے اسلام پر قائم رہنے کی دعا فرمائی۔ تا آنکہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر نبوت و رسالت کے ساتھ مبعوث ہوئے تو اس وقت آنحضرت ﷺ کی آپ کی ذریت میں سے امت مسلمہ میں بعثت ہوئی لہذا اللہ تعالیٰ نے (ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا) ﴿وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ ان میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما کیونکہ آپ ان کی ملت و شریعت کے مطابق عبادت خداوند تعالیٰ بجالاتے تھے تو آپ پر ملتِ ابراہیمی کا اختتام ہوا کیونکہ اپنی بعثت سے قبل اس ملت پر ملتِ ابراہیمی کی حیثیت سے عمل پیرا تھے اور آپ کی بعثت کے بعد وہی ملت آپ کی شریعت قرار پائی تو اس پر عمل پیرا ہوئے اس حیثیت سے کہ وہ اب آپ کی ملت تھی نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چنانچہ آپ نے اس کے مطابق عمل فرمایا اس لحاظ سے کہ انکی ذریت ان کی ملت میں رہی اور ان کی ملت ان کی مسلم ذریت اور اولاد میں برقرار رہی اور ان کی ملت کا اختتام اس رسول گرامی ﷺ کی بعثت پر ہوا جس کو انہوں نے اپنے رب کریم سے طلب کیا تھا کہ

میری اولاد میں سے امت مسلمہ میں اس رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانا اور بعثت سے قبل آپ کو ان میں سے ایک فرد قرار دیا گیا کیونکہ آپ از روئے نسب بھی ان میں سے تھے اور از روئے ملت بھی ان میں سے تھے“

فائدہ:

عارف باللہ حضرت شیخ بسنوی رومی نے بھی قبل از بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیم اور شریعت خلیلی پر کار بند تسلیم کیا اور عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر نبوت و رسالت کے ساتھ مبعوث ہونے کا اقرار و اعتراف کیا اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کا کلام بھی اپنے نظریہ و عقیدہ کی تائید میں پیش کیا لہذا دوسرے اکابرین کی طرح ان کا بھی نظریہ اور عقیدہ یہی ثابت ہوا کہ جسمانی طور پر عملی اور بالفعل نبوت آپ کو چالیس سال کے بعد ہی عطا کی گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم اجسام میں چالیس سال بعد اعطائے نبوت کے متعلق اکابرین

امت کی مزید تصریحات:

شیخ محقق کی دس عبارات:

اصحاب بدر کے اسماء مبارکہ بیان کرتے ہوئے شیخ محقق فرماتے ہیں:

اول ایشان و امام و سید ایشان و سید تمام عالمیان النبی محمد بن عبد اللہ

الہاشمی ولادت وے در عنام الفیل و بعثت او بر راس الاربعین و دور نبوت وے

ثلاث و عشرين وے عمر شریف وے ثلاث و ستین سید المرسلین و خاتم النبیین ﷺ

و علی آلہ و اتباعہ و اخزابه اجمعین (اشعة اللغات جلد چہارم ص ۷۴۲)

”غزوہ بدر میں شامل ہونے والوں میں سب سے اول اور سب کے امام اور سردار اور

تمام جہان والوں کے سردار نبی مکرم محمد بن عبد اللہ ہاشمی ہیں آپ کی ولادت شریفہ (ابرحمہ کے

لشکر اور اسکے) ہاتھیوں کے تباہی والے سال ہوئی اور آپ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور آپ کی نبوت کا دور اینہ تیس (۲۳) سال ہے“
ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ در تاریخ از شعبی آورده کہ گفت فرو فرستاده شد بر آنحضرت ﷺ نبوت و حالانکہ وہ ابن اربعین سنہ بود۔

(مدارج النبوة جلد دوم ص ۳۴)

”امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تاریخ کی کتاب میں شعبی تابعی سے ذکر کیا ہے کہ محبوب کریم ﷺ پر نبوت چالیس سال کی عمر میں نازل کی گئی“
ایک اور تصریح ملاحظہ ہو:

علماء اختلاف دارند کہ آنحضرت ﷺ پیش از نبوت تابع شریعتے از شرائع سابقہ بود یا بحکم عقل و استحسان آن عمل مینمود یا از هر شریعتے هر چه اولی و افضل مینافت میکرد و اگر تابع شریعتے بود کدام شریعت بود۔ مختار آنست کہ تابع دین ابراہیم علیہ السلام بود و لهذا در روایتے بجائے يتحنث يتحنف بہ فانیز آمده کہ عمل کردن است بدین حنیف کہ لقب ابراہیم علیہ السلام است۔ و ظاہر آنست کہ از جانب حق نور رشد و ہدایت در دل وے تافتہ بود کہ بدان مقرب و مرضی در گاہ بعمل می آمدیے اتباع شریعتے و حکم عقل۔

(اشعة اللمعات جلد سوم ص ۵۳۲)

علماء کرام اس معاملہ میں باہم اختلاف رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے قبل سابقہ شریعتوں میں سے کسی شریعت کے تابع تھے یا تقاضائے عقل اور اس کے کسی امر کو مستحسن سمجھنے پر عمل فرماتے تھے یا تمام شریعتوں میں سے جس شریعت کا عمل اولیٰ اور افضل پاتے تھے اسی

کو اپنا لیتے تھے۔ اور اگر کسی شریعت کے تابع تھے تو وہ کون سی شریعت تھی؟ (ان اقوال میں سے) مختار قول یہی ہے کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے دین و مذہب کے تابع تھے۔ اسی لیے بعض روایات میں یہ حدیث بمعنی عبادت کرنے کی جگہ یہ حدیث وارد ہے یعنی دین حنیف کے مطابق عمل فرماتے تھے اور حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی لقب ہے۔ مگر ظاہر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے دل مبارک میں رشد و ہدایت کا نور چمکتا تھا جس کی بدولت بارگاہ خداوند تعالیٰ میں مقبول و محبوب عمل آپ کو معلوم ہو جاتا اور اسی پر عمل پیرا ہو جاتے بغیر اس کے کہ کسی شریعت پر عمل فرماتے یا عقل کے تقاضے اور حکم کی اتباع فرماتے۔

فائدہ:

اگر آنحضرت ﷺ آغازِ ولادت سے ہی نبی ہوتے یا عالم ارواح والی نبوت دائم اور مستمر ہوتی اور آپ کو اس کے احکام مستحضر ہوتے تو علمائے کرام کے اذہان میں یہ سوال ہی کیوں پیدا ہوتا کہ آپ کسی شریعت پر عمل پیرا تھے یا نہیں؟ اور عمل پیرا ہونے کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا تابع ہونا مختار اور راجح کیوں ٹھہراتے؟ اور نور رشد و ہدایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ عمل معلوم کر لینا اور اسی کو رو بہ عمل لانا بغیر کسی شریعت کی اتباع کے یا استحسان عقل کی پیروی کے اس کو ظاہر اور واضح امر کیوں ٹھہرایا جاتا ہے جبکہ ایک ہستی نبی ہے تو اس کے پاس لوگوں کے رشد و ہدایت اور اصلاح کا سامان نہیں تھا تو کم از کم اپنی تربیت کا سامان ہونا چاہیے تھا۔ لہذا شیخ اجل کا نظریہ یہاں پر واضح ہے کہ آپ غارِ حرا میں عبادت کے دورانیہ تک بالفعل نبی نہیں تھے بلکہ اس کے بعد ہی آپ کو جسمانی طور پر عالم اجسام کے لیے منصب نبوت عطا فرمایا گیا۔

چوں ایام وحی نزدیک رسید التزام و اکتساب کرد در خلوت و عبادت تا

ناگہاں در آمد بروے حق وارد گشت وحی و نازل شد قرآن مجید و خیال نیکند

کہ ظہور نبوت و ورود وحی اثر مجاہدہ و ریاضت و عبادت بود زیرا کہ نبوت محض موهبت و عنایت است و کسب و عمل را در آن دخل نیست:

تبارك الله ما وحى بمكتسب ولا نبى على غيب بمتهم

نعم ولایت نسبتے و سببے هست کہ کسب و ریاضت را در آن مدخلے و تاثیرے هست کہ بوءے کشف بعضے عوالم و مشاهدہ بعضے روحانیات والہام بعضے معانی حاصل گردد۔ اما نبوت قرب خاص و نسبتے مخصوص است کہ وحی آسمانی کہ حامل آن روح القدس است کہ او را جبرئیل امین گویند بمحض اصطفاء و اجتنائے الہی حاصل گردد۔ (مدارج النبوة جلد دوم ص ۳۱)

”جب وحی کے دن قریب آگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت اور عبادت کو زیادہ اپنے اوپر لازم کر لیا اور اس میں اکثر طور پر مشغول رہنے لگے تا آنکہ ناگاہ آپ پر حق ظاہر ہو گیا وحی وارد ہوئی اور قرآن مجید کا نزول ہوا۔ لیکن یہ خیال قطعاً نہ کریں کہ آپ کی نبوت کا ظہور اور وحی کا ورود اس مجاہدہ و ریاضت اور عبادت کا اثر اور نتیجہ ہے کیونکہ نبوت خالص ہبہ و عطیہ اور عنایت ربانی ہے کسب و عمل کو اس حصول میں دخل نہیں ہے کما قال البوصیری قدس سرہ :

”اللہ تعالیٰ بہت بابرکت ہے کوئی وحی اور نبوت کسب و عمل سے حاصل ہونیوالی نہیں ہے اور نہ کوئی نبی (بذریعہ وحی) غیب جاننے پر محل تہمت ہے“

ہاں ولایت ایسی نسبت اور سبب قرب ہے کہ اس میں کسب و عمل اور مجاہدہ و ریاضت دخل اور موثر ہیں کہ ان کی بدولت بعض جہانوں کا انکشاف اور بعض روحانیوں کا مشاہدہ اور بعض معانی و مطالب کا الہام حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن نبوت تو خاص قسم کا قرب اور مخصوص قسم کی نسبت ہے جو کہ وحی آسمانی جس کے حامل روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام ہیں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور وحی سماوی محض اللہ تعالیٰ کے کسی بندہ کو اس منصب کے لیے پسندیدہ اور مخصوص

ٹھہرانے سے حاصل ہوتی ہے“

فائدہ (۱):

اگر شیخ محقق کے نزدیک آنحضرت ﷺ آغازِ ولادت سے ہی نبی تھے تو پھر اس وہم کی گنجائش ہی کیا تھی کہ ان مجاہدات و ریاضات اور کسب و عمل کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کو نبوت ملی جو کہ ساڑھے انتالیس سال پہلے مل چکی تھی اور اسکو دور کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کیونکہ اس صورت میں یہ مجاہدے اور ریاضات حصول نبوت کے بعد تھے اور نبوت کے دورانہ میں تھے ان پر نبوت کا ترتب متصور ہی کب ہو سکتا تھا؟ تاکہ یہ وہم کسی کے ذہن میں پیدا ہوتا اور شیخ محقق اس کا دور کرنا ضروری سمجھتے۔

فائدہ (۲):

نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ کے نزدیک جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعے وارد ہونیوالی وحی ہی نبوت کے حصول و وصول کا ذریعہ ہے اور یہ امر یقینی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام والی وحی پہلی دفعہ چالیس سال کی عمر پوری ہونے پر ہی نازل ہوئی جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین سے مروی ہے۔

نوٹ:

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ شیخ اجل قدس سرہ نے اپنے اس نظریہ کو اس عنوان کے تحت ذکر فرمایا ہے ”باب سوم در بدو وحی و ثبوت نبوت و ظهور دعوت“ ارنح اعلان نبوت سے تعبیر نہیں کیا بلکہ ثبوت نبوت سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ آپ کو لے کر حضرت ورقہ کے پاس گئیں اور پیش آمدہ صورت حال کے متعلق تبادلہ خیال کیا تو انہوں نے آپ کے نبی ہونے کا اقرار کیا اور تصدیق کی تو آیا وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں شمار کیے جاسکتے ہیں یا نہیں تو اس کے متعلق حضرت شیخ محقق کا

نظریہ معلوم کریں:

بدانکہ درایمان ورقہ بآنحضور ﷺ خلافی نیست و لیکن در صحبت
خلاف است۔ اگر ایس واقعہ بعد از ثبوت نبوت است صحابی است و اگر
در مبادی احوال است چنانچہ ظاہر است صحابی نیست۔

(اشعة اللمعات جلد چہارم ص ۵۳۲)

”جان لو کہ حضرت ورقہ کے مومن ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ لیکن ان کے صحابی
ہونے میں اختلاف ہے اگر یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بالفعل تحقق اور ثبوت کے بعد کا
ہے تو پھر وہ صحابی ہیں اور اگر یہ آپ کی نبوت کے مبادی اور تمہیدی احوال سے ہے جیسے کہ ظاہر یہی
ہے تو پھر وہ صحابی نہیں ہیں“ واللہ اعلم۔

قابل غور امر یہ ہے کہ پہلی وحی نازل ہو چکی (اقرا باسم ربك) الآیة کا نزول ہو چکا
لیکن اب بھی شیخ محقق کے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ آپ ابھی بالفعل نبی نہیں ہیں اور آپ کی نبوت
کا تحقق اور ثبوت نہیں پایا گیا بلکہ مبادیات احوال اور تمہیدی صورتحال ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ”مفتیان کرام“ ان کے متعلق کیا فتویٰ صادر فرماتے
ہیں؟ ہم غریب تو ان مقتدایان انام کے تابع ہیں اور انہی کی کتابیں پڑھ کر دین کی سمجھ بوجھ
حاصل کرنے والے ہیں تو ان کو اس طرح کے فتاویٰ سے نہ نوازنا اور تابع و تبع کو ہدف تنقید بنالینا
کون سی دیانت اور امانت ہے؟ اور کس طرح کی علمیت اور دینداری کا مظاہرہ ہے؟ کیا یہ صرف
”دین ملانی سبیل اللہ فساد“ کا مظاہرہ تو نہیں ہے؟

حدیث شریف میں وارد ہے کہ سچا خواب نبوت کے چھیا لیس اجزا میں سے ایک
جز ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے شیخ محقق علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بعض علمائے کرام نے اس
نسبت کو اس طرح ثابت کیا ہے:

کہ حق تعالیٰ وحی فرستاد بسوئے پیغمبر خود ﷺ ششماہ در منام بعد ازاں وحی فرستاد در یقظہ باقی مدت حیات و دور نبوت ہمہ بست و سه سال است و نسبت ششماہ بہ بست و سه سال نسبت يك جز است بہ چهل و شش۔ این وجہ مناسب و معقول است اگر ثابت شود کہ وحی در ابتدائے نبوت ششماہ در منام بود (مدارج النبوة جلد اول ص ۲۴۰)

”اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کی طرف چھ ماہ تک خواب میں وحی نازل فرمائی بعد ازاں باقی عرصہ حیات میں حالت بیداری میں وحی نازل فرمائی اور آپ کی نبوت کا دور تیس سال ہے اور چھ ماہ کی نسبت تیس کے ساتھ ایک اور چھیالیس والی نسبت ہے۔ یہ وجہ مناسبت کی مناسب اور معقول ہے اگر ثابت ہو جائے کہ آغاز نبوت میں وحی نیند کی حالت میں چھ ماہ تک نازل ہوتی رہی (اگر چھ ماہ سے کم یا زیادہ ہو تو پھر یہ نسبت ثابت نہیں ہو سکے گی“

فائدہ عظیمہ:

شیخ محقق قدس سرہ نے اگر تردد ظاہر کیا تو حالت نیند والی وحی کی میعاد میں، نہ کہ آپ کی تمام کی تمام مدت نبوت میں۔ تو ثابت ہوا کہ دور نبوت صرف اور صرف تیس سال ہونا مسلم امر ہے اور ناقابل ریب اور تردد حقیقت ہے اگر حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ بچپن اور آغاز سے ہی نبی ہوتے تو دور نبوت تیس سال کیسے ہوتا ہے؟ اور وحی منام کی مدت چھ ماہ ہوتی تو ایک اور چھیالیس والی نسبت کیسے پائی جاسکتی تھی؟ لہذا واضح ہو گیا کہ آپ کے نزدیک چالیس سال کی عمر میں ہی وحی اور نبوت کا نزول ثابت ہے۔

﴿المر یتیمنا فآوی﴾ (الضحیٰ: ۶) الآیة کے تحت فرماتے ہیں:

چوں در حالت صغرو عیلت و یتم مهمل و مہجور فرو نگذاشت بعد از اختصاص و اصطفاء بہ نبوت و رسالت چوں خواهد گذاشت۔

(مدارج النبوة جلد اول ص ۶۸)

”جب صغریٰ اور محتاجی اور یتیمی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں مہمل اور مجبور نہیں چھوڑا اور نظر انداز نہیں کیا تو نبوت اور رسالت کے ساتھ مختص اور ممتاز ٹھہرانے کے بعد کیونکر نظر انداز فرمائے گا“

فائدہ:

اگر صغریٰ اور حاجت مندی اور یتیمی کا دورانیہ نبوت و رسالت سے پہلے نہیں تھا بلکہ آغاز ولادت سے ہی آپ نبی تھے تو پھر اس تقابل و توازن کا اور آغاز سے انجام اور ابتداء سے انتہاء پر استدلال کا کیا مطلب ہوگا؟

قول باری تعالیٰ ﴿ووجدك ضالاً فهدى﴾ (الضحیٰ: ۷) کے تحت فرماتے ہیں:

اتفاق علماء است کہ آنحضرت ﷺ ہرگز نہ پیش از نبوت و نہ بعد از وے متصف و موسوم بضلالت نشدہ و نشاءت او بر توحید و ایمان و عصمت است و همچنین تمام انبیاء و مرسلین صلواة اللہ علیہم اجمعین بر آن ناشی اندو نقل نکرده است هیچ یکے از اهل اخبار کہ یکے از آنها کہ بہ نبوت و رسالت اضطفاء و اجتناباً یافتہ اند موصوف و معروف بودہ پیش از ان بکفر و اشراک و فسق و ضلالت و مستند این باب عصمت است (مدارج النبوة جلد اول ص ۸۲)

”علماء کرام کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ضلالت و گمراہی کے ساتھ کبھی موصوف اور موسوم نہیں ہوئے اور آپ کی ولادت باسعادت اور تربیت و پرورش توحید و ایمان اور عصمت پر ہوئی ہے اور تمام انبیا کرام اور رسل عظام صلوات اللہ علیہم اجمعین کی ولادت اور تربیت و پرورش توحید اور ایمان اور معصومیت پر ہوئی اہل اخبار میں سے کسی نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ جو جو شخصیات نبوت و رسالت کے ساتھ مختص اور

ممتاز ٹھہرائے گئے ان میں سے کوئی بھی نبوت و رسالت کے ساتھ موصوف اور مختص ہونے سے قبل کفر و شرک اور فسق و ضلالت کے ساتھ موصوف اور معروف تھا نعوذ باللہ۔ اور اس باب اور اس دعویٰ کی دلیل اور بنیاد ان کی عصمت ہے“

فائدہ اولیٰ:

اگر نبی مکرم ﷺ آغاز ولادت سے ہی نبی تھے تو شیخ نے پیش از نبوت کیوں فرمایا؟

فائدہ ثانیہ:

کفر و شرک اور فسق و ضلالت سے منزہ و مبرا ہونے کی اساس اور بنیاد عصمت ہے تو جن ”مجتہدین زمانہ“ نے عصمت کو نبوت کی دلیل بناتے ہوئے یہ اجتہاد فرمایا کہ چونکہ آنحضرت ﷺ بچپن سے ہی معصوم ہیں تو ان کا بچپن سے ہی نبی ہونا ضروری ہے وہ اس آئینہ میں اپنے اجتہاد کی حقیقت اور حیثیت کا اندازہ کریں اور اس کے ادراک اور تہ تک رسائی کی کوشش کریں کہ کہاں یہ اور کہاں شیخ محقق وہ کیا فرماتے ہیں اور یہ لوگ کیسے دعوے کرتے ہیں۔

چه نسبت خاک را با عالم پاک

ہم تو یہی عرض کر سکتے ہیں:

بہیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

نیز سارے انبیاء و رسل علیہم السلام جب بچپن سے ہی معصوم ہیں تو پھر سبھی کو آغاز ولادت سے ہی ماننا لازم اور ضروری ٹھہرا جبکہ ہر عقل مند کے نزدیک یہ لازم باطل بلکہ بدیہی البطلان ہے۔

قول باری تعالیٰ ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَلَدَمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ (الفتح: ۲)

کے تحت بعض علماء نے یہ کہا تھا کہ مَنْ ذَنْبِكَ سے مراد وہ امور ہیں جو آپ سے قبل از نبوت زمانہ جاہلیت میں سرزد ہوئے تو اس قول کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

امام سبکی گفتہ این قول مردود است زیرا کہ نبود پیغمبر خدا ﷺ را

جاهلیت و وے معصوم است پیش از نبوت و بعد از وے (مدارج النبوة جلد اول ص ۱۷۱)
 ”امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قول مردود ہے کیونکہ پیغمبر خدا ﷺ کے لیے
 جاہلیت کا دور نہیں تھا بلکہ آپ نبوت سے پہلے بھی معصوم تھے اور نبوت کے بعد بھی معصوم تھے“
 فائدہ:

گویا صرف شیخ محقق ہی نہیں بلکہ امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ بھی یہی ہے کہ
 آنحضرت ﷺ آغاز ولادت سے نبی نہیں ہیں ورنہ ”معصوم است پیش از نبوت“ کا کوئی
 مطلب ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عالم ارواح یا اصلاب آباء اور ازحام امہات کے لحاظ سے عصمت
 بیان نہیں کی جاتی بلکہ عنصری وجود اور جسمانی زندگی کے ساتھ اسکا تعلق ہوتا ہے۔

(یہاں تک صرف شیخ محقق کی نو عبارتیں بمع ترجمہ و توضیح پیش کی گئیں)

الغرض صرف حضرت شیخ اجل کی تصریحات ان کی کتب سے درج کر دی جائیں تو
 بہت بڑا دفتر تیار ہو جائیگا لہذا (مشتے نمونہ از خروارے) پر اکتفاء کرنا ہی موزوں اور مناسب
 ہے۔ اب دوسرے چند اکابرین کی تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔

(یہاں تک امام سبکی اور شیخ محقق علیہما الرحمہ کے دس حوالے آچکے ہیں)

(۱۱) سبل الہدیٰ والرشاد میں حضرت علامہ شامی فرماتے ہیں:

اطبق العلماء علی ان النبی ﷺ بعث علی راس الاربعمین

(جلد ثانی ص ۲۲۵)

”تمام علماء کرام کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ نبی مکرم ﷺ چالیس سال کی عمر

شریف میں مبعوث فرمائے گئے“

(۱۲) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

اتفعلوا المناب صلی اللہ علیہ وسلم اقام المدینة بعد الهجرة عشر سنين و بمكة قبل النبوة

(شرح مسلم جلد دوم ص ۲۴۰)

اربعين سنة

”علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ المنورہ میں دس سال قیام پذیر رہے اور مکہ مکرمہ میں نبوت سے پہلے چالیس سال قیام فرما رہے“ نیز فرماتے ہیں:

انہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث علی رأس اربعين سنة وهو المشهور الذي اطبق عليه العلماء
”بے شک حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر شریف میں مبعوث ہوئے اور یہی قول

مشہور ہے جس پر علماء کرام کا اجماع اور اتفاق ہے“

تہذیب الاسماء واللغات میں فرمایا:

بعث رسولاً الى الناس كافة وهو ابن اربعين سنة و قيل اربعين سنة و يوم و

اقام بمكة بعد النبوة ثلاث عشر سنة۔

(بحوالہ جواہر البحار جلد اول ص ۱۹۲)

آپ کے صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

ولد قبل النبوة حضرت قاسم نبوت سے پہلے پیدا ہوئے

اور حضرت عبداللہ لقب بہ طیب و طاہر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

لانه ولد بعد النبوة

حضرت عبداللہ لقب بہ طیب و طاہر نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ (جلداول ص ۱۹۲)

فائدہ: (۱)

اگر امام نووی اور دیگر علمائے اسلام کے نزدیک آپ آغاز ولادت سے ہی نبی ہوتے تو قبل از نبوت چالیس سال مکہ مکرمہ میں قیام کا تصور کیسے ہو سکتا ہے؟

فائدہ: (۲)

چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہونے پر جن علماء کا اتفاق حضرت امام نووی ذکر فرما رہے ہیں اور ان کے اس قول کو تسلیم فرما رہے ہیں تو وہ یقیناً امام نووی علیہ الرحمہ سے بھی بڑے عالم اور محقق ہونگے نہ کہ ہمارے مجتہد حضرات سے بھی کم علم اور جاہل و بے خبر۔ لہذا ان حضرات کو اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں یہ نہ ہو کہ مکمل طور پر برہنہ نظر آئیں اور علم و دانش سے خالی دامن۔

(۱۳) حضرت علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک میں مندرج حدیث:

ابتعثہ اللہ علی رأس الاربعمین

”نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے“

کے تحت فرماتے ہیں:

قال المسعودی وابن عبدالبربعث فی شہر ربیع الاول فعلى هذا یكون له

(جلد ۴ ص ۲۸۰)

اربعون سنة۔

علامہ مسعودی اور علامہ ابن عبدالبر رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ربیع

الاول کے مہینہ میں مبعوث ہوئے (جبکہ آپ کی ولادت شریف بھی ربیع الاول میں ہے) تو اس

صورت میں آپ کی عمر شریف یقیناً بوقت بعثت چالیس سال ہوگی

نیز فرماتے ہیں:

اذلا خلاف فی المنہج صلی اللہ علیہ وسلم اقام اربعین سنة لا یوحى الیہ

(زرقانی شرح موطا جلد ۴ ص ۲۸۱)

اس امر میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال اس حال میں

(مکہ مکرمہ میں) قیام پذیر رہے کہ آپ پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی (اور یہ مسلم امر ہے کہ وحی کے

بغیر نبوت ثابت نہیں ہو سکتی)

(۱۴) حضرت امام حافظ ابوالفتح محمد بن سید الناس رحمہ اللہ تعالیٰ نور العیون فی

سیرۃ الامین المأمون میں فرماتے ہیں:

ولما بلغ صلی اللہ علیہ وسلم اربعین سنة و یوما ابتعثہ اللہ تعالیٰ بشیراً و نذیراً و اتاہ

جبرئیل بغار حراء قتال اقراء الخ۔ (جواہر جلد اول ص ۲۱۱)

جب محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم چالیس سال اور ایک دن کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ

نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا اور جبرئیل امین علیہ السلام غار حراء میں آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اقراء الخ۔

(۱۵) حضرت امام علامہ ابو عبد اللہ محمد بن الحاج العبدری المالکی اپنی تصنیف لطیف

المدخل میں فرماتے ہیں:

عق صلی اللہ علیہ وسلم من نفسه بعد ما جاءته النبوة

(بحوالہ جواہر البحار جلد اول ص ۲۳۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیدہ آپ دیا بعد اس کے کہ نبوت آپ کو حاصل ہوئی۔

فائدہ:

کیا آغاز ولادت سے نبی ہونے کی صورت میں اس عبارت کا کوئی معنی اور مفہوم بن

سکتا ہے؟

(۱۶) حضرت عارف باللہ شیخ البسوی الرومی ملت ابراہیمیہ کے بعثت مصطفیٰ

علیہ التحیۃ والثناء تک دوام اور بقاء کو دلائل قاہرہ کے ساتھ ثابت کرنے کے بعد اپنی طرف سے اور

شیخ اکبر حضرت شیخ محی الدین بن العربی قدس سرہ کی طرف سے فرماتے ہیں:

وقفہ اللہ تعالیٰ فی ابتداء امرہ لعبادته بملۃ ابراہیم علیہ السلام حتی جاء

الملك من عند الله بالرسالة والنبوة قال الشيخ في الفتوحات في الباب الخامس والاربعين ولما كانت حالته ^{صلوات} في ابتداء امره ان الله وفقه لعبادته بملة ابراهيم الخليل عليه السلام بفارحراء يتحدث فيه عناية من الله سبحانه به ^{صلوات} الى ان فجاءه الحق فجاءه الملك فسلم عليه بالرسالة وعرفه بنبوته فلما تقررت عنده ارسل الى الناس كافة بشيرا وذنيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا فحينئذ مازالت ملة ابراهيم ثابتة ومازالت امة من ذريته مسلمة من لدن دعوة ابراهيم عليه السلام الى بعثته الرسول ^{صلوات} بالرسالة والنبوة عند الاربعين من عمره

(بحوالہ جواہر النجار جلد چہارم ص ۳۲۶ فتوحات مکیہ ص ۳۱۹ جلد ۷)

”اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ابتداءً امر میں ملت ابراہیمی کے مطابق عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشی حتیٰ کہ آپ کے پاس فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام فارحرا میں) حاضر ہوا اللہ تعالیٰ کے اذن سے نبوت و رسالت لے کر۔ شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۲۵ میں فرمایا جبکہ نبی مکرم ^{صلوات} کی حالت ابتداء امر میں یہ تھی کہ آپ ملت ابراہیمی پر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عمل پیرا تھے اور فارحرا میں خلوت گزین اور گوشہ نشین ہو کر عبادت کیا کرتے تھے بسبب اللہ تعالیٰ کی حمایت اور مہربانی کے جو آپ کے ساتھ اسے تھی۔ یہاں تک کہ اچانک حق آپ پر نمودار ہو گیا پس فرشتہ آپ کے پاس آیا اور آپ کو رسول کے وصف اور لقب کے ساتھ سلام پیش کیا اور آپ کو منصب نبوت پر فائز کیے جانے کی اطلاع دی۔ جب نبوت کا آپ کو وثوق و اطمینان ہو گیا تو آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشارت سنانے والا اور عذاب خداوندی سے ڈرانے والا، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا اور نور پھیلانے والا چراغ بنا کر مبعوث فرمایا“

فائدہ:

ان عظیم المرتبت عرفاء اور مقتدایان ملت کے نزدیک آپ آغاز ولادت سے نبی ہوتے

تو غار حرا میں وحی کے نزول تک اور عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے تک ملت ابراہیمی پر عمل پیرا ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جبکہ عالم ارواح میں آپ ان کے نبی اور متبوع و مقتداء تھے لہذا واضح ہو گیا کہ عالم ارواح اور بدن سے مجرد کام معاملہ اور ہے اور عالم اجسام کا اور روح اقدس کے بدن اطہر میں حلول و سریان کا معاملہ اور ہے۔

(۱۷) حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ قصیدہ ہمزیہ کی شرح میں امام

بوصیری کے اس قول کے تحت فرماتے ہیں:

فاستبان خدیجة الہ ال کنز الہی حاولتہ والکیمیا

”حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے معلوم کر لیا کہ یہی وہ خزانہ اور کیمیا ہے جس کا انہوں

نے ارادہ حاصل کرنے کا کیا ہوا تھا“

انہما بلما بلغ اربعین سنة قیل و کسرا بعثہ اللہ تعالیٰ یوم الائنین

کما فی خبر مسلم لسبع عشرة من رمضان و قیل لثمان من ربيع الاول و قیل کان

فی رجب رحمة للعالمین و رسولا الی كافة الخلق اجمین کما قال صلی اللہ علیہ وسلم ارسلت الی

الخلق كافة

”جب رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر کو پہنچے اور بقول بعض سال کا کچھ مزید برآں

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سوموار کے دن مبعوث فرمایا جیسے کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے بقول

بعض سترہ رمضان المبارک کو اور بقول بعض آٹھ ربیع الاول کو اور بقول دیگر ان رجب شریف

میں مبعوث فرمایا۔ درآنحالیکہ آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت اور ساری مخلوق کے لیے رسول

تھے جیسے کہ آپ کا اپنا ارشاد گرامی ہے مجھے ساری مخلوق کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا“

روی البخاری وغیرہ اول ما ہدی بہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصادقة فكان

لایری رؤیا الا جأت مثل فلق الصبح

”امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر اکابر نے ذکر کیا کہ سب سے پہلے آپ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کیساتھ کیا گیا چنانچہ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے بیدار ہونے پر وہ صبح کے سفیدہ کی طرح واضح طور پر سامنے موجود ہو جاتا“

پھر اس طرح کے آغاز کی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لوفجاء بغتة لم تحتمله قواہ البشرية

اگر فرشتہ اچانک وحی کے ساتھ آپ پر نازل ہوتا تو آپ کے قوائے بشریہ اس کی تاب

ہی نہ لاسکتے

نیز فرمایا:

صح عن الشعبي انه قال انزلت عليه النبوة وهو ابن اربعين سنة الخ
حضرت شعبي سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اس وقت

نازل کی گئی جبکہ آپ چالیس سال کے تھے۔

غارجا میں خلوت نشینی کے بارے میں فرمایا:

لاطلب النبوة فانها موهبة لاتنال بكسب الخ

یہ گوشہ نشینی اور خلوت گزینی نبوت کے حصول کے لیے نہیں تھی کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا

ہبہ اور عطیہ خاص ہے مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل نہیں کی جاسکتی جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی

ہے ﴿اللہ اعلم حیث یجعل رسالہ﴾ اللہ تعالیٰ اس مکان اور محل کو بہتر جانتا ہے جس میں

رسالت کو ودیعت فرماتا ہے۔ (بحوالہ جواہر البحار جلد دوم ص ۷۷، ۷۸)

فائدہ:

حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہ کی عبارات اور یہ عبارات باہم متوافق ہیں اور آغاز ولادت سے نبوت کے سراسر منافی ہیں جیسے کہ ہر عاقل پر واضح ہے کیونکہ ان میں چالیس سال کے بعد

مبعوث ہونے کی تصریح موجود ہے۔ نیز عموماً خوابوں کے ساتھ وحی کا آغاز بھی بین دلیل ہے کیونکہ یہ سلسلہ بھی چالیس سال کے پورے ہونے پر شروع ہوا اور یہ وضاحت کرنا کہ حصول نبوت کے لیے آپ نے غار حرا میں مجاورت اور اعتکاف اختیار نہیں کیا تھا اگر آغاز ولادت سے آپ نبی تھے تو یہ وہم کیسے پیدا ہو سکتا تھا؟ اور اسے دور کرنے کی ضرورت کیا تھی جبکہ اس صورت میں اسیالیس سال سے بھی کچھ زائد عرصہ آپ کی جسمانی اور عنصری نبوت پر گزر چکا تھا۔

اس طرح امام موصوف نے شرح شمائل میں ارشاد فرمایا:

ثم لما بلغ اربعين سنة او و اربعين يوماً و شهرين بعثه الله تعالى رحمة للعالمين يوم الاثنين خبر مسلم في رمضان وقيل في ربيع الاول فاقام بمكة ثلاث عشر سنة و بالمدينة عشر سنين۔ (جواہر البحار جلد دوم ص ۹۲)

جب چالیس سال کی عمر کو پہنچے یا چالیس دن مزید یا دو ماہ زائد عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمۃ العالمین ہونے کی حالت میں مبعوث فرمایا۔ مسلم کی روایت کے مطابق رمضان میں اور دوسروں کے قول کے مطابق ربیع الاول میں پس ازاں آپ تیرہ سال مکہ مکرمہ میں قیام فرما رہے اور مدینہ منورہ میں دس سال قیام پذیر رہے۔

بارہ سال کی عمر میں چچا ابوطالب کے ساتھ تجارت کے لیے جانے پر بصری میں بحیرہ راہب نے آپ پر نظر پڑتے ہی پکار کر کہا:

هذا سيد العالمين هذا يبعثه الله تعالى رحمة للعالمين

(جواہر الامام ابن حجر عسقلانی ص ۹۲)

”یہ سب جہانوں کے لیے سردار اور ملجا و ماویٰ ہیں ان کو اللہ تعالیٰ سب جہانوں کے لیے سرپا رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا“

ماضی کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا بلکہ مضارع کا جو کہ مستقبل میں حاصل ہونے والے

خدا اور منصب کی بشارت ہے نہ کہ پیدا ہوتے ہی نبی ہونے کا اعلان ہے، اور یہ روایت دوسری روایات کے مفہوم و مدلول کو واضح کر رہی ہے جن میں جملہ اسمیہ استعمال کیا گیا ہے۔

(۱۸) حضرت علامہ شیخ جمل رحمہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک داعی پر تبصرہ کرتے ہوئے امام سبکی کے حوالے سے فرمایا:

انصابتہ ﷺ نبی فی عالم الارواح والذر وارسل الیہا بالفعل و دعاہا ودلہا ثم نبی وارسل ثانیاً فی عالم الاجساد بعد بلوغہ اربعین سنة من عمرہ ﷺ فامتاز عن الانبیاء والرسل علیہم السلام بانہ نبی مرتین و ارسل مرتین الاولى فی عالم الارواح للارواح والثانیة فی عالم الاجساد فقد دعا ﷺ ودل علی اللہ فی کل من الحالتین کما تقدم والاشارة الی ذالک بقوله تعالیٰ: وما ارسلتک الا کافة للناس والانبیاء والرسل وجميع اممهم وجميع المتقدمین والمتأخرین داخلون فی کافة الناس وکان هو داعیاً بالاصالة وجميع الرسل والانبیاء علیہم السلام یدعون الخلق الی الحق عن تبعیتہ ﷺ وکانوا خلفاءه ونوابه فی الدعوة و فی ہرقة المدیح:

وکل آی اتی الرسل الکرام بہا فانما اتصلت من نوره بہم

فانہ شمس فضل ہم کواکبہا یظہرن انوارہا للناس فی الظلم

(بحوالہ جواہر البحار جلد دوم ص ۳۷۳)

”محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو عالم ارواح اور نعمات میں نبی بنا گیا اور بالفعل نبی بنا کر ان کی طرف مبعوث فرمایا گیا آپ نے ان کو دعوت دی اور رہنمائی فرمائی، پھر دوبارہ آپ کو نبی اور رسول بنایا گیا عالم اجساد میں، جبکہ آپ کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی، لہذا آپ کو انبیاء و رسل علیہم السلام پر یہ امتیاز اور فوقیت حاصل ہے کہ آپ کو دو دفعہ نبی اور دو دفعہ رسول بنایا گیا۔ پہلی دفعہ عالم ارواح میں ارواح کے لیے، اور دوسری دفعہ عالم اجسام میں اجسام کے لیے۔“

چنانچہ آپ نے ان دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور اس کی طرف راہنمائی فرمائی اور اس عموم دعوت اور شمول دلالت کی طرف اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول میں، ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا جبکہ انبیاء و رسل اور تمام امتیں اور سبھی اگلے پچھلے کافۃ الناس میں داخل ہیں۔

(دوسرے انبیاء رسل بھی داعی الی اللہ تھے تو اس اسم مبارک کی آپ کے ساتھ تخصیص میں کیا حکمت ہے تو اس کے جواب میں فرمایا) کہ آپ دراصل اور حقیقی داعی ہیں اور دوسرے انبیاء رسل علیہم السلام آپ کی اتباع میں (اور آپ سے فیوض و فوائد حاصل کرنے کے بعد) مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور احکام پر کار بند ہونے کی دعوت دیتے تھے اور اس دعوت میں آپ کے خلفاء اور نائب تھے۔ قصیدہ بردہ میں امام بو صیری نے فرمایا:

”اور جو آیات و معجزات لے کر رسل کرام تشریف لائے تو وہ صرف اور صرف آپ کے نور حقیقت سے ہی ان کو حاصل ہوئے تھے“

”پس بیشک نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فضل و کمال کے آفتاب نیم روز ہیں اور حضرات انبیاء اس مہر منیر سے مستفید ستاروں کی مانند ہیں جو تاریکیوں (اور اس آفتاب کے عالم غیب میں محجب ہونے کی صورت میں) اسی سے حاصل کردہ انوار کو لوگوں پر ظاہر کرتے تھے“

(۱۹) امام علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شارح احیاء العلوم فرماتے ہیں:

بعثت صلی اللہ علیہ وسلم لثمان مضمین من شهر ربیع الاول سنة احدى والربعین من عام الفیل فاقام بمكة ثلاث عشر سنة۔ (جوہر البحار للعلامة النعمانی جلد دوم ص ۳۹۳)

”سید عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم عمر شریف کے اکتالیسویں سال عام الفیل میں ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کو مبعوث ہوئے بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام پذیر رہے“

اور یہی قول زیادہ مشہور ہے جبکہ پندرہ سال اور دس سال کے قول بھی ہیں اور مدینہ

منورہ میں ربیع الاول کو چوروان سال کی عمر میں تشریف لائے اور دس سال قیام پذیر رہے۔
 علماء اعلام اور اکابرین اسلام علیہم الرحمہ والرضوان کے چوالیس بلکہ اس سے بھی زیادہ
 اقوال آپ ملاحظہ کر چکے ہیں جن میں چالیس سال کے بعد آپ پر نبوت کے نزول اور آپ کے
 نبی بنائے جانے اور وحی کے نزول کی ابتداء کی تصریحات میں موجود ہیں اور قبل از نبوت مکہ مکرمہ
 میں چالیس سال قیام پر علماء امت کا اجماع و اتفاق منقول ہے، جب کہ اجماع امت کی خلاف
 ورزی اسی طرح موجب ضلالت و غوایت ہوتی ہے جس طرح کہ کتاب و سنت کی خلاف ورزی،
 قال الله تبارك و تعالیٰ: ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير

سبيل المومنين نوله ما تولى ونصلى جهنم وساءت مصيرا

”اور جو شخص بھی رسول گرامی ﷺ کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ ہدایت اس پر واضح
 ہو گئی اور مومنین کی راہ کے علاوہ کسی اور راہ کی اتباع کرے، ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ
 پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری بازگشت ہے“

لہذا کسی صاحب علم و عرفان اور مالک عقل و فہم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ قرآنی آیات،
 ارشادات نبویہ اور امت کے علمائے اعلام کے اجماعی اور متفق علیہ نظریہ کو نظر انداز کرے اور اپنے
 اجتہاد اور بے بنیاد قیاسات کی بنیاد پر نیا نظریہ اور عقیدہ گھڑ لے، بلکہ خود راہ راست سے بھولا
 بھٹکا ہونے کے باوجود حق پرست اور صراط مستقیم پر چلنے والوں پر طعن و تشنیع کرے اور ان پر
 ضلالت و گم راہی کے فتوے جڑے، اعادنا اللہ من الضلالة والغواية

باب پنجم

چالیس سال بعد اعطائے نبوت کے متعلق شبہات کا ازالہ

پہلا شبہ: (نبوت عیسیٰ علیہ السلام سے استدلال)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن سے نبی تھے تو سید الانبیاء ﷺ کا بچپن سے نبی ہونا

بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔

نبی محتشم ﷺ کو آغاز ولادت سے ہی نبی ماننے والے حضرات کی یہ بڑی اہم دلیل ہے

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آغاز ولادت میں اور شیر خوارگی کے عالم میں اعلان فرما رہے ہیں

انی عبد اللہ آتانی الكتاب و جعلنی نبیا (مریم: ۳۰)

بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی

بنایا ہے۔

اور ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ ان سے افضل ہیں تو پھر دلالت انص کے طور پر آپ کا

آغاز ولادت سے نبی ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہو جائے گا بصورت دیگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو

آپ سے افضل ماننا لازم آجائے گا اور یہ بارگاہِ مصطفویٰ کی بے ادبی اور گستاخی ہے جو قطعاً روا

نہیں ہے۔

الجواب:

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام افضل ہیں اور حضرت

ابراہیم علیہ السلام بھی افضل ہیں تو دلالت انص کا تقاضا وہاں بھی یہی ہوگا کہ ان کو بچپن سے نبی مانا

جائے حالانکہ کوئی صاحب علم اور مالک عقل و دانش یہ قول نہیں کر سکتا تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کو ان حضرات پر فضیلت دینا لازم نہیں آئے گا اور یہ ان کی بارگاہِ اقدس میں بے ادبی اور

گستاخی نہیں ہوگی؟ اور کیا پیغمبران کرام میں سے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی اور گستاخی جائز نہیں باقی جتنے بھی بلند مرتبہ اور عالی مقام ہوں کیا ان کی بے ادبی اور گستاخی جائز اور روا ہے۔
- نعوذ باللہ من ذالك

(۲) کتاب عطا ہونے کا ذکر پہلے ہے اور نبی بنائے جانے کا بعد میں تو کیا کتاب آپ کو اس وقت مل چکی تھی اور پنگھوڑے میں آپ کے پاس موجود تھی اور آپ نے ان معترضین کو دکھلائی تھی یا سنائی تھی۔ اگر معطوف علیہ میں ماضی کا صیغہ اپنے اصل معنی پر نہیں ہے تو معطوف میں اصل معنی پر ہونے کا دعویٰ کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے؟ بلکہ معطوف علیہ میں مستقبل کو مجاز بالمشاركة کے طور پر ماضی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے تاکہ اس کے نزول میں یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے پر تشبیہ ہو جائے جیسے کہ قول باری تعالیٰ نفا فی الصور میں یہی حکمت اور مصلحت کار فرما ہے ورنہ لازم آجائے گا کہ نزول قرآن سے بھی پہلے صور میں پھونکا جا چکا ہو اور قیامت قائم ہو چکی ہو لہذا ہمیں قیامت کے بارے میں کوئی خوف اور اندیشہ نہیں ہونا چاہیے حالانکہ یہ لازم ہدیہی البطلان ہے۔

(۳) نیز قول باری تعالیٰ ہے ﴿برآبوالدتی﴾ کا عطف ﴿بہی﴾ پر ہے اور محصل عبارت یوں بنے گی: جعلنی برآبوالدتی، مجھے ماں کے ساتھ نکوکار اور محسن بنایا تو لازم آئیگا کہ آپ نے اس دوران والدہ ماجدہ کے ساتھ نیکی اور احسان کیا جبکہ ولادت شریفہ پر دو تین دن گزرے تھے تو لامحالہ یہاں بھی معنی یہی ہوگا کہ مستقبل میں مجھے والدہ ماجدہ کے ساتھ برواحسان کرنے والا بنائے گا اور عاصی و نافرمان بردار نہیں بنائے گا بلکہ مطیع اور فرمانبردار بنائے گا۔

(۴) نیز ارشاد باری تعالیٰ ﴿واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیًا﴾ (مریم: ۳۱) اللہ تعالیٰ نے مجھے تاکید کی حکم فرمایا ہے نماز اور زکوٰۃ کا جب تک زندہ رہوں۔

تو کیا ولادت کے ساتھ ہی آپ کو نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم مل چکا تھا کیونکہ اوصالی بھی ماضی کا صیغہ ہے تو معترضین کے ساتھ ہم کلام ہونے سے پہلے اس وصیت اور تاکید حکم کا ثبوت و تحقق ضروری ٹھہرا۔ نیز مادمیت بھی ماضی کا صیغہ ہے تو ان تین دنوں کے عرصہ حیات میں آپ اس بدنی اور مالی عبادت کے ساتھ مکلف ٹھہرائے گئے ہوں گے کیا کوئی عقلمند آدمی یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ آپ ولادت کے بعد تین دنوں میں نمازوں اور زکوٰۃ کے مکلف ہوں۔

الحاصل

جب ماقبل اور مابعد والے صیغے اپنے ماضی والے معنی میں نہیں بلکہ مستقبل زمانہ میں پیش آنے والی صورتحال کا ان میں بیان ہے تو لامحالہ جعلنی نبیاً میں بھی مستقبل میں حاصل ہونے والے اعزاز و اکرام کا بیان ہے اور چونکہ یقینی طور پر یہ منصب حاصل ہونا تھا اور کتاب بھی عطا ہونی تھی اور نماز و زکوٰۃ کا حکم آپ پر اور آپ کی امت پر لاگو ہونا تھا اس لئے ان امور کو صیغہ ماضی کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا تا کہ یقین وقوع پر دلالت پائی جائے۔

تحقیقی جواب اور حقیقت حال کا بیان:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ اعلان اس وقت میں کرانے کی ایک خاص حکمت تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ پر تہمت لگائی گئی اور آپ خود بھی اس کی زد میں آرہے تھے تو جس مولود کی حالت ایسی ہو وہ بڑا ہو کر منصب نبوت و رسالت پر فائز ہونے کا دعویٰ کس طرح کر سکتا تھا اور لوگوں میں اس کو پذیرائی کیوں کر نصیب ہو سکتی تھی؟ اس لیے اللہ تعالیٰ کو منظور یہ ہوا کہ آپ کی والدہ ماجدہ سے بھی اس الزام و اتہام کو دور کیا جائے اور آپ کے دامن کی طہارت و نزاہت بھی روز روشن کی طرح اجاگر کر دی جائے تا کہ بعد والے دور میں اعلان نبوت و رسالت پر کوئی مفسد اور بد باطن اس طرح کا اعتراض نہ کر سکے۔ اس لیے آپ اس وقت اس قدر کلام فرمانے کے بعد

خاموش رہے اور جس طرح معمول کے مطابق بچے کلام کرنے کے قابل ہوتے ہیں آپ نے بھی اسی مدت میں کلام کرنا شروع فرمایا۔

چنانچہ امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے تفسیر درمنثور میں فرمایا کہ ابن ابی شیبہ، ابن حاتم اور ابن عساکر نے مجاہد کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے:

ما تکلم عیسیٰ بعد الایات التي تکلم بها حتی بلغ مبلغ الصبیان

(جلد چہارم ص ۱۷۱)

اسی طرح تفسیر قرطبی میں ہے:

روی ان عیسیٰ علیہ السلام انما تکلم بهذه الایات ثم عاد الی حالة الاطفال حتی مشی علی عادة البشر الی ان بلغ مبلغ الصبیان فكان نطقه اظهار براءة امه لانه کان ممن یعقل فی تلك الحالة وهو کما ینطق الله تعالی الجوارح یوم القیامة ولم ینقل انه دام نطقه ولا انه یصلی وهو ابن یوم او شهر ولو کان یدوم نطقه وتسیبہ ووعظه وصلواته فی صغره من وقت الولادة لکان مثله مما لا ینکم۔ وهذا کله یدل علی فساد القول الاول ویصرح بجهالة قائلہ

(تفسیر قرطبی جلد ۱ ص ۷۰)

”مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ان آیات کے ساتھ کلام فرمایا تھا پھر عام بچوں والی حالت پر ہو گئے اور عام بشروں کی عادت اور معمول کے مطابق عمل پیرا رہے تا آنکہ بچوں کے بولنے کی عمر اور میعاد کو پہنچے تو ان کا یہ کلام فرمانا لوگوں کے اتہام سے اپنی امی جان کی براءت ظاہر کرنے کے لیے تھا نہ کہ آپ اس حالت میں عقل کامل والے لوگوں میں سے تھے اور یہ اس کی مانند ہے جیسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کے اعضا کو قوت گویائی عطا فرما دے گا اور یہ امر منقول نہیں ہے کہ آپ اس کے بعد بولتے رہے اور نہ یہ منقول ہے کہ آپ ایک

دن یا ایک ماہ کی عمر میں نماز ادا کرتے رہے اور اگر ان کا بول چال اور تسبیح و تقدیس اور وعظ و تبلیغ اور نماز کی ادائیگی صغیر اور شیرخوارگی کے زمانہ میں آغاز ولادت سے ہی جاری رہتی تو یہ امور کسی سے پوشیدہ کیونکر رہ سکتے تھے؟ لہذا یہ تمام صورت حال پہلے قول یعنی بچپن سے نبی ہونے والے قول کے بطلان اور اس کے قائل کی جہالت کی تصریح کر رہی ہے۔

الغرض یہاں آپ کا کلام کرنا اس حکمت کے تحت تھا کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی براءت بھی ثابت ہو جائے اور آپ کی طہارت دامن اور پاکیزگی طینت بھی ثابت ہو جائے اور عام قسم کے کلام سے یہ عظیم مقصد کا حقہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا لہذا حاصل ہونے والی کتاب اور منصب نبوت اور اہم قسم کے شرعی احکام بھی بیان فرمائے اور اپنا مجسمہ خیر و برکت ہونا اور آغاز ولادت سے وفات اور قیامت کے دن بعث و احیاء پر بھی سلامتی ہی سلامتی کا مالک ہونا ظاہر فرمایا جبکہ خبیث جوہر اور ناپاک طینت والے لوگ ان کمالات اور خوب ترین اوصاف کے مالک نہیں ہو سکتے اس سے ان کا عقل کاٹل والا ہونا اور امور کے حقائق پر مطلع ہونا بھی لازم نہیں آتا چہ جائیکہ ان کے بالفعل حصول کے ساتھ موصوف اور متصف ہونا ضروری ہو۔

اس لیے علمائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کب ملی۔ بعض حضرات نے اگرچہ بچپن سے ہی نبوت کا قول کیا ہے لیکن دوسرے حضرات نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے تیس سال کی عمر میں نبی بنائے جانے کا قول کیا ہے اور بعض حضرات نے چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے جانے پر اصرار کیا اور اسی آخری قول کو معتمد علیہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

والمعتمد انه عليه السلام نبى على رأس الاربعين و عاشر نبيا و رسولا ثمانين سنة فلم يرفع الا وهو ابن مائة و عشرين سنة (تفسیر جلالین و حواشی)

”قابل اعتماد اور لائق اعتبار یہی امر ہے کہ آپ کو چالیس سال کی عمر میں نبی بنایا گیا

اور نبوت و رسالت کی حالت میں آپ نے اسی (۸۰) سال زمین پر گزارے تو اس کے بعد ایک سو بیس سال کی عمر میں آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا“
الغرض:

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن میں ہی نبی بنائے جانے پر اجماع اور اتفاق نہیں ہے بلکہ حسب معمول چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے جانے والے قول کو راجح اور مختار اور معتبر و معتمد علیہ قرار دیا گیا ہے تو اس سے دلالت انص کے طور پر محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آغاز ولادت سے ہی نبی بنائے جانے کے دعوے پر استدلال کی حیثیت کیا ہوگی؟

(۵) علاوہ ازیں جزوی امور میں دلالت انص کا سہارا لینا درست نہیں ہوتا، ورنہ وہ بن باپ پیدا ہوئے تو ان سے افضل حضرات کو بھی بن باپ پیدا ہونے والے ماننا ضروری ہونا چاہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تو جو حضرات ان سے افضل ہیں ان کا بھی ماں باپ کے بغیر پیدا ہونا تسلیم کرنا ضروری ہونا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے روحانی مطب کھولا ہوا تھا اور برس کے مریضوں اور مادرزاد اندھوں کو شفا یاب کرتے تھے ابری الا کمہ والابرص، اور روزانہ پچاس پچاس ہزار مریض آپ کے پاس جمع ہو جاتے اور آپ ہاتھ پھیرنے سے قاصر رہتے تو اپنے مستعمل کپڑے دے دیتے تو مریض ان کے ذریعے شفا حاصل کر لیتے تو کیا ان سے افضل حضرات کو ان سے بھی بڑا روحانی مطب کھولنا لازمی تھا لہذا جزوی فضیلت جو ایک ضرورت کے تحت ظاہر کی گئی اس کو بنیاد بنا کر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں عالم اجسام میں آغاز ولادت سے نبوت ثابت کرنا اور اس کو قطعی عقیدہ ٹھہرا لینا اور اس سے اختلاف کرنیوالوں کو گستاخ اور بے ادب اور ضال و مضل اور کافر قرار دینا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور اصول شریعت سے ناواقفی اور لاعلمی کی دلیل ہے۔

(۶) قابل غور امر یہ ہے کہ اگر بقول مستدل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت

کتاب بھی عطا ہو چکی تھی اور نبوت بھی تو اس طرح آپ کا بچپن میں رسول ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ جو نبی صاحب کتاب ہو وہ رسول بھی ہوتا ہے خواہ پہلے نبی کی کتاب دوبارہ اس پر نازل کر دی جائے یا مستقل اور مخصوص کتاب ہو۔ اور یہاں پر مستقل اور مخصوص کتاب آپ کو عطا کی گئی تھی تو آپ اس حالت میں رسول بھی بن چکے ہوں گے جبکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب کا نزول چالیس یا تینتالیس سال کے بعد ہی ثابت کیا جاسکتا ہے تو ظاہر ہے رسالت بھی اسی وقت سے ثابت کی جاسکتی ہے تو پھر بھی عیسیٰ علیہ السلام کی آپ پر فضیلت لازم آجائے گی کیونکہ مقام رسالت مقام نبوت محضہ سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے۔ فافهم وتدبر ولا تکن من الغافلین

(۷) علاوہ ازیں آپ کو نبوت ملی تو فوراً اعلان کر دیا اور جو لوگ حضرت مریم عقیقہ

علیہا السلام کے حق میں بدظنی اور بدگمانی اور غیبت وغیرہ کی وجہ سے گناہگار ہو رہے تھے اور غلط راہ کو اپنائے ہوئے تھے ان کی ہدایت کا سامان کر دیا لیکن نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال تک اس نبوت کو اس طرح چھپائے رکھا کہ انھیں انخواص اور مقرب ترین حضرات پر بھی اس کا انکشاف نہ کیا اور کسی طرح کی راہنمائی اور ہدایت و ارشاد کا سامان کسی کے لیے بھی نہ فرمایا تو اس لحاظ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت اور برتری لازم آجائے گی اور اس دلالت انص کا یہاں پر اجراء مستدل صاحب کو مہنگا پڑ جائیگا۔

(۸) نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت ملتے ہی اعلان فرمادیا تو اس سے یہ

امر واضح طور پر ثابت ہو جائیگا کہ نبی کو نبوت ملتے ہی اور اس کا وثوق و اطمینان حاصل ہوتے ہی اظہار اور انکشاف کرنا لازم اور ضروری ہے اور کتمان اور اخفاء قطعاً روا نہیں ہے تو پھر عرصہ دراز تک اور عمر شریف کے تقریباً دو تہائی حصہ تک آپ کا نبوت کو چھپائے رکھنا کیونکر جائز ہوگا اعلان نبوت و رسالت میں اس دلالت انص کو کیوں ملحوظ نہیں رکھا جاتا، اگر حصول نبوت میں اس کا لحاظ ضروری ہے تو اعلان نبوت میں اس کا لحاظ کیوں ضروری نہیں بلکہ عدم اعتبار لازم ہے تو آخر اس

تفریق اور امتیازی سلوک کا جواز کیا ہے؟

(۹) مزید برآں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عالم ارواح میں ہوتے ہوئے

نبوت والے منصب پر فائز ہونے اور اس شرف اور اعزاز کے ساتھ مشرف اور معزز ہونے کا دعویٰ نہیں فرمایا تھا بلکہ عالم اجسام میں جلوہ گری پر ملنے والی نبوت کی خبر دی تھی تو دلالت اللہ کے طور پر نبی مکرم ﷺ میں جو نبوت ثابت کی جائے گی وہ بھی یہی عالم اجسام میں جلوہ گری پر حاصل ہونے والی نبوت ہوگی نہ کہ عالم ارواح میں ملنے والی نبوت کا تسلسل اور دوام اس کے ساتھ ثابت کیا جاسکے گا جبکہ متدل حضرات کا نظریہ یہی ہے کہ وہی نبوت دائم اور قائم تھی کیونکہ نبوت کا حصول کے بعد زوال اور سلب ہونا جائز نہیں ہے، جبکہ اس طرز استدلال سے نئی جسمانی نبوت کے حصول پر بظاہر استدلال کی گنجائش ہو تو وہ پہلی نبوت کے تسلسل اور مداومت پر اس سے استدلال کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی جبکہ متدل صاحب (کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد) کو اپنی دلیل بنائے ہوئے ہیں۔ تو اس نبوت کے تسلسل اور دوام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام والے اس دعوے سے استدلال کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی قابل حق التامل وتدبر حق التدبر کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی افضل اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام بھی افضل ہیں اور وہ بالاتفاق عالم اجسام میں چالیس سال کے بعد اس منصب پر فائز فرمائے گئے تو عالم اجسام والی نبوت میں بھی یہ دلالت اللہ جاری نہ ہو سکی تو عالم ارواح والی نبوت کے دوام اور تسلسل میں اس کے اجراء اور اس کے ساتھ تمسک و استدلال کا جواز کیا ہو سکتا ہے؟

(۱۰) نیز علمائے کلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشاد (جعلنی نبیا) کو

اور نبی مکرم ﷺ کے فرمان کنت نبیا و آدم بین الماء والطين کو مستقبل میں حاصل ہونے والے منصب نبوت کے معنی میں لیا ہے، جیسے حضرت میر سید رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مواقف میں

اور حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ نے نبراس میں تصریح فرمائی ہے تو ان کے متعلق ان حضرات کا کیا فتویٰ ہوگا؟ عبارت ہم پیش کر رہے ہیں اور انتظار میں رہیں گے کہ ان پر بھی اس طرح کا فتویٰ سامنے آتا ہے یا نہیں جیسا کہ ہم غریبوں پر لگایا جا رہا ہے۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے نبراس میں فرمایا:

قال القاضي ابو بكر المتكلم كان عيسى عليه السلام رسولا من حين الصبا لقوله في المهد و جعلني نبيا و اجيب بانہ كقوله عليه السلام كنت نبيا و آدم بين الماء والطين۔
(ص ۲۳۰)

”قاضی ابوبکر متکلم نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن سے ہی رسول تھے کیونکہ انہوں نے مہد میں اعلان کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کا قول نبی کریم ﷺ کے قول کی مثل ہے کہ میں نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور کچھڑ کے درمیان تھے“

یہاں علامہ پرہاروی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعلان کو کنت نبیا والی حدیث مبارکہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے، حاشیہ میں اس تشبیہ کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے:

فی انه تعبیر عن المتحقق فيما يستقبل بزمان الماضي
”وجہ تمثیل و تشبیہ یہ ہے کہ زمانہ مستقبل میں موجود و متحقق ہونے والے امر کو ماضی زمانہ (پر دلالت کرنے والے صیغہ کیساتھ) تعبیر کیا گیا ہے (اور یہ طریقہ وہاں اختیار کیا جاتا ہے جہاں مستقبل میں اس کا وجود و تحقق یقینی ہو)

اور میر سید علیہ الرحمہ نے اس پر دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا:

من البين ان ثبوت النبوة في مدة طويلة بلا دعوة ولا كلام مما لا يقول به

(شرح مواقف ۶۶)

عادل

”یہ امر واضح ہے کہ مدت مدیدہ اور عرصہ بعیدہ تک کوئی (ہستی نبی اور رسول ہونے کے باوجود) نہ اس کی دعوت دے اور نہ اس کے متعلق کلام ہی کرے کوئی عقلمند اس کا قائل نہیں ہو سکتا“

یہ امر مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ کلام کرنے کے بعد نہیں بولے اور عام بچوں کی طرح معمول کے مطابق کلام کرنا شروع کیا جیسے کہ تفسیر قرطبی وغیرہ کے حوالہ سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

قبل ازیں تفسیر قرطبی کی عبارت بھی ذکر کی جا چکی ہے جس کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ آپ کا آغاز ولادت میں یہ کلام کرنا اور اس کے بعد نہ کلام کرنا اور نہ نماز ادا کرنا ایک دن کی عمر اور ایک ماہ کی عمر میں تو یہ امور قول اول یعنی آپ کے آغاز ولادت سے منصب نبوت پر فائز ہونے والے قول کے فساد کی دلیل اور اس کے قائل اور معتقد و معترف کی جہالت و لاعلمی کی برہان ناطق اور دلیل صادق ہیں۔

معتزین کا دوسرا شبہ:

حدیث مبارکہ (كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد) وغیرہ سے استدلال:

جب نبی مکرم ﷺ کا اپنا ارشاد گرامی ہے کہ ”میں اس وقت سے نبی ہوں جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے بین بین تھے“

تو آپ کی نبوت کا دوام اور تسلسل تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہوگا اور اس کا خلاف اسماوات اور بے ادبی ہوگا اور یہ صرف ایک حدیث نہیں ہے بلکہ اس مضمون کی متعدد احادیث کتب احادیث اور کتب سیرت میں مروی ہیں لہذا ان کو تسلیم کرنا اور ان کے معنی اور مفہوم کے مطابق اعتقاد رکھنا لازم اور ضروری ہے۔

الجواب و هو الموفق للصدق والصواب :

کسی حدیث شریف اور آیت کریمہ کا ثابت الاصل ہونا علیحدہ امر ہے اور اس کا ظاہری معنی اور مفہوم مراد ہونا علیحدہ امر ہے لہذا آیات کریمہ میں قطعی الثبوت ہونے کے باوجود ہو سکتا ہے ظاہری معنی مراد لینا جائز نہ ہو جیسے قول باری تعالیٰ ہے ﴿الرحمن علی العرش استوی﴾ (طہ: ۵) اور قول باری تعالیٰ ﴿لما یعلم اللہ الذین جاہدوا منکم﴾ (آل عمران: ۱۳۲) پہلی آیت کے ظاہری معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا عرش پر متمکن ہونا ثابت ہو رہا ہے حالانکہ وہ مکان میں متمکن ہونے سے پاک ہے، دوسری آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کی ان لوگوں کے حق میں مستغرق ہونے کی نفی لازم آرہی ہے جو قطعاً باطل ہے اللہ تعالیٰ کو مخلوق ساری کا ازل سے تفصیلی علم ہے اور یہی عقیدہ برحق ہے اس کا خلاف کفر و ضلالت ہے۔

خارجی فرقہ نے مولائے مرتضیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت امیر معاویہ کے ساتھ متنازعہ امور کو طے کرنے کے لیے ثالثی فیصلہ قبول کر لینے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو ثالث تسلیم کر لینے پر آپ کے اس اقدام کو شرک سے تعبیر کیا اور آپ کو شرک کے فتوے کا ہدف بنایا اور اپنے دعویٰ پر بطور دلیل یہ آیت پیش کی ﴿ان الحکم الا للہ﴾ (الانعام: ۵۷) حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور تم نے غیر اللہ کا حکم مان لیا لہذا تم مشرک ہو گئے اور یہ اقدام شرک ٹھہرا تو آپ نے فرمایا (کلمة حق اريد بها الباطل) آیت کریمہ تو برحق ہے مگر اس سے جو معنی کشید کیا گیا ہے وہ باطل ہے، اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے درمیان اختلاف ختم کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ﴿فابعثوا حکما من اہلہ و حکما من اہلہا﴾ (النساء: ۳۵) ایک حکم اور ثالث خاوند کے قرابت داروں کی طرف سے متعین کرو اور ایک حکم اور ثالث بیوی کے قرابت داروں کی طرف سے مقرر کرو جو انکی باتیں سن کر ان کے درمیان تصفیہ کرائیں اور انکے باہمی نزاع اور اختلاف کا خاتمہ کریں۔ اگر میاں بیوی کے باہمی

اختلاف کی صورت میں ثالثی فیصلہ کرانے اور اسے قبول کرنے سے شرک لازم نہیں آتا بلکہ حکم خداوند تعالیٰ ہے تو یہاں ہزاروں بچوں کے یتیم ہونے اور سینکڑوں عورتوں کے بیوہ ہونے کا معاملہ ہے تو اس میں میرا ثالثی فیصلہ کرانا اور اسے قبول کرنا کیونکر ناجائز اور کفر و شرک ہوگا؟ خود نبی مکرم ﷺ نے یہود کی بد عہدی پر ان کے خلاف کاروائی فرمائی اور ان کا محاصرہ کر لیا تو انہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ثالث ماننے اور ان کے فیصلہ کو قبول کرنے کا وعدہ کیا تو حضور اکرم ﷺ نے ان کی اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بھی تسلیم کر لیا اور ان کے فیصلے کو تسلیم کر کے اس کے مطابق ان یہودیوں کے ساتھ سلوک فرمایا تو جب اللہ کا فرمان میاں بیوی کے اختلاف میں یہ ہے اور جب صاحب قرآن نبی مکرم ﷺ کا عمل بھی یہ ہے تو میرے اس اقدام کو شرک قرار دینے کا جواز کیا ہو سکتا ہے؟ لہذا جو آیت تم نے پیش کی ہے وہ برحق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مراد یہ نہیں تھی جو تم نے سمجھی اور یہ مطلب و مقصد نہیں تھا جو تم نے اس آیت سے مراد لیا۔

الغرض ضروری نہیں ہے کہ بادی النظر میں جو معنی آیت و حدیث سے سمجھ آ رہا ہو وہ معنی و مفہوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے ہاں مراد اور مطلوب بھی ہو لہذا اسلاف کرام اور مقتدایان انام کی طرف اس معاملہ میں رجوع کرنا چاہیے کہ وہ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، اور ان کے نزدیک اس کلام سے اللہ تعالیٰ اور نبی مکرم ﷺ کی مراد کیا ہے؟

حضرت شیخ محقق نے ایسے ہی ارشاد فرمایا ہے ملاحظہ ہو:

(اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۴۰)

شرح مواقف اور شرح شرح العقائد للنسفی وغیرہ کے حوالے ابھی نظر نواز ہو چکے ہیں ان کے نظر انداز کرنے اور ناقابل قبول ٹھہرانے کی وجہ وجہ کیا ہے اور کیا ان کے خلاف وہی زبان استعمال کی جاسکتی ہے جو کہ ہمارے خلاف استعمال کی گئی ہے اور اس کا استعمال ضروری سمجھا

گیا؟

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے بڑا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبت صادق اور عاشق صادق اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے مطالب و معانی تک رسائی حاصل کرنے والا اور ان جیسا کوئی محقق اس متحدہ ہندستان میں نہیں گزرا تو ان کا ارشاد ہی اس ضمن میں معلوم کر لیتے ہیں اور اسکے مطابق نظریہ اپنا لیتے ہیں پہلے دو حدیثیں ملاحظہ فرمائیں پھر شیخ علیہ الرحمہ نے جو ان کا مطلب اور ان کا مفہوم مراد لیا ہے وہ معلوم فرمائیں:

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے:

قالوا متی وجبت لك النبوت يا رسول الله ﷺ قال و آدم بين الروح

والجسد

(رواه الترمذی)

”صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ سے دریافت کیا کہ نبوت کس وقت آپ کے لیے ثابت ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ نبوت میرے لیے ثابت ہوئی در آنحالیکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے“

یعنی ان کی تخلیق تام نہیں ہوئی تھی اور ان کی روح ان کے بدن سے متعلق نہیں ہوئی تھی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ

نے فرمایا:

انی عند الله مكتوب خاتم النبیین وان آدم لمجدل فی طبیته الحدیث

(رواه فی شرح السنة)

”بے شک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھا ہوا ہوں ختم کرنیوالا سلسلہ انبیاء کا کہ میرے بعد کوئی پیغمبر پیدا نہیں کیا جائے گا جبکہ آدم علیہ السلام گارے مٹی میں پڑے ہوئے تھے“

اس حدیث کا محصل وہی ہے جو لوگوں کی زبان زد اس روایت

كنت نبياً و آدم بين الماء و الطين

کا حاصل اور مفہوم ہے اور بعض روایات میں کنت کی بجائے (کتبت) وارد ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پیغمبر اور نبی لکھا ہوا ہوں درآنحالیکہ آدم علیہ السلام آب و گل کے درمیان تھے یعنی پیدا نہیں کیے گئے تھے۔

ان احادیث کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اب شیخ محقق کا ذکر فرمودہ سوال و جواب ملاحظہ

فرمادیں:

اینجا میگویند کہ از سبق نبوت آنحضرت چه مراد است اگر علم و تقدیر الہی است نبوت همه انبیاء را شامل است و اگر بالفعل است آن خود در دنیا نخواهد بود۔ جوابش آنست کہ مراد اظهار نبوت او است ﷺ پیش از وجود عنصری وے در ملائکہ و ارواح چنانکہ وارد شدہ است کتابت اسم شریف او بر عرش و آسمانها و قصور بہشت و غرفہ ہائے آن و بر سینہ ہائے حورالعین و بر برگہائے درختان جنت و درخت طوبی و برابر و ہا و چشمہائے فرشتگان۔

(اشعة اللمعات جلد چہارم ص ۴۹۹)

سوال:

اس جگہ لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کی سبقت نبوت سے کیا مراد ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی تقدیر اور قضاء و قدر میں آپ کی نبوت کی سبقت مراد ہے (تو یہ غلط ہے) کیونکہ علم الہی اور تقدیر خداوندی میں سب برابر ہیں اور وہ سب کی نبوت کو شامل اور محیط ہے۔ اور اگر نبوت بالفعل مراد ہے تو وہ دنیا میں آپ کو حاصل ہونی تھی نہ کہ تخلیق آدم سے قبل حاصل ہو چکی تھی؟

جواب:

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد آپ کی نبوت کا اعلان و اظہار اور ملائکہ و ارواح کے درمیان اسکی تشہیر و اشاعت ہے، قبل اس کے کہ آپ عصری اور جسمانی وجود کے ساتھ موجود ہوں جیسے کہ روایات سے ثابت ہے کہ آپ کا نام مبارک (اور وصف رسالت) عرش اعظم اور تمام آسمانوں پر بہشت کے محلات اور بالا خانوں پر حورالہین کے سینوں پر، جنت کے درختوں کے پتوں پر اور طوبیٰ نام والے عظیم درخت کے پتوں پر اور فرشتوں کے ابروؤں پر اور آنکھوں پر لکھا ہوا ہے“

اقول:

گویا نہ اس وقت آپ کا بالفعل نبی ہونا مراد ہے اور نہ محض علم الہی اور اس کے قضا و قدر میں آپ کا نبی ہونا مراد ہے، بالفعل نبی تو واقعی بعد میں بنائے جائیں گے جب وجود عصری کے ساتھ اور جسمانی حالت کے ساتھ دنیا میں جلوہ گر ہوں گے لیکن اس وقت میں آپ کی آمد آمد کے تذکرے اور چرچے اور اس کی شہادات اور مژدے دینے مقصود ہیں اور اعلانات اور تشہیر و اشاعت مقصود ہے اور یہ جواب علماء ظاہر کی طرف سے ہے، کیونکہ اس کو عرفاء کی توجیہ کے مقابل ذکر فرمایا ہے اور گویا علمائے ظاہر کا اس پر اجماع و اتفاق ہے اس لئے اکثر یا بعض کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن عرفاء کا قول نقل کرتے ہوئے بعض کا ذکر فرمایا ہے۔

جواب دوم:

بعضے از عرفاء گفته اند کہ روح شریف وے ﷺ نبی بود در عالم ارواح کہ تربیت ارواح میگرد چنانکہ درین عالم بجسد شریف مربی اجساد بود و بہ تحقیق ثابت شدہ است خلق ارواح قبل از اجساد واللہ اعلم .

(اشعۃ المنعمات جلد چہارم ص ۴۹۹)

”عرفاء حضرات میں سے بعض نے فرمایا کہ نبی مکرم ﷺ کی روح اقدس عالم ارواح میں بالفعل منصب نبوت پر فائز تھی جو کہ روحوں کی تربیت فرماتی تھی جیسے کہ اس عالم اجساد میں اپنے جسم اقدس کے ساتھ اجساد و اجسام کے لیے مربی تھے اور ارواح کا اجسام سے پہلے مخلوق ہونا تحقیقی طور پر ثابت ہے (لہذا روح اقدس کا ارواح کے لیے پہلے نبی ہونا اور جسم اقدس کیساتھ بعد میں اجساد و اجسام کے لیے بالفعل نبی ہونے میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔)

حضرت شیخ نے اسی طرح کا ایک سوال و جواب دوسرے مقام پر ذکر فرمایا ہے اس کا مطالعہ بھی از بس ضروری ہے:

سوال :

اگر گویند کہ ہمہ انبیاء را بلکه ہمہ مردم را ہر چہ دادند پیش از وجود عنصری ایشان دادند و نصیب کردہ اند پس فضل با آن شود کہ ایشانرا بیشتر دادند از دیگران نہ بیشتر۔ (یعنی انا اعطینک الکوثر کو ماضی کے صیغہ کے ساتھ ذکر کرنے میں جو حکمت بیان کی گئی ہے۔) کہ این عطا حاصل شدہ است پیش از وجود عنصری وے ﷺ چنانکہ گفت کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد گویا گفت یا محمد ﷺ مہیا ساختیم ما اسباب سعادت ترا برائے تو پیش دخول تو در دائرہ وجود پس چگونہ مہمل میگذا ریم ترا بعد از وجود تو و اشتغال تو با عبادت۔

یہ عطا تمہیں تمہارے وجود عنصری سے پہلے عطا ہو چکی ہے جیسے کہ فرمایا ہے کہ میں اس وقت نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے بین بین تھے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ ہم نے تمہاری سعادت کے اسباب تمہیں عطا کر دیے قبل اس کے کہ تم دائرہ وجود میں داخل ہوتے تو تمہارے موجود ہونے کے بعد اور ہماری عبادت میں مشغول ہونے کے بعد تمہیں کیونکر نظر انداز کریں گے تو اس پر سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو بلکہ تمام

انسانوں کو جو کچھ عطا کیا گیا تو وہ ان کے وجود عنصری سے قبل ہی ان کا مقدر اور نصیب بنا دیا گیا تھا تو آپ کی ان پر فضیلت عطا کی کثرت اور فراوانی کے لحاظ سے تو ہو سکتی ہے نہ کہ ان سے پہلے ملنے کے لحاظ سے۔

جواب:

جوابش آنکہ میگویند کہ نبوت آنحضرت و کمالات وے ﷺ در عالم ارواح ظاہر کردہ بودند و ارواح انبیاء ازاں استفادہ کردند چنانکہ فرمود کنت نبیا الحدیث و نبوت انبیاء دیگر در علم الہی بود نہ در خارج۔

(مدارج النبوت جلد اول ص ۷۴)

اس کے جواب میں علمائے کرام اور اکابرین ملت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور دیگر کمالات عالم ارواح میں ظاہر کردئے گئے اور انبیاء علیہم السلام کی روحیں آپ کی روح اقدس سے استفادہ کرتی تھیں جیسے کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوت علم الہی میں تھی خارج اور ظاہر میں نہیں تھی۔

تنبیہ: (۱)

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو عالم ارواح میں بالفعل نبی ماننے کے باوجود اور ارواح انبیاء علیہم السلام کے آپ سے استفادہ کرنے اور فیوض و فوائد حاصل کرنے کا عقیدہ رکھنے کے باوجود اور اس نبوت کے سلب ہونے یا زائل ہونے کا عقیدہ رکھے بغیر وجود عنصری اور جسمانی وجود کے لحاظ سے چالیس سال کے بعد آپ کا بالفعل نبی ہونا تسلیم کرتے ہیں تو لامحالہ عالم ارواح کی نبوت اور عالم اجسام کی نبوت میں فرق کرنا ضروری ہے۔

تنبیہ: (۲)

کسی کے حق میں ایک نعمت کے عطا کرنے کا فیصلہ اور اس کی تقدیر علیحدہ امر ہے اور

اس کا بالفعل حصول علیحدہ امر ہے جیسے کہ پیغمبران کرام علیہم السلام کو نبوت عطا کرنے کی تقدیر اور قضاء عالم ارواح بلکہ ازل میں ثابت ہے لیکن عملی طور پر اس کا حصول اور وصول عالم اجسام میں ہزاروں سال بعد پایا گیا اور اس کا اظہار اور اعلان بعد میں پایا گیا لہذا پہلی نبوت عند اللہ نبوت ہے نہ کہ عند الخلق اور دوسری نبوت عند الخلق بھی ہے۔

تنبیہ: (۳)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت عطا کروں پھر تمہارا پاس یہ محبوب تشریف لائیں تو تمہیں ضرور بالضرور ان پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی امداد و اعانت کرنا ہوگی تو اس عہد و پیمان کے دوران جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا تھا انہیں مستقبل میں عالم اجسام کے اندر ظاہر ہونے پر اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کا فیصلہ بھی معلوم ہو چکا اور اپنے نبی بنائے جانے کا علم آچکا۔ لیکن شیخ محقق علیہ الرحمہ کی تصریح کے مطابق وہ بالفعل نبی نہیں تھے لہذا ثابت ہو گیا کہ نبی بنائے جانے کا علم علیحدہ امر ہے اور بالفعل نبی ہونا علیحدہ امر ہے لہذا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمر شریف کے ابتدائی حصہ میں اپنے نبی بنائے جانے کا علم رکھتے ہوں یہ محل کلام یا موضوع بحث نہیں ہے بحث اور کلام عملی طور پر اور بالفعل منصب نبوت کے مالک ہونے اور فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کا مکلف ہونے میں ہے۔

تنبیہ: (۴)

نیز جو حضرات آیت بیثاق میں النبین کا لفظ دیکھ کر ان سب انبیاء علیہم السلام کو عالم ارواح میں بالفعل نبی مانتے ہیں ان کو بھی سوچنا چاہیے کہ اسلاف کی سوچ کیا ہے اور ان کی سوچ کیا ہے وہ کس شاہراہ پر گامزن ہیں اور یہ کس راہ پر ہیں۔

ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان اکابرین کی تصریحات کے مطابق ارواح انبیاء علیہم السلام کے لیے

عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے تو دوسرے حضرات کس کے لیے بالفعل نبی تھے؟ کیا وہ سبھی آپ کے لیے نبی تھے؟ نعوذ باللہ تعالیٰ۔ کیونکہ امتوں کے ارواح کے لیے نبوت ثابت کی جائے تو آپ کے حق میں اپنی امت کے ارواح کے لیے پہلے نبوت ماننا لازمی تھی تو لامحالہ امتوں کے ارواح کے لحاظ سے نبوت بالفعل ثابت کرنا جب کوئی جواز نہیں تو وہ اس دلیس میں قطعاً بالفعل نبی نہیں تھے۔

بہر کیف ہمارا واسطہ ایسے ”مجتہدین“ سے ہے جنہیں علوم و فنون، محاورات عرب، حقیقت و مجاز، صریح و کنایہ، تشبیہ و تمثیل اور مثال و نظیر وغیرہ میں فرق کا ذرہ بھر علم نہیں ہے۔ ان کی ساری علمیت کا دار و مدار سنی سنائی باتوں پر ہے، مطالعہ اور کتب بینی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں، نہ اکابر کی کتب سے مس نہ ان کے نظریات کا علم اور (بایں ہمہ ہمچوں ما دیگرہ نیست) کا بلند بانگ دعوے بھی رکھتے ہیں۔

تیسرا شبہ: دو نبوتیں اور دو رسالتیں:

اس سلسلے میں معاندین جو شکوک و شبہات پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک اہم ترین شبہ جو ان کی نظر میں ایک لاینحل عقدہ ہے، یہ ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ ہو و دفعہ نبی بنائے گئے اور کیا آپ کو دو دفعہ الگ الگ نبوت عطا کی گئی؟ اور اگر آپ کو چالیس سال کے بعد نبوت دی گئی تو پہلی نبوت جو عالم ارواح میں دی گئی تھی وہ کہاں گئی؟ آئیے اس کا جائزہ لیتے ہیں:

حضرت شیخ کے ارشاد سے آنحضرت ﷺ کے لیے عالم ارواح میں بالفعل نبوت ثابت ہو گئی اور جس طرح شیخ نے بعضے از عرفاء فرمایا تو ان حضرات کی زبانی بھی عالم ارواح میں آپ کا بالفعل نبی ہونا ثابت ہو گیا۔ اور عالم اجساد میں بھی تمام انبیاء کے بعد آپ کو یہ منصب عطا فرمایا گیا اور آپ پر سلسلہ انبیاء علیہم السلام کو ختم فرمایا گیا تو لامحالہ آپ کے لیے دو نبوتیں اور رسالتیں ماننا ضروری ٹھہرا اور دنیا والی نبوت کو عالم ارواح والی نبوت کا عین ٹھہرانا اور اس کو اسی کا

تسلل اور دوام ٹھہرانا قطعاً درست نہیں ہے۔ بلکہ وہ علیحدہ نبوت و رسالت ہے اور یہ عالم اجسام والی علیحدہ ہے۔

امام علامہ سبکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”دونبوتیں اور رسالتیں تسلیم کرنے سے ہم پر دو حدیثوں کا جو حقیقی معنی مخفی ہو چکا تھا وہ ظاہر اور واضح ہو گیا ہے۔ پہلی حدیث (بعثت الی العاس كافة) کے متعلق ہم یہی گمان کرتے تھے کہ آپ کے ظہور کے زمانہ سے قیامت تک آپ سب لوگوں کی طرف مبعوث ہیں تو اب ہم پر ظاہر ہو گیا کہ اس حدیث میں اول تا آخر تمام انسان مراد ہیں (کیونکہ جب سارے انبیاء علیہم السلام) کے لیے آپ عالم ارواح میں نبی تھے تو ان کے امتی بھی آپ کے امتی ٹھہرے اگرچہ بالواسطہ سہی)۔ دوسری حدیث کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد جس کا مطلب و مفہوم ہم یہ سمجھتے تھے کہ آپ کی نبوت علم الہی کے لحاظ سے ہے لیکن اب واضح ہوا ہے کہ یہ اس پر زائد امر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کو عالم ارواح اور عالم ذر میں بھی نبی بنایا گیا تھا جبکہ آپ سے ارواح انبیاء اور ان کے نسماں اور جواہر جسمیہ استفادہ کرتے تھے پھر دوبارہ آپ کو نبی اور رسول بنایا گیا عالم اجسام میں جبکہ آپ چالیس سال کی عمر شریف کو پہنچ چکے تھے تو آپ کا دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام سے امتیازی شان یہ ہے کہ آپ دو مرتبہ رسول بنائے گئے پہلی دفعہ عالم ارواح میں ارواح کے لیے اور دوسری دفعہ عالم عالم اجسام میں اجسام کے لیے“

اصل عبارت ملاحظہ ہو:

وانہ نبی فی عالم الارواح والذر (الی) ثم نبی و ارسل ثانیاً فی عالم الاجساد بعد بلوغه اربعین سنة من عمره فامتاز عن الانبیاء و الرسل بانہ نبی مرتین و ارسل مرتین الاولى فی عالم الارواح للارواح والثانية فی عالم الاجساد للاجساد

(بحوالہ جواہر البحار للنبہانی جلد ثانی ص ۳۷۳)

قابل غور امر یہ ہے اگر دنیوی اور جسمانی نبوت عالم ارواح والی روحانی نبوت کا دوام اور تسلسل ہوتی تو دو نبوتوں اور رسالتوں سے تعبیر کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ نیز چالیس سال کی عمر شریف کو پہنچنے کے بعد دوسری نبوت اور رسالت کے عطا کئے جانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ جبکہ وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں سال پہلے حاصل ہو چکی تھی۔

لہذا یہ امر حقیقت ثابتہ اور مسلمہ امور کے قبیل سے ہے کہ روح مجرد اور روح متعلق بالبدن کا معاملہ جدا جدا ہے عالم ارواح میں استفادہ کرنیوالی بھی پاک نوارنی روحیں اور افادہ کرنے والی بھی پاک ترین اور انتہائی نورانی روح اقدس جو کھانے پینے اور شادی بیاہ قتل و غارت وغیرہ وغیرہ سے منزہ و مبرہ جن کا کام صرف اور صرف ﴿نسیبہ بحمدک و تقدس لک﴾ جبکہ یہاں حلال و حرام اور پاک پلید اور جائز و ناجائز اور فرائض و واجبات اور محرّمات و مکروہات اور جزا و سزا اور حدود و قصاص اور تعزیرات کے معاملات درپیش ہونے تھے لہذا یہاں کی شریعت اور نبوت اور ہے اور وہاں کی شریعت اور نبوت اور ہے۔ فتامل حق التامل۔

وہاں پر نبی مکرم ﷺ ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کے لیے واسطہ فیض ہیں اور اللہ تعالیٰ سے فیوض و برکات اور احکام عبادت و ریاضت وصول کر کے ملائکہ اور انبیاء کی ارواح کو پہنچاتے تھے جیسے کہ ان کے لیے نبی ہونے کا لازمی تقاضا ہے۔ جبکہ عالم اجسام میں جبرئیل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل کر کے نبی مکرم ﷺ کو پہنچاتے رہے حتیٰ کہ وضو کرنے کا طریقہ بتلایا، نماز پڑھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا، اور امامت فرما کر امامت کا طریقہ تعلیم فرمایا، وغیرہ وغیرہ لہذا یہ امر تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ عالم ارواح والی نبوت اور ہے اور عالم اجسام والی نبوت اور ہے۔

اہم ترین سوال:

کیا ان ”مجتہدان زمانہ“ سے کوئی اس امر کا بھی قائل ہے کہ عالم ارواح میں بھی یہی

جبرئیل امین علیہ السلام آپ پر وحی لاتے تھے اور ان کے وحی لانے سے ہی آپ کو وہاں کی عبادت و ریاضت کی معرفت حاصل ہوتی تھی۔

کیا دل اقدس کا بچپن سے بیدار ہونا بچپن سے ہی بالفعل نبی ہونے کی دلیل ہے؟
بعض لوگوں نے ایک اور طرز پر استدلال فرمایا کہ:

نہی کریم ﷺ نے بچپن سے ہی بیدار رہا ہے اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا (تمام عینای و لاینام قلبی) میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔

کچھ یہودیوں نے آپ سے مختلف سوال کیے جن میں ایک یہ تھا کہ (اخبیرنا عن علامة النبی) ہمیں نبی کی علامت نبوت کے بارے میں بتائیں تو آپ نے فرمایا (تمام عیناہ و لاینام قلبہ) اس کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل بیدار رہتا ہے آپ نے بالعموم ہر نبی کا بھی اور بالخصوص اپنا امتیازی مقام یہ بیان فرمایا ہے اور وہ بھی بچپن سے تو اس کے بعد بچپن ہی میں آپ کے نبی ہونے کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔
الجواب:

(۱) تمام انبیاء علیہم السلام کی بالعموم اور نبی مکرم ﷺ کی بالخصوص شان یہ ہے:

ظواہرہم بشریۃ و بواطنہم ملکیتۃ

”ان کے ظاہر بشری حالت میں ہوتے ہیں اور باطن ملکی حالت میں ہوتے ہیں“

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ سے فیوض حاصل کرتے ہیں اور انسانوں کو وہ فیوض پہنچاتے ہیں تو اس توسط اور توسل کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دونوں طرف مناسبت ہو، نورانیت اور ملکی صفات ہوں تاکہ ملائکہ اور اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق قائم ہو سکے اور استفادہ اور استفادہ کی صلاحیت و استعداد پیدا ہو سکے اور انسانیت اور بشریت بھی ضروری ہوتی ہے تاکہ انسانوں کے

لیے افادہ اور افاضہ ممکن ہو سکے اور ذات باری تعالیٰ سونے اور اونگھنے سے پاک ہے ﴿لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾ اور ملائکہ بھی اس سے منزہ اور مبرا ہیں ﴿يَسْبَحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ لہذا انبیاء علیہم السلام کا باطن اور قلب اقدس نورانی ہونے کی وجہ سے نیند سے منزہ و مبرا ہونا ضروری ہے چونکہ وہ پیدا ہی اس اہم مقصد کے لیے ہوتے ہیں تو ان کی فطرت اور باطن پیدائشی طور پر اس امتیازی اور انفرادی شان اور صلاحیت و استعداد پر مشتمل ہوتا ہے جس سے نبوت بالقوۃ تو ثابت ہو سکتی ہے بالفعل نبوت کا تحقق اور ثبوت لازم نہیں آتا جبکہ محل نزاع بالفعل نبوت ہے۔

(۲) اگر ان مجتہد حضرات کو اسی دعویٰ پر اصرار ہو تو پھر تمام انبیاء علیہم السلام میں ہی بچپن سے بالفعل نبوت تسلیم کر لیں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش حضرات انبیاء میں یہ علامت موجود ہو اور بچپن سے موجود ہو مگر نبوت بالفعل بچپن سے صرف تین حضرات میں ثابت کی جائے دوسروں میں چالیس سال کے بعد ثابت ہو آخر اس تفرقہ کا کیا جواز ہے؟ عقلاء کے نزدیک ایک جگہ دلیل پائی جائے اور دعویٰ نہ پایا جائے تو اس کو دلیل کہنا قطعاً درست نہیں ہوتا، چہ جائیکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار یا چالیس ہزار مقامات میں سے صرف تین مقامات میں دعوے کے تحقق کو مستلزم ہو (وہ بھی زعم متدل کے لحاظ سے) اور باقی مقامات میں دعوے کے تحقق کا وہ گمان بھی نہ کیا جاسکے تو ایسی دلیل کو کوئی عقلمند انسان دلیل کیسے کہہ سکتا ہے؟ اور اس سے کوئی ایسا عقیدہ کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے جس میں اختلاف کرنے والے کو ضال مضل اور کافر تک کے فتوؤں سے نوازا جاسکے؟ لہذا حقیقت یہ ہے کہ نبی ہونے کے لیے دل کا بیدار ہونا لازم اور ضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب سے دل کی بیداری حاصل ہو جائے تب سے بالفعل نبوت حاصل ہو جائے فتامل حق التامل۔

بھیرا راہب کے آپ کو نبی کہنے سے استدلال:

کیا بھیرا راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیس سال کی عمر شریف میں بالفعل نبی تسلیم کیا تھا؟

جب بچپن میں آپ ﷺ نے جناب ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر کیا تو بحیرا راہب نے آپ سے ملاقات کی، جس میں بحیرا نے آپ کو نبی کہا اور بار بار کہا گویا مجتہد صاحب کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس وقت بالفعل نبی تھے اور جب عیسائی راہب آپ کو نبی مان رہا ہے تو ہمارے لیے اس وقت میں آپ کو بالفعل نبی نہ ماننے کی کیا گنجائش ہے؟

الجواب:

محبوب کریم ﷺ کے علاماتِ مشحہ تورات و انجیل میں پوری صراحت و وضاحت اور مکمل تفصیل و تشریح کے ساتھ بیان کر دیے گئے تھے، حتیٰ کہ باری تعالیٰ نے فرمایا:

يعرفونه كما يعرفون ابناءهم

میرے محبوب کو اہل کتاب اس طرح جانتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں اور سینکڑوں بچوں میں موجود ہونے پر ان کے لیے التباس و اشتباہ کا اندیشہ نہیں ہوتا بلکہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے (جو احبار یہود میں سے تھے اور تورات کے ماہر اور مشرف باسلام ہو گئے تھے) دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے تو انہوں نے جواب میں کہا ہمیں ہمارے بیٹوں کے متعلق کسی نہ کسی پہلو سے شک و شبہ ہو سکتا ہے مثلاً ہماری بیوی نے خیانت کی ہو اور وہ حرام زادہ ہو، لیکن نبی مکرم ﷺ کے متعلق کسی طرح بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور منکرین یہود و نصاریٰ کے متعلق باری تعالیٰ نے فرمایا:

جحدوا بها واستيقنتهم انفسهم

آپ کے متعلق نازل شدہ آیات اور بیانِ فرمودہ علامات کا بظاہر انہوں نے انکار کیا لیکن ان کے نفوس اور قلوب کو ان کے برحق ہونے کا یقین ہے۔

لہذا ان ہی علامات اور امارات کی رو سے بحیرا راہب کو بھی تسلی ہو گئی کہ یہ وہی پیغمبر

آخر الزمان ہیں لیکن اب بالفعل نبی ہیں یہ اس کے کلام سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس متدل مجتہد صاحب کو قضیہ مطلقہ عامہ اور دائمہ مطلقہ کا فرق معلوم ہوتا تو اس طرح کے بے بنیاد استدلالات کے قریب بھی نہ پھٹکتے۔ فی الجملہ اور فی وقت من الاوقات نبی ہونا علیحدہ امر ہے اور دوائی طور پر نبوت یا بوقت اطلاق لفظ، نبوت سے متصف ہونا علیحدہ امر ہے کبھی مستقبل میں حاصل ہونے والی حالت کو مد نظر رکھ کر صفت کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسے:

من قتل قتیلًا فلہ سلبہ

جو کسی کافر کو قتل کرے گا تو اس کا ساز و سامان اس کو دیدیا جائے گا اور کبھی سابقہ حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے لفظ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسے اتوا الیتامی اموالہم یتیموں کو ان کے مال سوئپ دو۔ کوئی بھی عقل مند قتل سے ظاہری معنی مراد نہیں لے سکتا کہ مقتول کو قتل کرنے پر اسکا مال و اسباب قاتل کو دیدیا جائے، مراد ہے کہ جو ابھی زندہ ہے اور آگے چل کر قتل ہونے والا ہے یہی مراد ہوگا اسی طرح کوئی عقلمند انسان اس آیت کریمہ سے یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یتیموں کو یتیمی کی حالت میں مال واپس کر دو بلکہ یہی سمجھے گا کہ جو پہلے یتیم تھے اور اب بالغ ہو کر حالت یتیمی سے باہر آچکے ہیں ان کو ان کے اموال سوئپ دو۔

اصطلاحی طور پر پہلی صورت کو مجاز بالمشاركة اور مجاز باعتبار ما یؤول الیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسری صورت کو مجاز باعتبار ماکان سے تعبیر کرتے ہیں لہذا یہاں بھی آپ کو مستقبل میں پیش آنے والے مرحلہ کے لحاظ سے نبی والی صفت کے ساتھ موصوف کر دیا گیا ہے۔ اس طرح کے مجازات قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور محاورات عرب میں عام ہیں۔

نبی مکرم ﷺ جب حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی معیت میں احد پہاڑ پر چڑھے اور اسے پایوسی کا شرف عطا کیا تو وہ خوشی سے رقص کرنے لگا اور اس پر لرزہ طاری ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اسکن احد فانما عليك نبی و صدیق و شهیدان
اے احد! رک جا! پرسکون ہو جا! کیونکہ تجھ پر نبی کی ذات اقدس تشریف فرما ہیں اور
ایک صدیق کی ذات ہے اور دو شہیدوں کی ذاتیں موجود ہیں۔

تو کیا اس وقت حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما شہید ہو چکے تھے؟ اور اس
وصف کمال سے بالفعل متصف تھے؟ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے وصال شریف
کے سوا بارہ سال بعد شہید ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چوبیس سال بعد شہید ہوئے، نبی
مکرم ﷺ نے دس حضرات کو ایک ہی نشست میں جنتی ہونے کا مژدہ سنایا (ابوبکر فی الجنة
عمر فی الجنة) الحدیث تو کیا سارے حضرات اس وقت بالفعل جنت میں موجود تھے یا
مستقبل کے لحاظ سے غیبی خبر اور بشارت دی جا رہی ہے۔

اسی طرح ارشادِ مصطفوی (فاطمہ سیدة نساء اهل الجنة) اور فرمان نبوی (الحسن
والحسین سید شباب اهل الجنة) وغیرہ غیبی خبریں ہیں اور مستقبل میں ان حضرات کو اللہ
تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونیوالے مراتب و درجات کا بیان ہے۔ خود بحیرار اہب کی زبانی یہ
حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے بشرطیکہ دیانتداری سے کتب سیرت کا مطالعہ کیا جائے چنانچہ مدارج
النبوة میں حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

بحیرار وصیت کرد ابو طالب را بحفاظت آنحضرت ﷺ از یہود و
نصاری کہ این پسر پیغمبر آخر الزمان خواهد بود دین او ناسخ همه ادیان او را
بشام مبر کہ یہود دشمن او بند۔ (مدارج النبوة جلد دوم ص ۲۶)

”بحیرار اہب نے جناب ابو طالب کو آپ کی یہود و نصاریٰ سے حفاظت اور نگہبانی کی
وصیت کی اور کہا کہ یہ بچہ پیغمبر آخر الزمان بنے گا اور اس کا دین دوسرے تمام ادیان کے لیے ناسخ
ہوگا، لہذا انہیں شام کی طرف نہ لے جاؤ کیونکہ یہودی انکے دشمن ہیں“ (آپ کو شہید نہ کر دیں)

یہ بارہ سال کی عمر میں آپ کا سفر شام تھا جو جناب ابو طالب کی معیت میں تھا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ساتھ نہیں تھے اس کے بعد بیس سال کی عمر شریف میں آپ نے شام کا سفر اختیار فرمایا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے وہ بحیرا راہب سے ملے آپ بیری کے ایک درخت کے نیچے تشریف فرما رہے تو اس نے آپ کے متعلق دریافت کیا تو حضرت صدیق نے کہا کہ یہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں تو اس نے کہا:

ایس مرد بخدا سو گند پیغمبر است زیرا کہ در خبر آمدہ است کہ ننشیند

در سایہ این درخت بعد از عیسیٰ مگر محمد (

”یہ شخص خدا کی قسم پیغمبر ہے کیونکہ ہماری روایات اور اخبار میں وارد ہے کہ اس درخت

کے سائے میں عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نہیں بیٹھے گا سوائے محمد ﷺ کے“

پس افتاد در قلب ابی بکر تصدیق آنحضرت و چون مبعوث شد اتباع

(ص ۲۶)

کرد اورا۔

”بحیرا کا کلام سن کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں آنحضرت ﷺ کے نبی

ہونے کی تصدیق پیدا ہو گئی اور جب آپ مبعوث ہوئے تو حضرت صدیق نے آپ کی اتباع کی“

بحیرا راہب کے متعلق شیخ اجل فرماتے ہیں:

پس ایمان آورد بحیرا بانحضرت و تصدیق نمود و اقرار کرد بہ نبوت

وے، پس وے یکے ازان کسا نیست کہ ایمان آوردند بانحضرت ﷺ پیش از نبوت

(ص ۲۶)

مثل حبیب نجار۔

”پس بحیرا آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آیا اور آپ کے برحق نبی ہونے کی تصدیق کی

اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا لہذا وہ بھی ان لوگوں میں سے ہے جو آپ کی نبوت سے پہلے آپ پر

ایمان لائے جیسے حبیب نجار وغیرہ“

ابن منذر اور ابو نعیم نے اسے صحابہ کرام میں سے شمار کیا ہے تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے

شیخ محقق نے فرمایا:

این مبنی است بر آن قول کہ معتبر در تعریف صحابی رویت است اگر

چہ پیش از نبوت باشد و مختار خلاف آنست و بر این تقدیر ورقہ بن نوفل اقرب

باشد باطلاق اسم صحابی کہ در مبادی نبوت بود و تحقیق این در مقام دیگر

(ص ۲۶)

”ان کا یہ دعویٰ اس قول پر مبنی ہے کہ صحابی کی تعریف میں صرف اس امر کا اعتبار ہے کہ

س نے نبی مکرم ﷺ کا شرف دیدار حاصل کیا ہو اگرچہ نبوت سے پہلے ہی کیوں نہ ہو اور مختار اس

کا خلاف ہے یعنی نبوت ملنے کے بعد شرف زیارت حاصل کر نیوالا ہی صحابی کہلا سکتا ہے اور اس

قول کی بنا پر حضرت ورقہ بن نوفل صحابی کہلانے کے زیادہ حقدار ہوں گے کیونکہ ان کو آپ کی

زیارت کا شرف نبوت کی ابتداء اور آغاز میں حاصل ہوا اور اس امر کی تحقیق کہ صحابیت کا دار و مدار

کس پر ہے دوسری جگہ مذکور ہے“

اور شیخ محقق کا مختار قول یہی ہے کہ ورقہ بن نوفل بھی صحابی نہیں ہے چہ جائیکہ بحیرا

زاہب کو جو بارہ یا بیس سال کی عمر شریف میں زیارت کا شرف حاصل کر رہا تھا صحابی تسلیم

کر لیا جائے۔ الغرض بحیرا زاہب کے اپنے قول سے بھی ثابت ہو گیا کہ اس وقت آپ بالفعل نبی

نہیں تھے اس لیے کہا کہ یہ بچہ پیغمبر آخر الزمان بنے گا اور اس کا دین تمام دیگر ادیان کا ناسخ ہوگا

اور شیخ محقق کی تحقیق سے بھی یہ حقیقت دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہو گئی، ایسی تصریحات کی

موجودگی میں ایسی روایات کو اولہ قطعہ کے طور پر پیش کرنا اور آغاز ولادت سے بالفعل نبوت

ثابت کرنا کسی عظیمند آدمی کا کام نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ان کو بنیاد بنا کر دوسرے لوگوں کو جو ان کے

دعوؤں سے متفق نہ ہوں ضلالت اور گمراہی وغیرہ کے فتوؤں سے نوازا جائے اور اپنے آپ کو عقل

کل اور مجسمہ خرد و دانائی سمجھا جائے۔ اعا ذنا لله عن ذالك۔

(۳) نیز بحیرا راہب کی ملاقات تو عمر شریف کے بارہویں سال یا بیسویں سال

ثابت ہے تو اس دوران بالفعل نبی ہونا آپ کے لیے کیونکر ثابت ہو سکتا ہے جبکہ نزول وحی کا پہلا

مرحلہ سچے خواب تھے اور ان کا دورانیہ مشہور قول کے مطابق چھ ماہ تھا حالانکہ اس میں بھی آپ کا

منصب نبوت پر فائز ہونا مختلف فیہ ہے۔

شیخ محقق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بدانکہ علماء وحی را مراتب عدیدہ ذکر کردہ اند اول رؤیائے صالحہ

چنانکہ در حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا آمدہ اول ما بدیء به رسول صلی اللہ علیہ وسلم من

الوحی الرؤیا الصالحة (تا) و در کتب واقع شدہ کہ آن شش ماہ بود و در نبوت این

مدت سخن است۔ (مدارج الدعوة جلد دوم ص ۳۵)

”معلوم کر لو کہ علمائے کرام نے وحی کے کئی مراتب و درجات ذکر کیے ہیں۔ پہلا مرتبہ

سچے خوابوں والا ہے جیسے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں وارد ہے کہ اقسام وحی میں

سے جس امر کے ساتھ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداء کی گئی وہ روایائے صالحہ ہیں اور کتب (سیرت وغیرہ) میں

تصریح کر دی گئی ہے کہ ان کی مدت چھ ماہ تھی اور اس عرصہ میں آپ کی نبوت میں مختلف اقوال ہیں“

(۴) بلکہ حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ

عنہا کی معیت میں تشریف لے جانا اور غار حرا میں پیش آمدہ واقعہ اور ﴿اقراء باسم ربك

الذی خلق﴾ الآیہ کے نزول کی اطلاع دینا حصول نبوت سے پہلے تھا یا بعد میں؟ اس کے

متعلق اسی شیخ اجل اور بزرگ المصطفیٰ الکریم فی الہدکاء نظریہ معلوم کریں:

پس گفت ورقہ چہ بینی تو یا محمد پس فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آنجہ

میدید و خبر داد از حال خود پس گفت ورقہ این ناموس است کہ بزومستی علیہ

السلام نازل میشد بشارت باد ترالے محمد ﷺ کہ تو رسول خدائے - گواہی میدہم کہ تو آل پیغمبری کہ عیسیٰ علیہ السلام بشارت داد کہ رسولے بعد از من مبعوث خواہد شد کہ نام او احمد است (تا) پس دیر شد کہ ورقہ وفات یافت وزمانہ ظہور دعوت در نیافت و وے از ایمان آرند گان و تصدیق کنند گان بآنحضرت است وزمان نبوت را در نیافت۔ (ص ۳۲)

”حضرت ورقہ نے نبی مکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ تمہیں کیا نظر آتا ہے تو آپ جو کچھ دیکھتے تھے وہ بیان فرما دیا اور اپنی حالت و کیفیت سے اس کو آگاہ کیا تو حضرت ورقہ نے کہا کہ یہ وہ ناموس اور غیبی خبریں دینے والا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا آپ کے لیے مرثوہ اور بشارت ہوائے محمد ﷺ کہ تم رسول خدا ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ تم وہی پیغمبر ہو جن کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک رسول تشریف لائیں گے جن کا نام نامی احمد ہوگا (تا) پس بہت دیر ہوئی کہ حضرت ورقہ فوت ہو گئے اور نبی کریم ﷺ کی دعوت کے ظہور کا زمانہ نہ پایا۔ وہ نبی محتشم ﷺ پر ایمان لانے والوں اور تصدیق کرنے والوں میں سے ہیں لیکن انہوں نے آپ کا زمانہ نبوت نہیں پایا“

عظیم محدث کے نزدیک اگر سورہ علق کی ابتدائی آیات کے نزول کا زمانہ پانے والے اور آپ سے شرف ملاقات حاصل کرنے والے اور آپ سے براہ راست آیات سننے والے نے نبوت کا زمانہ نہیں پایا بلکہ یہ دورانیہ مبادیات نبوت اور تمہیدی کاروائی کا تھا تو بحیرار اہب سے ملاقات کا دور بالفعل نبوت کا دور کیسے ہو گیا؟ فاعتبرو یا اولیٰ الباب

(۵) رہا آپ پر ایمان لانے کا معاملہ تو آپ کی ولادت پاک سے بھی پہلے آپ پر ایمان لانیوالے ایمان لاتے رہے ہیں اور یہ فضیلت حاصل کرتے رہے ہیں۔ تبع بادشاہ نے شہر مدینہ کی بنیاد بھی رکھی اور اپنے مذہب کے تین سو علماء کے لیے مکانات تیار کیے جو نبی مکرم ﷺ

کے دار ہجرت کی علامات دیکھ کر وہاں قیام پر مصر تھے اور اس کے ساتھ جانے سے انکاری ہو گے اور کہا کہ ان کی راہوں میں آنکھوں کے فرش بچھا کے بیٹھے رہیں گے، نصیب جاگا اور مقدر کا ستا چمکا تو دیدار نصیب ہو جائے گا ورنہ بروز قیامت ان کا دامن رحمت تھام کے عرض کریں گے، آپ نے آپ کے شوق دیدار میں آنکھیں فرش راہ کئے ساری زندگی گزار دی آج ہمیں اپنے سارے رحمت میں جگہ عطا فرمائیے اور ہمیں اپنے غلاموں میں شامل فرمائیے۔ اور تب نے ایک مکان آپ کے لیے بھی بنوایا تا کہ وہ محبوب تشریف لائیں تو اس میں قیام پذیر ہوں۔ اور بڑے عالم کو اپنی طرف سے یہ عریضہ لکھ کر دیا اور آپ کو پیش کرنے کی وصیت کی جس میں اپنے ایمان لانے اور اطاعت بجالانے کا عہد کرتے ہوئے عرض کیا تھا:

شہدت علیٰ احمد انہ رسول من اللہ باری السم
فلو مد عمری الی عمرہ لکنت وزیر الہ و ابن عم
”میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول ہیں اور پاکیزہ نسب والے ہیں اگر میری عمر ان کی تشریف آوری تک لمبی ہو گئی تو میں (حکومت کے نشے میں دوڑ دوڑ نہیں رہوں گا بلکہ) ان کا وزیر اور خادم خاص رہوں گا“

حالانکہ یہ ہجرت سے ہزار سال پہلے کی بات ہے، اس ضمن میں شیخ محقق فرماتے ہیں:
خود جماعت بودہ اند کہ پیش از وجود و ظهور صورت عنصری
آنحضرت ﷺ ایمان بوے آورده اند ﷺ مثل حبیب نجار و غیرہ بلکہ خصوصیات
باشخاص چیست تمام رسل و انبیاء علیہم السلام و امم ایشان با آنحضرت ﷺ
ایمان آورده اند (مدارج النبوة جلد دوم ص ۳۲)

”صرف ورقہ کی کیا خصوصیت ہے بلکہ پوری جماعت ہے ان حضرات کی جو کہ آپ کی

صورت عنصری اور جسمانی شکل کے وجود اور ظہور سے قبل آپ پر ایمان لائے تھے مثل حبیب نجار وغیرہ بلکہ چند اشخاص کی کیا خصوصیت ہے تمام رسل کرام اور سبھی انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں آپ پر ایمان لائیں تھیں“

بلکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے انبیاء و رسل سے افضل و اعلیٰ اور بزرگ و برتر سمجھتے ہوئے مشکلات اور شدائد میں آپ کے نام نامی اور ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہوئے حاجات کی قضا اور مشکلات کے حل کے لیے ملتجی ہوتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ

وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا

آپ کے ظہور سے قبل آپ کے طفیل اور توسل سے کفار کے خلاف فتح طلب کرتے تھے۔ لہذا ایمان لانے کے لیے آپ کا بالفعل اس جہاں میں موجود ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ جائیکہ بالفعل وصف نبوت کے ساتھ موصوف ہونا۔ فتامل حق التامل کیا زمانہ عصمت کو زمانہ نبوت کی دلیل ٹھہرانا درست ہے؟

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آغاز ولادت سے نبی ماننے والے حضرات کا یہ استدلال بھی ہے کہ نبی کے لیے معصوم ہونا ضروری ہوتا ہے اور چونکہ آپ بچپن سے ہی معصوم ہیں لہذا آپ نبی بھی بچپن سے ہیں اور ولی کے لیے معصوم ہونا ضروری نہیں ہوتا لہذا آپ کو چالیس سال تک کی عمر شریف تک ولی ماننا درست نہیں ہے بلکہ اس عرصہ میں بھی نبی ماننا ضروری ہے۔

جواباً گزارش یہ ہے کہ ہر نبی کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے نہ کہ صرف ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے تو اس دلیل کی رو سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن سے ہی نبی ماننا ضروری ٹھہرا، حالانکہ یہ لازم بدیہی البطلان ہے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں صرف دو حضرات یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے بارے میں بچپن سے بالفعل نبی ہونے کے اقوال بعض حضرات اکابر کی طرف سے دستیاب ہیں اور جب یہ لازم باطل

ہوا تو لامحالہ ملزوم قول بھی باطل ہوا کیونکہ مسلم قاعدہ ہے بطلان الالزام يستلزم بطلان الملزوم "لازم کا بطلان ملزوم کے بطلان کو مستلزم ہوا کرتا ہے"

نیز اس نظریہ کو اس طرح تعبیر کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی معصوم ہوتے ہیں تو جب سے معصوم ہوں تب سے ہی نبی ہونا لازم ہو تو ان کو نبی بننے سے پہلے نبی ماننا لازم آجائے گا کیونکہ وہ سبھی واجب العصمة ہیں اور وجوب عصمت نبوت کو مستلزم ہے تو لازم آیا کہ انبیاء علیہم السلام نبوت ملنے سے پہلے نبی ہوں جبکہ ہر عقلمند انسان کے نزدیک تقدم الشيء على نفسه محال ہے اور یہاں اسی کا اقرار و اعتراف لازم آ رہا ہے۔

اور اس استدلال کو اتنا خیال نہیں آیا کہ میں اس دلیل سے خود کو زمرہ عقلاء سے بھی خارج کر رہا ہوں اور اپنے نظریے کو بھی باطل ٹھہرا رہا ہوں کیونکہ بالعموم انبیاء علیہم السلام کا چالیس سال کے بعد منصب نبوت پر فائز کیا جانا مسلمہ حقیقت ہے۔

کیا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دس سال کی عمر میں امت کیساتھ موازنہ اور ان پر بھاری ہونا بالفعل نبی ہونے کو مستلزم ہے:

بعض حضرات نے محبوب خداوند تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چالیس سال سے قبل بالفعل نبی ہونا اس روایت سے ثابت کیا ہے کہ دس سال کی عمر شریف میں آپ کا شق صدر ہوا اور ان دو سفید پوش اشخاص میں سے ایک نے دوسرے کو کہا کہ ان کا امت کے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو چنانچہ وزن کیا گیا تو میں بھاری نکلا، حتیٰ کہ ہزاروں آدمیوں کے ساتھ وزن کیا گیا پھر بھی میں بھاری نکلا تو انہوں نے کہا بس کرو ان کو ان کی تمام امت کے ساتھ وزن کیا جائے تو بھی ان سے وزنی نکلیں گے۔

(۱) جواباً گزارش یہ ہے کہ ایسے استدلالین حضرات نے دوران استدلال اپنے عقول و اذہان کو چھٹی دے رکھی ہوتی ہے اور ذرہ بھر غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ آپ کی نبوت

آغاز ولادت سے ثابت کرنے کے درپے تھے اور اس دلیل سے آپ کے لیے بالفعل امت بھی ثابت کر دی اور وہ بھی ہزاروں کے حساب سے۔ ان مجتہد حضرات سے کون پوچھے کہ اعلان نبوت کے بغیر امت کا تصور کیسے ہو سکتا ہے جبکہ آپ کی طرف سے چالیس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے اعلان نبوت کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

(۲) نیز امت دو قسم ہوتی ہے امت اجابت اور امت دعوت

جونہی کی دعوت پر حلقہ غلامی میں داخل ہو جائیں وہ امت اجابت کہلاتے ہیں اور جن کو دعوت پہنچے لیکن قبول نہ کریں اور اس نبی کی تصدیق نہ کریں وہ امت دعوت کہلاتی ہے تو جب تک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لوگوں کو دعوت تہ حید و رسالت ہی نہ پہنچی تو ان کا امت اجابت یا امت دعوت ہونا کیونکر متصور ہو سکتا ہے؟ اور آپ کے ان کے ساتھ موازنہ کا اور بھاری ہونے کا تصور کیسے ہو سکتا ہے؟

(۳) نیز جن کے ساتھ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موازنہ کیا گیا ظاہر ہے کہ وہ امت اجابت ہے نہ امت دعوت، کیونکہ کافر تو عند اللہ چھڑ کے پر جتنا وزن نہیں رکھتا اور ان کفار سے وزنی ہونا آپ کے لیے کوئی فضیلت اور امتیازی و انفرادی مقام و مرتبہ کی نشاندہی کر سکتا ہے، تو لامحالہ یہاں پر امت اجابت مراد ہوگی تو ذرا سوچ کر بتلایا جائے کہ دس سال کی عمر شریف میں بالفعل امت اجابت تھی کہاں اور وہ بھی اس کثرت کے ساتھ الغرض نہ اس وقت امت اجابت بلکہ نہ ہی امت دعوت اور نہ ہی اس سے بالفعل نبوت ثابت ہو سکتی ہے۔

(۴) حقیقت حال یہ ہے کہ یہ عالم مثال کا معاملہ ہے۔ جس میں ماضی اور مستقبل بھی حال کی مانند حاضر اور متحقق ہوتے ہیں اور ماضیات و مستقبلات بھی۔ تو اس میں آئندہ جو مرتبہ و مقام آپ کو ملنے والا تھا اس کی بشارت دی جا رہی تھی اور آئندہ زمانہ میں آپ کی امت ہزاروں لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں تک پہنچنے والی تھی، اس لیے کہا کہ ساری امت کے ساتھ وزن کرنے

پر بھی آپ سب پر بھاری ہوں گے اور بظاہر وزن جسم اقدس کا امت کے اجسام سے کیا جا رہا تھا لیکن درحقیقت باطنی اور روحانی درجات و مراتب کے لحاظ سے فوقیت و فضیلت اور برتری ثابت کی جا رہی تھی آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے فضل و کرم کی خوشخبری سنائی جا رہی تھی۔ فتدبر حق التدبر

کیا جب سے شق صدر ہوا تب سے نبوت کا تحقق ہو گیا؟

بعض مجتہد حضرات نے نبی مکرم ﷺ کے شق صدر کو آپ کے بالفعل نبی ہونے کی دلیل بنایا ہے کیونکہ شق صدر نبوت کا خاصہ ہے اور اولیاء کا شق صدر نہیں ہوتا لہذا شق صدر سے آپ میں نبوت کا بالفعل تحقق ماننا لازم اور ضروری ہے جبکہ پہلا شق صدر چار سال کی عمر شریف میں پایا گیا تو اس وقت سے آپ کو نبی ماننا لازم ہے۔

جو ابامعروض خدمت ہے شق صدر اسی کا ہوگا جس نے نبی ہونا ہوگا نہ یہ کہ جب سے شق صدر ہوا نبوت متحقق ہوگئی، آپ کا شق صدر چار مرتبہ ہوا پہلا چار سال کی عمر میں، دوسرا دس سال کی عمر میں، تیسرا چالیس سال کی عمر شریف میں، چوتھا معراج شریف کے موقع پر اور ہر ایک کی حکمت و مصلحت بھی علمائے اعلام اور مقتدیان انام نے بیان فرمائی کما قد ذکرنا قبل ذلک پہلے شق صدر میں سمت یہی نہ آپ سینوں کی طرف مائل اور راجع نہ ہوں۔ دوسرا شق صدر اس لیے ہوا تا کہ شہوانی اور نفسانی تقاضے ختم ہو جائیں اور قبائح اعمال سے اجتناب کلی حاصل ہو جائے۔ گویا ان دونوں دفعہ کے شق صدر سے آپ میں عصمت و طہارت اور تزکیہ اور تصفیہ نفس پیدا کرنا مقصود تھا جو کہ نبی بنائے جانے کی اساس اور بنیاد ہے، اور تیسرے شق صدر میں حکمت یہ تھی کہ باری اور نزول نبوت کے تحمل اور برداشت کی اہلیت و صلاحیت پیدا ہو جائے ورنہ طبیعت بشری اس بارگراں کو برداشت کرنے سے عاجز اور قاصر ہو جاتی۔ اور چوتھی دفعہ شق صدر کی حکمت یہ تھی کہ سینہ اقدس میں اس قدر انوار و تجلیات بھر دیے جائیں کہ بشریت بھی نور محض بن کر رہ

جائے، اور آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کے جلوؤں کی تاب لاسکیں اور اطمینان و سکون کے ساتھ شرف دیدار حاصل کر سکیں نہ موسیٰ کلیم علیہ السلام کی طرح صفاتی تجلی دیکھنے پر بیہوش ہو سکیں اور نہ جبرئیل امین علیہ السلام کی طرح جل مرنے کا خطرہ محسوس کریں۔

الغرض نبی مکرم ﷺ کے تیسرے شق صدر نے تو ان مجتہد حضرات کے دعویٰ کا بھی صفایا کر دیا اور اس کو بھی پارہ پارہ کر دیا کیونکہ آپ آغاز ولادت سے ہی بالفعل نبی تھے تو پھر عمر عزیز کے چالیسویں سال میں بار وحی اور ثقل نبوت کے برداشت کر سکنے کے لیے شق صدر کی کیا ضرورت تھی اور بار نبوت کے تحمل اور برداشت کر سکنے کی تدبیر کرنے کا کیا مطلب؟ نیز پہلی دفعہ کے شق صدر نے بھی جزوی طور پر ان کے دعویٰ کو باطل ٹھہرا دیا کیونکہ وہ چوتھے سال میں ہوا تو اس سے قبل نبوت کا بالفعل تحقق اور ثبوت نہ پایا گیا تو آغاز ولادت سے ہی نبوت کے بالفعل تحقق اور ثبوت کا دعویٰ غلط اور بے بنیاد ٹھہرا۔

اس طرز استدلال سے اس مجتہد صاحب نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی بجائے الٹا اس کا رد کر دیا۔ اگر ایسے مجتہد حضرات کے ہاتھ میں اہل سنت کے عقائد و نظریات کے تحفظ کی ذمہ داری آگئی تو (العیاذ باللہ) نہ جانے کون کون سے گل کھلائیں گے؟

در اصل بحث:

اصل بحث یہاں یہ ہے کہ شق صدر معجزہ ہے، سینہ اقدس چیرا جائے اور دل اقدس باہر نکال لیا جائے پھر اس کو چیرا جائے اور اس میں سے کچھ نکالا جائے اور کچھ بھرا جائے اور آپ سب کچھ دیکھ رہے ہوں اور موت واقع ہونا تو دور کی بات ہے بیہوشی اور غفلت بھی طاری نہ ہو تو یہ عظیم معجزہ ہے۔ اور معجزہ کا ظہور حصول نبوت کے بعد تو ہو سکتا ہے نہ کہ اس سے قبل اور نبوت آپ کو چالیس سال بعد ملی تو لہذا پہلے دو شق صدر تسلیم کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے لہذا جو روایات اس پر دلالت کرتی ہیں وہ ناقابل اعتبار ہیں۔

علمائے کرام اور مقتدایان انام نے اس کا جواب یہ دیا کہ انبیاء علیہم السلام سے جو خلاف معمول کام سرزد ہوتے ہیں وہ صرف معجزہ میں منحصر نہیں ہوتے بلکہ ان خوارق عادات کو جو قبل از نبوت صادر ہوں اور ہاں کہا جاتا ہے جس کا معنی ہے ”بنیاد رکھنا“ کیونکہ ان امور سے لوگوں کو اندازہ بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخصیت زمانہ مستقبل میں اعلیٰ مرتبہ اور بلند ترین مقام کی مالک بننے والی ہے کیونکہ ہدایت، دلیل نہایت اور آغاز، دلیل انجام ہوا کرتا ہے۔

لہذا پہلے دونوں شق صدر روایات سے ثابت ہیں اور وہ اہا صات کے قبیل سے ہیں ان کے انکار کا نہ از روئے نقل کوئی جواز ہے اور نہ از روئے عقل کوئی جواز ہے، حوالہ بھی پیش خدمت ہے تاکہ متلاشی حق کے اطمینان و سکون کا سامان ہو جائے:

طعن القاضی عبدالجبار فی ذلک بما محصلہ انہ یلزم علی و قوعہ فی الصغر و قبل النبوة تقدم المعجزة علی النبوة وهو لا يجوز و قوعہ بعد النبوة و ان لم یلزم علیہ ما ذکر الا ان ما ذکر معہ من حدیث الغسل و ادخال الراقۃ و الرحمة و حشو الایمان و الحکمة یرد علیہ ان الغسل ممالا اثر له فی التکمیل الروحانی و انما هو لازالۃ امر جسمانی و انه لا یصح ادخال ما ذکر و حشوه فانما هو شیء یخلقه اللہ فی القلب و لیس بشیء فان تقدم الخارق علی النبوة جائز عندنا و نسمیہ اہا صا و الاخبار کثیرة فی وقوعہ له علیہ الصلوۃ و السلام قبل النبوة و الغسل بالماء کان لازالۃ امر جسمانی و لا یبعد ان یکون ازالته و غسل المحل بماء مخصوص کما زمزم علی ما صح فی بعض الروایات

(روح المعانی جلد ۳ ص ۹۳ تفسیر کبیر جلد ۳۰ زیر آیت الم نشرح لک صدرک)

”قاضی عبدالجبار معتزلی نے شق صدر اور قلب اقدس کے دھوئے جانے پر اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صغریٰ اور بچپن میں اور نبوت سے قبل اس کے واقع ہونے میں معجزہ کا

نبوت سے پہلے وقوع پذیر ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے اور نبوت کے بعد وقوع پذیر ہونے میں اگرچہ یہ مفیدہ لازم نہیں آتا مگر اس کے ساتھ جو دھوئے جانے کا اور رافت و رحمت کو داخل کرنے اور ایمان و حکمت اس میں بھرنے کا ذکر کیا گیا ہے اس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ پانی کے ساتھ دھوئے جانے کا روحانی تکمیل میں کیا دخل اور اثر ہو سکتا ہے یہ تو جسمانی آلاتوں وغیرہ کے ازالہ کے لیے ہوتا ہے نیز جن چیزوں کے دل اقدس میں داخل کرنے کا ذکر کیا گیا ان کا اس انداز میں داخل کیا جانا بھی اور قلب مبارک کا پر کیا جانا بھی درست نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان امور کو (بغیر ایسے اسباب و آلات کے) دلوں میں پیدا فرماتا ہے“

علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ

”اس اعتراض اور جرح و قدح کی کوئی حیثیت نہیں ہے، کیونکہ خوارق عادت اور خلاف معمول افعال کا نبوت سے قبل پایا جانا جائز اور صحیح ہے اور یہی ہمارا مذہب اور نظریہ ہے اور ہم اس امر خارق عادت کو ارہا ص کا نام دیتے ہیں اور نبی مکرم ﷺ کے حق میں نبوت سے قبل شق صدر کا پایا جانا بہت سی روایات اور احادیث سے ثابت ہے رہا دھوئے جانے کا معاملہ تو امر جسمانی کے لیے تھا نہ کہ امر روحانی کے لیے اور اس کے پانی کے ساتھ زائل کئے جانے میں کوئی استبعاد نہیں ہے اور بالخصوص ماء زمزم جیسے مخصوص اور مبارک پانی کے ساتھ روحانی امور کے محل یعنی قلب کے دھوئے جانے میں کیا اشکال و استبعاد ہو سکتا ہے؟“

فوائد (۱):

اس بحث و تمحیص اور سوال جواب سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ اہل سنت و الجماعت نبی مکرم ﷺ اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے حصول نبوت سے قبل بھی امر خارق للعادة کا صادر ہونا درست تسلیم کرتے ہیں اور اس کو ارہا ص سے تعبیر کرتے ہیں اور بعد از نبوت صادر ہونے والے خلاف معمول امور کو معجزہ کہتے ہیں اور نبوت سے پہلے ہونے والے شق صدر

ارہا ص ہیں نہ کہ معجزہ۔ اگر اس کو کوئی معجزہ کے لفظ سے تعبیر کر دیتا ہے تو یہ از روئے اصطلاح مجازی استعمال ہے کیونکہ معجزہ کے مشابہ بھی ہے اور وہ ہستی مستقبل میں نبی بھی بننے والی ہے تو اس تشابہ اور مستقبل میں حاصل ہونے والی حالت کے پیش نظر اس کو معجزہ کہہ دینا صحیح ہے لیکن اہل کلام اور علم العقائد کی اصطلاح کے مطابق وہ ارہا ص ہے نہ کہ معجزہ۔ لہذا نبی مکرم ﷺ کے چار سال اور دس سال کی عمر میں ہونے والے شق صدر در حقیقت ارہا ص ہیں۔

(۲) پیغمبران کرام علیہم السلام سے سرزد ہونے والے خلاف معمول امور کو معجزہ میں منحصر ماننا معتزلہ کا مذہب ہے نہ کہ اہل سنت کا تو گویا ہمارے زمانہ کے بزعم خویش مجتہد اور محقق دعوے تو کرتے ہیں سنی ہونے کا اور استدلال میں معتزلی نظریات کو اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں جو تجاہل ہے یا بھرپور جہالت ہے یا فریب کاری اور دھوکا بازی۔

(۳) معتزلی نے اپنے زعم کی بنا پر نبوت سے پہلے کے شق صدر کا انکار کر دیا لیکن نبوت چالیس سال کے بعد ہی تسلیم کی لیکن ان حضرات نے ان سے سبقت لے جاتے ہوئے بچپن سے ہی نبوت کا تحقق تسلیم کر لیا، گویا نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ نہ اہل سنت والا نظریہ اپنایا اور نہ ہی معتزلہ والا مسلک برقرار رکھا۔ واللہ الہادی الی الصراط المستقیم۔

کیا انبیاء علیہم السلام منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے ولی ہوتے ہیں یا نہیں؟

بعض حضرات نے اس امر کو بھی بندہ کی گستاخیوں میں شمار کیا ہے کہ میں نے چالیس سال کی عمر شریف تک نبی کریم ﷺ کو مقام ولایت پر فائز تسلیم کیا ہے، اس میں بھی غور و خوض اور نظر و فکر کی ضرورت ہے کہ جب تک کسی ہستی کو منصب نبوت پر فائز نہ کیا جائے اور اس میں ایمان و یقین محکم بھی ہو اور تقویٰ و طہارت اور پرہیزگاری بھی ہو تو اس کو ولی کیوں نہ مانا جائے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿ان اولیاءہ الا المتقون﴾ (الانفال: ۳۳) نہیں اس

کے اولیاء مگر متقی لوگ

اور فرمان ایزد متعال ہے ﴿الا ان اولياء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یعتقدون﴾ (یونس: ۶۳، ۶۴) غور سے سنو! بیشک اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور محبوبوں پر نہ خوف و خطر ہے اور نہ ہی وہ غمزدہ اور حزن و ملال سے دوچار ہوں گے وہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ جو ایمان لائے اور تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتے تھے۔ لہذا جب ولایت کا مدلول و مفہوم اور معنی و مطلوب اور مدار و بنیاد ایمان و تقویٰ ہے اور وہ ان حضرات میں علیٰ الوجه الاتم موجود ہوتا ہے تو ان کو ولی کیوں نہ مانا جائے اور ان پر اس صفت عالیہ اور اسم معظم کا اطلاق کیوں جائز نہیں ہوگا؟ اور اس میں بے ادبی اور گستاخی والا کون سا پہلو ہوگا؟ بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود ولی کے لفظ کا اہل ایمان کے علاوہ اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر دوران رسالت اطلاق فرمایا ہے بلکہ اپنی ذات اقدس پر بھی اطلاق فرمایا ہے ﴿انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا﴾ (المائدہ: ۵۵) تمہارا ولی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول محتشم اور اہل ایمان۔ کیا رسول اللہ کو ولی المؤمنین کہنا جائز ہے اور ولی اللہ کہنا ناجائز ہوگا اور بے ادبی۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجیبت

﴿نحن اولیاءکم فی الحیاة الدنیا و فی الاخرۃ﴾ (فصلت: ۳۱) ہم تمہارے ولی ہیں و نبوی زندگی میں اور آخرت میں بھی و غیر ذلک من الایات الکریمہ تو کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول معظم کی شان میں تفریط اور تقصیر سے کام لیا یا اپنی شان والا میں تنقیص و تحقیر سے کام لیا العیاذ باللہ۔ لہذا اس صفت عالیہ اور اسم شریف کے اطلاق میں کسی طرح بھی بے ادبی اور گستاخی کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

نیز اگر اس دور میں یہ حضرات نبی و رسول بھی نہ ہوں اور ان کو ولی بھی تسلیم نہ کیا جائے تو اس میں ان کی توہین و تحقیر اور بے ادبی اور اساعت ہوگی کیونکہ جب ولایت کا مدار ایمان و تقویٰ پر ہے تو پھر ولایت کی نفی سے تقویٰ و طہارت کی ان سے نفی لازم آجائے گی جو سراسر توہین

و تحقیر ہے اور خلاف اجماع ہے۔ کیونکہ تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد بھی معصوم ہوتے ہیں اور جو اجماع امت کا مخالف ہو وہ سراسر گمراہ اور جہنمی ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿و ی تتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ و نصلہ جہنم و ساءت مصیرا﴾ (النساء: ۱۵۵)

جو شخص بھی میرے رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کی ہدایت اس پر واضح ہو گئی اور مومنین کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ پر چلے گا ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھریگا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا اور بری بازگشت اور انتقال کی جگہ ہے۔ لہذا ان مقدس ہستیوں کو قبل از نبوت اولیاء اللہ کے عظیم منصب کا مالک ماننا لازم اور ضروری ہے۔

علاوہ ازیں آغاز ولادت سے نبی ہونے کا قول کیا گیا ہے تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں یا پھر ان مجتہد حضرات نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ قول کیا ہے تو تین حضرات کے علاوہ باقی حضرات میں سید اللہ کے مطابق چالیس سال کے بعد ہی منصب نبوت پر فائز کیا جانا تسلیم کیا جاسکتا ہے چنانچہ علامہ علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں

قال اللہ تعالیٰ و لما بلغ اشدہ ای و صل موسیٰ نہایۃ قوتہ و غایتہ نشأتہ من ثلاثین الی اربعین سنۃ و استوی ای استحکم عقلہ و استقام حالہ و بلغ اربعین سنۃ و ہو سن بعث الانبیاء علیہم السلام غالباً فی سنۃ اللہ و عادتہ سبحانہ و تعالیٰ اثیناہ حکمای نبوتہ و علمای معرفۃ تامۃ (شرح شفاء بر حاشیہ نسیم الریاض ص ۲۸۳ جلد اول)

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿و لما بلغ اشدہ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام پہنچ گئے اپنی قوت کی انتہا کو اور نشأت عنصری کی غایت کو جو کہ تیس سال سے چالیس سال تک کا عرصہ ہے و استوی اور مستحکم ہو گئی عقل ان کی اور درست ہو گیا حال ان کا اور پہنچے چالیس سال کی عمر کو اور یہی عمر ہے

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی بالعموم اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کی عادت جاریہ میں ﴿آیناہ حکما﴾ ہم نے ان کو نبوت عطا کی ﴿وعلم﴾ اور ان کو معرفت تامہ عطا فرمائی“
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

هر چند انبیاء و آئمہ بکمالات نفسانی و مراتب ایمانی از سائر خلق ممتاز می باشند لکن احکام بشریہ و خواص سن صبی و طفولیت درینہا نیز باقی اند و لهذا مقتدا بودن را بلوغ بعد کمال عقل ضروری داشته اند بلکہ قبل از اربعین منصب نبوت بکسے عطا نشده الا نا در اوالنادر کالمعدوم۔ (ص ۲۶۲)

انبیاء کرام علیہم السلام اور ائمہ کرام علیہم الرضوان اگرچہ کمالات نفسانی اور مراتب روحانی میں تمام مخلوق سے ممتاز اور منفرد مقام کے مالک ہوتے ہیں لیکن بشری احکام اور بچپن والی عمر کے اور طفولیت کے خواص اور تقاضے بھی ان میں باقی ہوتے ہیں اسی لیے مقتدا اور رہنما بننے کے لیے کمال عقل کی حد عمر تک رسائی کو ان کے حق میں لازم اور ضروری رکھا گیا ہے بلکہ چالیس سال کی عمر سے قبل کسی کو بھی نبوت عطا نہیں کی گئی مگر نادر طور پر اور نادر چیز معدوم کے حکم میں ہوتی ہے“

الغرض جب سنت الہیہ اور عادت جاریہ اور معمول باری تعالیٰ کا یہی ہے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چالیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے صرف دو تین کو آغاز ولادت سے نبوت حاصل ہوئی ہے تو بقایا حضرات کے حق میں نبوت بھی چالیس سال کی عمر سے قبل تسلیم نہ کی جاسکے اور ولایت بھی تو ان کو تقویٰ و طہارت سے عاری اور خالی ماننا لازم آئے گا جو کہ سراسر باطل لازم ہے اور اس کا التزام سراسر گمراہی و ضلالت اور بے دینی اور بے ایمانی ہے لہذا کسی مسلمان کو ان سے ولایت کی نفی جائز نہیں ہے۔

تنبیہ نبیہ:

اسلاف کرام کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا قبل از نبوت مقام ولایت پر فائز ہونا بجائے اس کے ہم اپنے ذہن اور عقل اور اپنی سوچ و فکر کی اتباع اور تقلید کے جال میں پھنسیں، اکابر و اسلاف سے فیصلہ کیوں نہ کروالیں اور ان منعم علیہم حضرات کی راہ کو صراط مستقیم سمجھتے ہوئے اور مانتے ہوئے اس پر کیوں نہ گھڑن ہوں۔

(۱) عقائد نسفی میں امام نسفی نے فرمایا:

لا يبلغ ولي درجة الانبياء عليهم السلام
كوتى ولي انبياء عليهم السلام کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا
اس کی شرح میں علامہ تفتازانی نے فرمایا:

لان الانبياء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة مكرمون بالوحي
ومشاهدة الملك مأمورون بتبليغ الاحكام وارشاد الانام بعد الاتصاف بكمالات
الاولياء۔

کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور خاتمہ بالخیر نہ ہونے کے خوف اور اندیشہ سے امن و حفاظت میں ہوتے ہیں، نزول وحی کے ساتھ عزت و اکرام پانے والے ہوتے ہیں اور فرشتوں کے مشاہدہ کے ساتھ مکرم و محترم ہوتے ہیں۔ مخلوق کی طرف تبلیغ احکام اور ان کے لیے رشد و ہدایت کا بندوبست کرنے پر مامور ہوتے ہیں بعد اس کے کہ کمالات اولیاء کرام کے ساتھ موصوف اور متصف ہوتے ہیں۔“

یعنی جب ان میں پہلے کمالات اولیاء موجود متحقق ہوتے ہیں اور اس کے بعد نبوت کے ساتھ اور اس کے کمالات اور مقتضیات کے ساتھ متصف ہوتے ہیں تو اولیاء کرام علیہم الرضوان ان کے درجات و مراتب تک کیونکر رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

(۲) علامہ پرہاروی بعد الاتصاف بکمالات الاولیاء کے تحت فرماتے ہیں

بعد بمعنی مع و يجوز ان يكون على ظاهرة لما تقرر من ان النبي قبل

النبوة يكون ولياً (نبراس ص ۵۶۱، وکذافی الشفا جلد اول ص ۵۸)

”یعنی کمالات ولایت کے ساتھ متصف ہوتے ہوئے نبوت کے کمالات سے بھی

مشرف ہوتے ہیں“ (نہ کہ پہلے ولایت والے کمالات حاصل ہوتے ہیں اور نبوت والے

کمالات حاصل ہونے پر وہ موجود و متحقق نہیں ہوتے بلکہ زائل ہو جاتے ہیں) (نعوذ باللہ

لہذا بعد الاتصاف بمعنی مع الاتصاف ہے اور جائز ہے کہ بعد الاتصاف کو

اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور دونوں اتصاف یکے بعد دیگرے متحقق ہوں پہلے ان میں کمالات

ولایت پائے جائیں اور ان کے بعد کمالات نبوت کے ساتھ متصف ہوں اور دونوں کمالات قائم

و دائم ہوں کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے اور مسلمہ حقیقت ہے کہ نبی کی ذات مقدسہ نبوت سے قبل ولی

ہوتی ہے“

(۳) مواقف اور شرح مواقف میں بھی قاضی عضد الدین اور میر سید شریف

رحمہما اللہ نے دعویٰ کیا تھا کہ معجزہ وہ امر مخالف عادت ہوتا ہے جو نبی کے دعوائے نبوت کے

مقارن ہونہ کہ اس سے پہلے، کیونکہ معجزہ دعوائے نبوت کی تصدیق کے لیے ہوتا ہے تو دعوائے

نبوت سے پہلے وہ امر خارق للعادة تصدیق کا فائدہ کیونکر دے سکتا ہے اس پر وارد ہونے

والا اعتراض ملاحظہ فرمادیں پھر اس کا جواب مطالعہ کریں اور حقیقت حقہ کا مشاہدہ کریں (ماننانہ

ماننا تو توفیق الہی پر منحصر ہے)

الاعتراض:

فما تقولون في كلام عيسى في المهد و تساقط الرطب الجنى عليه من

النخلة اليابسة فانهما معجزتان له مع تعددها على الدعوى و ما تقولون ايضاً في

معجزات رسولکم من شق بطنه و غسل قلبه و اظلال الغمامة و تسليم الحجر و المدر عليه فانها كلها متقدمة على دعوى الرسالة۔

(شرح مواقف ص ۶۶۷ کذا فی الزرقانی جلد ۵ ص ۷۷، ۲۳۲ کذا فی مطالع المسرات ص ۲۱۶)

”اگر معجزہ دعوت نبوت و رسالت سے مقدم نہیں ہو سکتا تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے عالم مہد میں کلام کرنے اور خشک کجھور سے ان پر تازہ چنی ہوئی کجھوروں کے گرنے کے متعلق کیا کہو گے کیونکہ وہ دونو آپ کے معجزے ہیں باوجودیکہ دعوائے نبوت سے مقدم ہیں اور اسی طرح تم اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بارے میں کیا کہو گے یعنی پیٹ مبارک اور سینہ اقدس کا چاک کیا جانا اور دل مبارک کا دھویا جانا اور بادلوں کا آپ پر سایہ کرنا پتھروں کا ڈھیلوں کا آپ کو سلام پیش کرنا حالانکہ یہ سبھی معجزات آپ کے دعوائے رسالت سے مقدم ہیں۔

الجواب:

قلنا تلك الخوارق المتقدمة على الدعوى ليست بمعجزات انما هي كرامات
 فظهورها على الاولياء جائز والانباء عليهم السلام قبل نبوتهم لا يتصرفون عن درجة
 الاولياء فيجوز ظهورها عليهم ايضا و حينئذ تسمى ارهاصاى تاسيسا للنبوة۔

”ہم کہتے ہیں یہ خوارق عادات امور جو کہ دعوائے نبوت سے مقدم ہیں یہ معجزات نہیں ہیں بلکہ کرامات ہیں۔ پس ان کا ظہور اولیاء کرام کے ہاتھوں پر جائز ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے قبل اولیاء کرام کے درجات و مراتب سے کم درجہ اور مرتبہ والے نہیں ہوتے۔ بلکہ ان درجات و مراتب پر فائز ہوتے ہیں لہذا ان سے اس طرح کے کرامات کا صادر اور ظاہر ہونا بھی درست اور صحیح ہوگا، اور ان امور غریبہ اور خوارق عادات کو اہل ہا ص کا نام دیا جاتا ہے (جس کا معنی ہوتا ہے بنیاد رکھنا) اور یہ بھی نبوت انبیاء کے لیے مثل بنیاد و اساس کے ہوتے ہیں“

(۴) حضرت امام علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مواہب

میں فرماتے ہیں:

وبالمقارنة الخارق المتقدم على التحدى كاظلال الغمام و شق
الصدر الواقعين لبينتك ﷺ قبل دعوى الرسالة فانها ليست معجزات انما هي كرامات
ظهورها على الاولياء جائز والانباء قبل نبوتهم لا يقتصر ون عن درجة الاولياء فيجوز
ظهورها تاسيسا لنبوتهم التي ستحصل و كلام عيسى عليه السلام في المهد وماشابه
ذالك مما وقع من الخوارق قبل دعوى الرسالة عليهم ايضا و حينئذ تسمى ارهاصاى
تاسيسا للنبوة كما صرح به العلامة السيد الشريف على الجرجاني في شرح المواقف و
صرح به غيره و هو مذهب جمهور ائمة الاصول و غيرهم خلافا للرازي في تسميتها
معجزات۔ (ص ۷۷ جلد خامس)

(معجزہ کی تعریف میں صاحب مواہب کا یہ فرمانا کہ وہ ایسا امر خارق العادہ ہوتا ہے جو
مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اس کے دعوائے نبوت کے ساتھ مقارن اور متصل ہونے کی حالت
میں) ”اس مقارنت اور اتصال والی قید سے وہ امر خارق للعادہ معجزہ سے خارج ہو گئے جو
اعلان نبوت سے پہلے ظاہر ہوں جیسے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بادلوں کا سایہ فگن ہونا اور آپ کا شق صدر جو
کہ آپ کے دعوائے نبوت سے قبل وقوع پذیر ہوئے تو یہ معجزات نہیں ہیں بلکہ کرامات ہیں جن کا
ظہور اولیاء کرام سے جائز اور درست ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام قبل از نبوت اولیاء کرام کے درجہ
و مرتبہ سے کم تر درجہ اور مرتبہ پر نہیں ہوتے بلکہ ولایت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہیں تو ایسے
کرامات کا ان سے ظہور ان کی نبوت کی تاسیس کے لیے جائز اور درست ہوگا جو عن قریب حاصل
ہونے والی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا عالم مہدی میں کلام کرنا اور اس کی مانند دیگر خوارق جو ان پر
دعوائے رسالت سے قبل ظاہر ہوئے وہ سبھی کرامات ہیں اور اس وقت ان کو ارباص کا نام
دیا جائے گا۔ یعنی نبوت کی اساس اور بنیاد جیسے علامہ میر شریف علی الجرجانی نے شرح مواقف اور

دیگر حضرات نے اپنی کتب میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور ان کو کرامات اور ارباص کا نام دینا ہی جمہور آئمہ اصول وغیرہم کا مذہب ہے بخلاف امام رازی کے انہوں نے ان کو معجزات کہا ہے “لیکن اطلاق مجازی ہے استعارہ مصرحہ کے قبیل سے ہے یا مجاز بالمشارفۃ یا مجاز بالمشاکلۃ کے قبیل سے ہے)

(۵) الكرامة امر خارق للعادة غير مقرون بالتحدي فيظهر على يد

اولياء الله ودرجة الانبياء قبل النبوة لا تنصر عن الولاية فيحوز ظهورها على يد

(ذرقانی شرح مواہب جلد خامس ص ۲۳۲)

”کرامت وہ امر خارق للعادت ہے جو دعوائے رسالت و نبوت کے ساتھ مقرون اور متصل نہ ہو ہذا وہ اولیاء اللہ کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا درجہ مرتبہ اور روحانی تقدس ولایت سے کم تر نہیں ہوتا لہذا ان کے ہاتھوں پر بھی ظہور بالکل جائز اور درست ہے“

(۶) حضرت علامہ علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قال ابن برهان قد يكون قبل بعثة النبي ﷺ شبيهاً شبه المعجزات يعني

التي تسمى ارباصاً ويحتمل ان يكون نبياً قبل اربعين غير مرسل (الي) والظاهر انه

كان قبل الاربعين ولياً ثم بعد هانبياً ثم صار رسولا (مرقات جلد ثالث ص ۳۰۸)

”علامہ ابن برهان نے فرمایا کہ نبی ﷺ کی بعثت سے قبل ان سے معجزات کے مشابہ

امور سرزد ہوتے اور ان پر نمودار ہوتے ہیں جن کو ارباص کہا جاتا ہے اور احتمال ہے کہ آنحضرت

ﷺ چالیس سے پہلے نبی ہوں رسول نہ ہوں اور زیادہ نمایاں امر یہی ہے کہ آپ ﷺ چالیس

سال کی عمر شریف تک پہنچنے سے پہلے ولی تھے بعد ازاں نبی بن گئے ازاں بعد منصب رسالت پر

فائز ہو گئے“

(۷) حضرت مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و اما کلام عیسیٰ علیہ السلام فی المهد و تساقط الرطب الجنی علیہ من النخلة الیابسة و شق بطن محمد صلی اللہ علیہ وسلم و غسل قلبہ و اخلال الغمام علیہ و تسلیم الحجر و المدر علیہ و غیرہ مما كانت متقدمة علی دعوی النبوة فلیست بمعجزات بل هی کرامات و تسمى حينئذ ارها صا ای تاسیسا للنبوة (الباء النبوة ص ۱۰)

ترجمہ اور مفہوم وہی ہے جو زرقانی اور شرح مواقف کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کرامات اولیاء کرام کے لیے ہوتے ہیں نہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے لہذا حضرت مجدد قدس سرہ کا نظریہ واضح ہو گیا ہے کہ قبل از دعوائے نبوت انبیاء کرام مقام ولایت پر فائز ہوتے ہیں۔

(۸) علامہ یوسف بن اسماعیل بیہانی حجۃ اللہ علی العالمین میں فرماتے ہیں:

خرج بعید المقارنۃ الخارق المتقدم علی التحدی کاظلال الغمام و شق الصدر الواقعیین لنبیننا صلی اللہ علیہ وسلم قبل دعوی الرسالة فانها لیست بمعجزات انما هی کرامات ظهورها علی الاولیاء جائز والانبیاء قبل نبوتهم لایقتصرون عن درجۃ الاولیاء فیجوز ظهورها تاسیسا للنبوة (ص ۱۱)

ترجمہ اور مفہوم اس کا پہلے مذکور عبارت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

(۹) حضرت علامہ عبدالعلی المعروف بحر العلوم قوائم الرحموت شرح مسلم

الثبوت میں فرماتے ہیں:

اما قبل النبوة فالتحقیق و علیہ اهل اللہ من الصوفیة الکرام انهم معصومون ایضاً من الکبائر والصفات عمداً کیف لا وهم انما یولدون علی الولاية ولا یمر علیهم طرفۃ عین و هم غیر مشاہدین لله تعالیٰ و ولایتهم قویۃ من ولاية

الاولياء الذين ولايتهم مأخوذة من ولايتهم والاولياء محفوظون من المعاصي فانهم
و تثبت عليه (جلد دوم ص ۱۰۰)

”لیکن انبیاء علیہم السلام کی حالت اور شان نبوت سے قبل تو تحقیق یہ ہے جبکہ اسی کے
قائل اور معترف اہل اللہ صوفیائے کرام ہیں کہ یہ حضرات اس حالت میں بھی کبار سے مطلقاً اور
صغائر کے ارادۂ ارتکاب سے معصوم ہیں اور کیونکر اس طرح نہ ہو جبکہ وہ پیدا ہی ولایت پر ہوتے
ہیں اور ان پر کوئی لمحہ اور پلک جھپکنے کی دیر بھی ایسی نہیں گزرتی جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہ کر رہے
ہوں اور ان کی ولایت اولیاء کرام کی ولایت سے قوی اور ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ ان اولیاء کی
ولایت انبیاء کرام علیہم السلام کی ولایت سے ہی مستفاد اور ماخوذ ہوتی ہے اور جب اولیاء معاصی
اور آثام سے محفوظ ہوتے ہیں (تو انبیاء کرام علیہم السلام بطریق اولیٰ محفوظ بلکہ معصوم ہوں گے
(اس نکتہ کو بھی اچھی طرح سمجھ لو اور اس پر ثابت قدم رہو“

(۱۰) حضرت علامہ ابوالشکور سالمی جو حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ
کے معاصر ہیں اور ان کی اس کتاب کو مرکز اہل سنت حزب الاحناف لاہور سے حضرت علامہ شیخ
الحدیث والتفسیر و فقیہ اعظم سید ابوالبرکات السید احمد قادری نے شائع کروایا اور اس کو درس نظامی
کے نصاب میں داخل کرنے کی وصیت فرمائی ہے، اس کتاب منتطاب تمہید ابوالشکور
السالمی سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے ذرا غور و فکر سے مطالعہ فرمائیں:

قال عامة الفقهاء من اهل السنة والجماعة انه يجوز ان يكون للولي كرامة
عرقاً للطبيعة ناقضاً للعادة و كرامة الاولياء لا يورث الشبهة في معجزة الانبياء بل
يكون دليلاً على صحة المعجزة لان كرامة الولي معجزة لنبي زمانه تحقيقاً لرسول
ايامه و الذي يدل على صحة هذا و هو ان الكرامة لو لم يجر اثباتها للاولياء فلا يجوز
اثباتها للانبياء لان النبي قبل الوحي و قبل ظهور النبوة يكون ولياً عند الناس و ان

كان نبياً عند الله تعالى و يجوز اثبات الكرامة له قبل ظهور النبوة كما كان لنبينا
محمد ﷺ و كان لابراهيم و موسى و عيسى و غيرهم من الانبياء عليهم السلام
قبل الوحي والنبوة يسمى عند الناس و لها ولو لا يجوز اثبات الكرامة للولي فلا يجوز
اثباته للنبي قبل الوحي فيكون فيه نفى الكرامة عن النبي و هذا محال

”اہل السنّت و الجماعت کے جمہور فقہائے کرام نے فرمایا ہے ولی کے لیے کرامت کا
ثبوت و تحقق خرق طبیعت اور نقض عادت کے طور پر جائز اور درست ہے اور کرامات اولیاء علیہم
الرضوان انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں قطعاً شک و شبہ کے موجب نہیں ہو سکتے بلکہ معجزات
کے برحق ہونے کی دلیل و حجت بن جائیں گے کیونکہ ولی کی کرامت اس کے نبی زمان اور رسول
ایام کے لیے معجزہ ہوگی کیونکہ ولی نبی کا مطیع و تبع اور اس سے مستفیض اور تشیخ ہو رہا ہے۔

اور ہمارے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ اگر اولیاء کرام کے لیے کرامات کا ثبوت درست نہ
ہو تو انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی ان کا ثابت کرنا درست نہیں ہوگا کیونکہ نبی و رسول کا ذات
اقدس وحی اور ظہور نبوت سے قبل لوگوں کے نزدیک ولی ہوتی ہے اگرچہ عند اللہ نبی ہوتی ہے، لہذا
اس کے لیے کرامت کا ثبوت ظہور نبوت سے قبل درست اور صحیح ہے جیسے کہ ہمارے نبی مکرم ﷺ
کے لیے ظہور نبوت سے قبل کرامات ثابت ہیں اور علیٰ ہذا القیاس حضرت ابراہیم، حضرت
موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے ثابت تھیں ان پر وحی کے نزول
اور نبوت کے ظہور سے قبل اور ایسی ہستی عند الناس ولی کہلاتی ہے تو اگر ولی کے لیے کرامت ثابت
نہ ہو سکے تو نبی کے لیے بھی وحی سے قبل اس کا ثابت کرنا جائز نہیں ہوگا جبکہ اس طرح نبی سے
کرامت کی نفی لازم آئیگی اور یہ محال اور ناممکن ہے“

سوال:

فان قيل النبوة قبل الوحي ثابتة في علم الله تعالى و نحن على ذلك

فيكون في هذا اظهار الكرامة للنبي والكرامة قبل الوحي من مقدمات الوحي و
النبوة فيكون في هذا النبوة و ليس بولاية

اگر یہ کہا جائے اس ہستی میں علم باری تعالیٰ کے لحاظ سے نبوت ثابت ہے اور ہم اسی
عقیدہ پر ہیں تو اندریں صورت یہاں کرامت کا اظہار نبی کے لیے ہوگا اور وحی اور ظہور نبوت سے
قبل اس کرامت کا ظہور وحی کے نزول اور نبوت کے ظہور کے مقدمات میں سے ہوگا تو اس میں
نبوت ثابت ہوگی نہ کہ ولایت۔

الجواب:

قلنا الاستحالة في هذا اكثر لان الكرامة لو كانت من خصائص مقدمات
النبوة يكون في هذا ايجاب الايمان بالنبي قبل الوحي وقبل الدعوى لان النبي لو
لم يكن له كرامة بدون النبوة فبظهور الكرامة قبل الوحي والدعوى يعلم يقينا انه
نبي فيجب الايمان على الناس به واجمعنا جميعا على انه لا يجوز الايمان قبل الوحي
والدعوى ولا يسمى نبيا فيكون وليا عند الناس و نبيا عند الله تعالى ثم ظهور
الكرامة له يكون ظهور الكرامة للولي على ما بينا

”ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں استحالة الثابڑھ جائے گا اور خرابی زیادہ لازم آئے گی
کیونکہ اگر یہ کرامت مقدمات نبوت کے خصائص سے ہو تو اندریں حالت اس ہستی پر اس پر وحی
کے نزول اور اس کے دعوائے نبوت سے قبل ایمان لانا واجب ہو جائے گا کیونکہ نبی کے لیے اگر
نبوت کے ثبوت اور تحقق کے بغیر کرامت ثابت نہ ہو سکے تو وحی اور دعوائے نبوت سے قبل
کرامت کے ظہور سے یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ یہ نبی ہیں تو لوگوں کے لیے اس پر ایمان
لانا واجب و لازم ہو جائے گا حالانکہ ہم سب کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ کسی شخصیت پر وحی
کے نزول اور اس کے دعوائے نبوت سے قبل ایمان لانا جائز نہیں (چہ جائیکہ واجب و فرض

ہو) اور نہ ہی اس کو نبی کہا جائے گا لہذا وہ عند الناس ولی ہوگا اور عند اللہ نبی ہوگا پھر اس پر کرامت کا ظہور ولی پر کرامت کا ظہور ہوگا جیسے کے بیان کر چکے ہیں“

سوال:

کرامة الولی تورث الشبهة فی النبوة قبل الدعوی؟

الجواب:

قلنا هذا لا يلزم لان قبل الدعوی لا يجب الفرق بين الولی والنبي عند الناس لانه لا يجب الايمان به قبل الدعوی فاذا ادعی فلا تبقى شبهة فلا يلزم۔
(تمہید، ص ۷۵)

سوال: ولی کی کرامت نبی کے دعوائے نبوت سے قبل اس کی نبوت میں شک و شبہ کی موجب بن جائے گی؟

جواب:

ہم کہتے ہیں نبی کی نبوت میں کوئی شک و شبہ اور اشتباہ اور التباس لازم نہیں آتا کیونکہ دعوائے نبوت سے قبل ولی اور نبی میں عند الناس فرق کرنا لازم اور ضروری ہی نہیں ہے کیونکہ اس کی نبوت پر ایمان لانا دعوائے نبوت سے قبل واجب و لازم ہی نہیں ہے اور جب وہ نبوت کا دعویٰ کرے گا تو ہر طرح کا شک و شبہ ختم ہو جائے گا لہذا قطعاً التباس و اشتباہ لازم نہیں آتا اور نہ یہ الزام ہمیں دیا جاسکتا ہے“

اقول:

اس مفصل بیان سے بھی مدلل اور مبہن انداز میں انبیاء علیہم السلام کا نبوت کے دعویٰ اور نزول وحی سے قبل مقام ولایت پر فائز ہونا ثابت ہو گیا۔
(۱۱) اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان کے صاحبزادے حضرت

مولانا مصطفیٰ رضا خان علیہما الرحمہ فرماتے ہیں:

”محال ہے کہ کوئی نبی قبل از وحی مومن نہ ہو وہ پیش از وحی بھی نہ صرف ایمان بلکہ اس

اعلیٰ درجہ ولایت کبریٰ پر فائز ہوتے ہیں کہ نہایت مدارج اولیاء ہے“

(حاشیہ الاستمداد علی اجیاد الاربعہ ص ۱۵۰)

(۱۲) حضرت مولانا محمد امجد علی صاحب بہار شریعت حصہ اول ص ۳۲ پر رقم طراز

ہیں:

”نبوت کسی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعے سے حاصل کر سکے بلکہ محض

عطائے الہی ہے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رزیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے“ الخ

مزید فرماتے ہیں:

”نبی علیہ السلام سے جو بات خلاف عادت ہو قبل نبوت ظاہر ہو اس کو ارہاس کہتے ہیں

اور ولی سے جو ایسی بات صادر ہو اس کو کرامت کہتے ہیں اور عام مومنین سے جو ظاہر ہو اس کو

معونت کہتے ہیں“ (بہار شریعت حصہ اول ص ۳۲ کذافی الشفا جلد اول ص ۵۸)

کیا ”محققین زمان“ اور ”مجتہدان عصر“ ان حضرات کو بھی نبی مکرم ﷺ کے گستاخ اور

بے ادب ٹھہرائیں گے یا وہ ہدیہ اور تحفہ صرف اور صرف محمد اشرف سیالوی کے لیے ہے؟

ایک شبہ (انبیاء قبل از نبوت ولی ہوتے ہیں):

ایک شبہ یہ ہے کہ اس دورانیہ میں ان کو اولیاء ماننا درست نہیں کیونکہ وہ واجب العصمة

نہیں ہوتے جبکہ انبیاء علیہم السلام واجب العصمة ہوتے ہیں۔

قابل فکر بات یہ ہے کہ اس عرصہ میں انبیائے کرام کو ولی نہ ماننا انبیاء علیہم السلام کا

ادب و احترام ہو گا یا ان کی توہین ہوگی؟ کہ وہ مقام ولایت تک بھی داخل نہیں ہیں۔ دوسروں کو بے ادب اور گستاخ ثابت کرتے کرتے خود کس قدر گستاخی کے مرتکب ہو گئے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ﴿ان اولیاءہ الاالہ المتقون﴾ یعنی تقوی اللہ تعالیٰ کے ہاں معیار ولایت ہے اور یہ حضرات تقویٰ کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوتے ہیں تو ان سے ولایت کی نفی کرنا کیونکر درست ہوگا؟ بلکہ ان کی ولایت دوسرے اولیاء کرام کی ولایت سے اقویٰ اور ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے جس طرح نبی عبد بھی ہوتا ہے اور مومن بھی۔ لیکن دوسرے عباد کو ان کی عبدیت اور عام مومنین کو ان کے ایمان سے کیا برابری ہو سکتی ہے؟

یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ نبوت وہی ہوتی ہے اور ولایت کسی ہوتی ہے لہذا ولایت کے حصول کے لیے تقویٰ و طہارت پر رہنے کی سعی اور جد جہد ولی کی طرف سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس کی نیت اور ارادہ اور اخلاص کے مطابق فضل و کرم فرماتے ہوئے درجہ ولایت پر فائز فرمادیتا ہے۔ جبکہ نبی کی نبوت وہی ہوتی ہے اس میں کسب و عمل اور مجاہدہ و ریاضت کا دخل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے تقویٰ و طہارت پر رکھتا ہے اور ان کے نبوت سے پہلے کے دورانہ کو بے داغ اور بے عیب بناتا ہے تاکہ اعلان نبوت کے بعد ان کے پہلے عرصہ حیات کے لحاظ سے کوئی شخص ان پر اعتراض اور تنقید و تنقیص نہ کر سکے اور جب اللہ تعالیٰ ان کے تقویٰ و طہارت کا خود ضامن اور متکفل ہو گیا تو وہ واجب العصمہ ٹھہرے تاکہ مقصد بعثت کا حقد حاصل ہو سکے اور جو حضرات صرف اور صرف ولایت کے مقام پر فائز ہوتے ہیں، اور لوگوں کی ہدایت اور ارشاد اور دعوت الی الحق کا فریضہ ان پر عائد نہیں ہوتا وہ صرف اپنے تقویٰ و طہارت اور مجاہدہ اور ریاضت کے طفیل اس مقام اور مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں لہذا وہ ممکن العصمت ہوئے۔

اس پس منظر میں یہ تسلیم کرنا ضروری تھا کہ انبیاء علیہم السلام منصب نبوت پر فائز ہونے

سے قبل منصب ولایت پر فائز ہونے ضروری ہیں کیونکہ ان میں تقویٰ و طہارت اور عقائد و اعمال کی صحت اور استقامت لازم اور ضروری ہے، نہ یہ کہ سرے سے ولایت سے ہی محروم ہوں۔

نعوذ باللہ من ذالک

نیز نبی کی ذات اقدس کا آغاز ولادت سے کفر و شرک اور اعمال سنیہ اور قابل نفرت افعال سے منزہ و مبرا ہونا اور معصوم ہونا لازم اور ضروری ہے جبکہ ولی کے لیے یہ شرط نہیں بلکہ اس منصب پر فائز ہونے سے قبل کفر و شرک وغیرہ کا مرتکب ہو بعد ازاں تائب ہو کر اور مجاہدات و ریاضات کے ذریعے اس اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز ہو جائے اس طرح ہونا ممکن ہے بلکہ ہوتا رہا ہے صحابہ کرام علیہم الرضوان عام اولیاء کرام سے افضل و اعلیٰ درجہ ولایت پر فائز ہیں اور کوئی غوث و قطب کم ترین درجہ کے صحابی کی بھی برابری نہیں کر سکتا لیکن ان میں سے اکثر حضرات اسلام لانے اور نبی مکرم ﷺ کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے سے قبل کفر و شرک اور دیگر قبائح کا ارتکاب کرتے رہتے تھے۔

الغرض انبیاء علیہم السلام کی عصمت اقویٰ اور ارفع و اعلیٰ ترین ہے اور ان کی ولایت بھی اعلیٰ ترین ہے جو کہ ان کی نبوت و رسالت کا پیش خیمہ ہوتی ہے تو ان دونوں عصمتوں کو ایک جیسا نہیں سمجھا جاسکتا اور نہ ہی ولایت نبوت کو دیگر اولیاء کرام کی ولایت پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ فرق مراتب لازم اور ضروری ہے۔ مگر فرق مراتب نکنی زندیقی مشہور و معروف ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ نبی کی ذات اقدس کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے لیکن یہ سمجھ لینا کہ جب سے عصمت ثابت ہوگی تب سے نبوت ثابت ہوگی بالکل غلط اور بے بنیاد سوچ ہے اور بد بھی البطلان خیال ہے اور ولایت نبوت اور ولایت اولیاء کو ایک جیسا سمجھنا غلط ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام سے ولایت کی نفی کرنا بھی بالکل بے ہودہ اور گمراہانہ سوچ ہے۔ فسامل حق

التامل فی حقیقت عصمت نبی ﷺ و ولایت نبوت ﷺ و اولیاء کرام ﷺ

سمجھا ہے کہ ان سے آپ ﷺ کا آغاز ولادت سے نبی ہونا ثابت ہو گیا۔ تو اس طرح علامہ موصوف کی عبارات میں واضح تعارض و تناقض لازم آئیگا۔ جو کہ روز روشن میں دوپہر کے وقت کی طرح روشن ہے اور لامحالہ ان کے ارشادات میں تعارض ثابت کر کے مکمل طور پر ناقابل اعتداد و اعتبار ٹھہرانے (اذتعارضاً تساقطاً) کی بجائے ان میں باہم تطبیق کی کوشش کرنا لازم ہے۔

۲.....) نیز ہماری طرف سے انکی پیش کردہ عبارت میں چالیس سال کے بعد نبی بنائے جانے کی تصریح ہے اور اس سے پہلے نبی نہ ہونے کی بھی تصریح ہے، لہذا ان میں کسی تاویل اور خلاف ظاہر پر محمول کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور مخالفین کی پیش کردہ عبارات میں یہ گنجائش بالکل واضح ہے، کیونکہ ان میں لباس بشری میں ظاہر ہونے اور اعلان نبوت سے قبل کسی نہ کسی قسم کی وحی سے بہرہ ور ہونے کا ذکر ہے۔ اور وحی کا لفظ الہام کو بھی شامل ہے اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں جن کی ولایت کیسا تھا امتی اولیاء کرام کی ولایت کو کوئی برابری بلکہ نسبت بھی نہیں ہو سکتی۔ جب یہ ہستیاں اس زمانے میں مقام ولایت پر فائز ہوتی ہیں تو اس دورانیہ میں الہامات خداوند تعالیٰ کی زیادہ مستحق اور مستعد ہوں گی اور بالخصوص سید الانبیاء ﷺ۔ لہذا علامہ آلوسی یا دوسرے حضرات جنہوں نے اس دوران آپ ﷺ کے حق میں کسی نہ کسی طرح کی وحی کا ذکر کیا ہے تو انکی مراد یہی الہام ہیں، یعنی دل و دماغ میں نیک اور صالح اعمال اور ایمان و تصدیق بطریق فیض القاء کرنا ہی مراد ہے۔ نہ کہ وحی نبوت تاکہ تعارض و تناقض لازم ہی نہ آئے اور نہ اسکو دور کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ ورنہ ان کی تمام عبارات کو ناقابل اعتداد و اعتبار سمجھنا لازم آئے گا۔

لفظ وحی کے مفہومی عموم کا بیان:

وحی کی حقیقت اور اس کے مفہومی عموم کو سمجھنے کے لیے درج ذیل آیات قرآنیہ ملاحظہ

ہوں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امی جان کے حق میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیه فاذا خفت علیہ فالتیمہ فی الیم ولا تخافی

ولا تحزنی اذ ارادوا الیک وجاعلوه من المرسلین۔ (القصص: ۷)

”ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی فرمائی کہ انہیں دودھ پلاؤ۔ پس جب

ان پر (فرعونیوں کی طرف سے) خوف و خطر محسوس کرو تو اسکو دریا میں ڈال دینا اور نہ خوف کھانا

اور نہ غمزہ ہونا (اس فعل پر) بیشک ہم انہیں تمہاری طرف لوٹائیں گے، اور ہم انہیں رسولوں میں

ایک عظیم رسول بنائیں گے“

حالانکہ ام موسیٰ نبی نہیں تھیں، بلکہ کسی بھی عورت کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت عطا نہیں

فرمایا، قال اللہ تعالیٰ: وما ارسلنا قبلك الا رجالا۔ ہم نے آپ سے قبل صرف مردوں کو ہی

منصب نبوت و رسالت عطا فرمایا ہے۔

(۲) قال اللہ: اذیوحی ربک الی الملائکۃ۔ (الانفال: ۱۳)

”اس وقت کو یاد کرو جبکہ آپ کا پروردگار فرشتوں کی طرف وحی فرما رہا تھا“

حالانکہ ملائکہ میں نبوت نہیں پائی جاتی۔

(۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے: واوحی ربک الی النحل۔ (النحل: ۶۸)

”تمہارے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی فرمائی“

کوئی صاحب علم یہ تصور کر سکتا ہے کہ یہاں بھی نبوت والی وحی پائی گئی ہے، وغیر۔

ذالك من الاطلاقات

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لقد کان فیمن قبلکم محدثون فان یکن فی امتی احد فانه عنز

(مشکوٰۃ شریف)

”تم سے پہلی امتوں میں بہت سے لوگ تھے جن کیساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام کیا جاتا تھا اور ان کے قلوب میں مضامین کا القاء کیا جاتا تھا اگر میری امت میں اس طرح کا شخص ہو اور اس مرتبہ و مقام پر فائز ہو تو حضرت فاروق اعظم ضرور اس مقام کے مالک ہوں گے“

اس حدیث مبارک میں پہلی امتوں میں بہت سے ایسے لوگ تسلیم کیے گئے ہیں جو امتی بھی تھے، اور ان کو الہام بھی ہوتا تھا تو اس افضل الامم اور امت وسط میں انکی نسبت زیادہ حضرات اس مقام و مرتبہ کے مالک ہونے ضروری ہیں اور ان میں سرفہرست حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

انقوا قراصة المومن فانه يعطر بنور الله

(ترمذی شریف)

”مومن کی فراست (اور دل کی آنکھ) سے تم ڈرتے رہا کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور

سے دیکھتا ہے“

قلوب الاصفیاء والها عیون تری مالیراہ الناظرون

حضور شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی علیہ الرحمۃ کا شیر خوارگی کے عالم میں رمضان

المبارک کے روزائے رکھنا، نیز آپ کا یہ ارشاد گرامی اس مقام فراست اور وحی باطن اور الہام قلبی پر واضح مثال ہے:

نظرت الی بلاد اللہ جمعا کخر ذلۃ علی حکم اتصال

وغیرہ ذلک من التصریحات فی الجہان

اسی لئے قول باری تعالیٰ چنانکہ ان یبکلنہ اللہ الا وحیا الیہ

میں وحی کے متعلق علامہ آلوسی نے فرمایا: ہر کلمہ اللہ تعالیٰ کے وحی کے ذریعے

فسر بعضهم باللقاء في القلب سواء كان في اليقظة او في المنام واللقاء اعم
من الالهام فان احياء ام موسى الهام وايحاء ابراهيم عليه السلام اللقاء في المنام
وليس الهام وايحاء الزبور اللقاء في اليقظة كما روى عن مجاهد وليس بالهام

(روح المعاني ج، ٢٥ ص: ٥٠)

”بعض مفسرین نے اس لفظ وحی کی تفسیر دل میں القاء کیے جانے اور کسی کلام و معنی کے
دل میں داخل کیے جانے کیساتھ کی ہے، خواہ وہ القاء حالت بیداری میں ہو یا نیند کی حالت میں
اور القاء (اور وحی) الہام سے عام ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی امی جان کو جو وحی کی گئی وہ الہام
تھا اور حالت نوم میں تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نخت جگر کے ذبح کرنے والے عمل کی
وحی الہام نہیں تھا۔ اور زبور کی وحی الہام قلب کے قبیل سے تھی۔ اگرچہ بیداری میں تھی۔ لیکن
الہام نہیں تھی“

ان تمام آیات و احادیث اور اقوال سے غرض یہ واضح کرنا ہے کہ وحی کا لفظ عام ہے اور
الہام کو بھی شامل ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ عام کے تحقق سے خاص کا تحقق لازم نہیں آتا، لہذا جو نتیجہ
ان حضرات نے ان عبارات سے اخذ کیا ہے وہ قطعاً درست نہیں۔ ان عبارات سے علم و ادراک
اور عرفان و ادراک حقائق کا اثبات مطلوب تھا اور اس میں کون مسلمان اختلاف کر سکتا ہے کہ آپ کو
یہ مرتبہ و مقام حاصل تھا۔ اگرچہ منصب نبوت بعد میں عطا کیا گیا، لیکن بطور فراست اور الہام اور
بتقاضائے فطرت سلیمہ آپ کو پہلی شریعتوں کی معرفت حاصل تھی۔

محل تعجب: یہ کہ انبیاء علیہم السلام نے ان ہی عبارات سے ان کی معرفت حاصل کی ہے۔

علامہ آلوسی علیہ الرحمہ کا مختار یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت مطہرہ کے مطابق عبادات بدنیہ اور فکریہ ادا کیا کرتے
تھے۔ اور انکی معرفت یادگیر انبیاء علیہم السلام کی عبادات کے طور طریقہ کو معلوم کر لینا آپ کیلئے

بعید نہیں تھا۔ اور انکے مطابق عمل کرنے میں آپ کے لیے کوئی امر (لا علمی اور ناواقفیت وغیرہ) مانع نہیں تھا۔ مگر یار لوگوں نے ان عبارات کو آپ ﷺ کی نبوت ثابت کرنے کیلئے دلیل بنا لیا۔ نیز نبی مکرم ﷺ عالم ارواح میں انبیاء کیلئے نبی اور معلم و مربی تھے۔ لیکن ان لوگوں نے جسمانی طور پر نبی مان کر انکا تابع اور مقتدی بنا دیا۔ کیا کوئی عقلمند اس طرح کا نظریہ اپنا سکتا ہے کہ آپ پیدا ہوتے ہی بالفعل نبی تھے لیکن پہلے انبیاء علیہم السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا تھے۔ اور چالیس سال کے بعد آپ کو اپنی شریعت عطا کی گئی۔ اس سے پہلے آپ ﷺ دوسرے حضرات انبیاء کی شریعتوں پر عمل پیرا تھے۔ تو پھر اس نبوت کے اثبات کا فائدہ کیا ہوا؟

تنبیہ نبیہ:

ان مجتہد حضرات کے قول کے مطابق بھی ثابت ہو گیا کہ آپ کی عالم ارواح والی نبوت اور تھی جس میں ارواح انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ آپ کی اتباع و اقتداء کیا کرتے تھے۔ اور عالم اجسام والی یہ نبوت اور ہے جس کا تقریباً دو تہائی عرصہ آپ دوسرے حضرات کی اقتداء اور اتباع کرتے رہے۔ اللہم نعوذک من سوء الفہم۔

علامہ آلوسی علیہ الرحمہ کا عندیہ اور نظریہ:

اب حضرت علامہ آلوسی کی عبارات ملاحظہ فرمائیں اور اپنی دیانت و ایمانداری کے تحت خود فیصلہ فرمائیں:

من یتتبع الاخبار یعلم ان العرب لم یزالوا علی بقایا من دین ابراہیم علیہ السلام من الحج (الی) وان النبی ﷺ کان احرض الناس علی اتباع دین ابراہیم علیہ السلام (الی) ثم ان الظاهر ان من قال انه ﷺ کان متعبدا بشرع من قبلہ لیس مراده انه علیہ الصلوٰۃ والسلام کان متعبدا بجمیع شرع من قبلہ بل بما ترجح

عندك صلی اللہ علیہ وسلم ثبوته والذي ينبغي ان يرجح كون ذلك من شرع ابراهيم عليه السلام لانه من ذريته عليهما الصلوة والسلام وقد كلفت العرب بدينه - وقال بعضهم ان عبادته صلی اللہ علیہ وسلم التفكير والا اعتبار ولعله ايضا مما ترجح عنده عليه الصلوة والسلام كونه من شريعته

ترجمہ:

”جو شخص بھی اخبار اور روایات کی جستجو کریگا اسے اس امر کا یقین ہو جائیگا کہ عرب ہمیشہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں سے باقی رہ جانے والے احکام و اعمال یعنی حج، ختنہ کرانا، طلاق دینا، غسل جنابت، محارم کی حرمت کا عقیدہ خواہ قرابت داری کی وجہ سے محرمیت ثابت ہو یا دامادی کی وجہ سے وغیر ذالک اپنائے ہوئے تھے۔ اور اس امر کا بھی اس کو یقینی علم ہوگا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اتباع پر حریص تھے۔ پھر ظاہر اور جزئی امر یہی ہے کہ جن حضرات علماء نے یہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے ان کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ تمام پہلے پیغمبران کرام علیہم السلام کی شریعتوں پر عمل پیرا تھے۔ بلکہ جس عمل کا ثبوت آپ کے نزدیک راجح اور وزنی ہوتا اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ ورنہ بیک وقت ناسخ پر عمل پیرا ہونا بھی لازم آجاتا۔ لیکن آپ کی عبادت قبل از نبوت کے بارے میں راجح امر یہی ہوتا موزوں اور مناسب ہے کہ وہ عمل ابراہیم علیہ السلام کے دین اور شرع کے مطابق ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ آپ انکی اولاد میں سے ہیں اور سارے عرب ہی ان کے دین پر عمل کے مکلف تھے۔ (تو آپ اسکی خلاف ورزی کیونکر کر سکتے تھے۔) بعض علمائے اعلام نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل از نبوت جو عبادت تھی وہ تفکر اور عبرت انگیزی کے قبیل سے تھی (نہ کہ جوارح اور اعضاء ظاہرہ سے صادر ہونے والے اعمال کی صورت میں تھی) لیکن امید غالب اور ظن راجح یہی ہے کہ وہ تفکر اور عبرت انگیزی

کی وہ صورت بھی آپ ﷺ کے نزدیک دین ابراہیم علیہ السلام میں سے ہی جو صورت راجح اور وزنی صورت ثابت اور متحقق ہوتی ہوگی اسی کو آپ ﷺ بھی اختیار فرماتے تھے۔ (نہ کہ اس سے ہٹ کر محض اپنے قیاس اور ولایت کے مطابق)

ربما يقال بما علمه ﷺ لاعلى ذلك الوجه من شرع من قبله انما ﷺ لم يزل موحى اليه وانه عليه الصلوة والسلام متعبد بما يوحى اليه الان الوحي السابق على البعثة كان القاء ونفثا في الروع وما عمل بما كان من شرائع ابيه ابراهيم عليهما الصلوة والسلام الا بواسطة ذلك اللقاء واذ كان بعض اخوانه من الانبياء عليهم السلام قداوتى الحكم صبيا ابن سنتين او ثلاث وهو عليه الصلوة والسلام اولى بان يوحى اليه ذلك النوع من الالقاء صبيا ايضا ومن علم مقامه ﷺ وصدق بانه الحبيب الذى كان نبيا وادم بين الماء والطين لم يستبعد ذلك فتامل-

(روح المعانى ج ۲۵ ص: ۵۶، ۵۷)

”اور بسا اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تسلیم کرنا، (قبر میں اور عربوں کے معمولات کو دیکھ کر اور سب ظن غالب کی بنا پر نہیں تھا) بلکہ آپ نے اس سے مختلف طریقہ پر پہلے انبیاء حضرات کی شریعتوں کا علم حاصل کیا۔ بیشک آنحضرت ﷺ پر ہمیشہ سے وحی کا نزول ہوتا رہا اور بلا شک و شبہ آپ اسی علم کے مطابق عبادت فرمانے والے تھے جس کی آپ کو وحی کی جاتی تھی۔ مگر یہ کہ بعثت سے قبل آپ پر جو وحی کی جاتی تھی وہ دل میں القاء اور رزوح میں نفث کے قبیل سے تھی، یعنی الہام کے قبیل سے۔ اور آپ نے اپنے والد گرامی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے شرعی اعمال پر بھی اسی القاء قلبی اور الہام روعی کے مطابق عمل فرمایا اور جبکہ آپ کے بعض انبیاء بھائی بچپن میں دو یا تین سال کی عمر میں عرفان، حکم اور سوچ بوجھ اور فہم دین عطا کئے گئے تھے، تو آنحضرت ﷺ اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے۔ کہ آپ کو بھی

بچپن میں ہی اس قسم کی وحی اور القاء قلبی اور الہام روحانی کیا جاتا اور جو شخص آنحضرت ﷺ کے خداداد مرتبہ و مقام کو جان چکا ہو اور اس امر کی تصدیق کر چکا ہو کہ یہ وہی حبیب ہیں جو اس وقت بھی نبی ﷺ تھے، جبکہ حضرت آدم علیہ السلام پانی و مٹی کے بین بین تھے۔ تو وہ اس طرح کے القاء اور نفث قلب اور الہام روحی کو آپ کے حق میں بعید نہیں سمجھے گا۔“

صلائے عام:

تمام اہل علم اور ارباب عقل و کیا ست اور اصحاب فہم و فراست اس طویل عبارت میں غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ دیں کہ اس عبارت سے علامہ آلوسی کے نزدیک آپ ﷺ کا بچپن سے بالفعل نبی ہونا اور عارحرا میں ملنے والی نبوت کی طرح نبی ہونا اور مستقل دین و مذہب اور شریعت مطہرہ کا مالک ہونا اور انبیاء و مرسلین کا سردار اور امام و مقتداء ہونا سمجھ آ سکتا ہے؟ اور اس نبوت پر اس عبارت کو دلیل بنایا جاسکتا ہے؟ اور عالم ارواح میں انبیاء کی ارواح اور ملائکہ کے نبی ﷺ اور معلم و مربی کا عالم اجسام میں چالیس سال تک وہ منصب اور مقام برقرار اور بحال نظر آتا ہے؟

نیز علامہ آلوسی علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ

”جو شخص آپ کے مقام و مرتبہ سے باخبر ہوگا اور اس امر کا تصدیق کنندہ ہوگا کہ آپ وہی حبیب ہیں جو اس وقت بھی نبی تھے۔ تو وہ آپ کے حق میں پہلی شریعتوں اور بالخصوص ابراہیم کی شریعت کے علم و ادراک اور شعور معرفت اور اس کے مطابق تعبد کو بعید نہیں سمجھے گا۔“

اس کا کیا جواز ہوگا؟ آپ کو تو یوں کہنا چاہیے تھا کہ

”ہر ایسے شخص پر آپ پر کو پیدا ہوتے ہی نبی ماننا لازم اور واجب ہے کیونکہ ہر پچھلا نبی پہلے نبی کی شریعت کا تصدیق کر نیوالا ہوتا ہے کما قال عیسیٰ علیہ السلام: اسی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراة اور تصدیق بغیر اسکی شریعت کی معلومیت کے ممکن نہیں ہوتی اور محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بھی یہی شان بیان کی گئی ہے۔ ثم جاء کم رسول

مصدق لما معكم ”تو پھر آئے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کر نیوالا ہو تمہارے تمام امور شرعیہ اور احکام دینہ اور معجزات و شواہد نبوت کی“ تو تم ضرور بالضرور ان پر ایمان لانا اور انکی امداد کرنا“

لہذا ہمارے ان مجتہدین کے نظریہ و عقیدہ کے مطابق آپ کو اس دورانیہ میں نبی ماننا بھی لازم اور ضروری ہونا چاہیے تھا۔ اور ان تمام پہلی شریعتوں کا مکمل علم بھی آپ کے حق میں ماننا لازم اور ضروری بلکہ فرض ہونا چاہئے تھا، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

علمت علم الاولین والآخرین (خصائص کبریٰ)

”مجھے تمام پہلے اور پچھلے حضرات کا علم عطا کر دیا گیا ہے“

اس میں شخص استبعاد کی نفی کرنے کا کوئی ٹک نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ بقول ان مجتہدین کے جو نبوت آپ کو عالم ارواح میں حاصل تھی وہ سلب تو نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اپنی اسی حالت پر قائم و دائم تھی۔ قابل حق التامل۔ لہذا ان کے نظریہ کے مطابق صرف استبعاد کی نفی سراسر ناکافی ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ما كنت تدري ما الكتاب ولا الايمان قبل الایحاء قبل اشهر بهذا الایحاء الى الایحاء في هذا النشأة وكان لعل في كل حال من احواله فيها نوع من الوحي والهداية المنغية اذ كان عليه الصلوة والسلام في كينوته قبل اخراجه منها بتجلى كينوته عزوجل والا فهو ﷺ نبي ولا آدم ولا ماء ولا طين ولا يفعل نبي بدون ايحاء

ترجمہ:

”اے محبوب کریم تم نہیں جانتے تھے، کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ جانتے تھے، کہ ایمان کیا ہے، ہمارے وحی فرمانے سے پہلے، کہا گیا ہے کہ اس وحی کرنے سے مراد ہے کہ اس دنیا میں وحی کرنا اور آن حضرت ﷺ کیلئے جملہ احوال (دنیویہ اور اخرویہ) میں سے ہر حال میں وحی کا کوئی

ایک قسم بھی حاصل ہوتا تھا اور درایت منفیہ بھی۔ یعنی ایک وقت میں آپ سے ہدایت اور علم و ادراک کی نفی بھی پائی گئی، پھر وحی اور تعلیم بھی پائی گئی۔ جبکہ آپ حالت روحی و نوری یا حدوث مادی اور جسمانی کی حالت میں تھے۔ پہلے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجود خاص کے عکس اور تجلی کے ذریعے آپ کو اس حالت سے جو مقتضائے حدوث و امکان ہے، اس سے نکالتا تو آپ ﷺ میں درایت نہیں تھی، اور جب اس حالت سے نکال باہر کیا اور اپنے وجود کا خاص عکس اور پرتو ڈالا تو پھر درایت کی نفی ختم ہو گئی، اور علم و ادراک اور عرفان و آگہی حاصل ہو گئی۔ اگر جسمانی وجود اور مادہ خاص میں تحقق پر قبل از وحی کتاب و ایمان کی درایت اور معرفت کی نفی مراد نہ ہو تو پھر ظاہری معنی مراد لینے کا کوئی جواز نہیں ہے، کیونکہ آپ اس وقت نبی تھے۔ جبکہ نہ حضرت آدم علیہ السلام تھے، اور نہ پانی اور مٹی جبکہ کسی شخص کا نبی ہونا بغیر وحی کے قابل تصور نہیں۔ (لہذا عالم ارواح میں نبوت حاصل ہونے کی صورت میں آپ سے خاص عالم ارواح کے لحاظ سے کتاب اور ایمان کی درایت اور آگہی کی نفی ناقابل تصور ہے)

اور اگر یہ نفی متصور ہو سکتی تھی تو اس نشاۃ دنیویہ اور جسم اقدس میں روح کے حلول و سریان کے لحاظ سے ہی متصور ہو سکتی تھی۔

علامہ آلوسی کی اس عبارت سے یہ بھی واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نشاۃ دنیویہ اور جسمانی حالت میں نمودار ہونے پر فوراً کتاب اللہ اور ایمان کی تفصیلات اور اس میں مندرج تصدیقات و اقرارات اور اعمال کے مجموعہ سے آگاہ نہیں تھے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی اور ان تفصیلات سے آپ ﷺ کو آگاہ کیا۔ لہذا وحی جب بعد میں پائی گئی تو نبوت بھی بعد میں پائی گئی۔ ”ولا یعقل بسی بدون ایحاء“ جبکہ کسی شخص کے نبی ہونے کا تصور بھی بغیر نزول وحی کے نہیں کیا جاسکتا۔

لہذا اس عبارت سے بھی آغاز ولادت سے ہی آپ ﷺ کے نبی ہونے پر استدلال

عجب مضحکہ خیز حرکت معلوم ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پوری عبارت دیکھی ہی نہیں گئی اور سیاق و سباق سے اس کو بالکل الگ تھلگ کر دیا ہے پھر من مرضی کا نتیجہ اخذ کر لیا گیا ہے۔

علامہ آلوسی کا نظریہ:

ناظرین کرام! اس جلیل القدر مفسر و محقق کا عندیہ اور نظریہ اس آیت کریمہ کے تحت ذرا تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں اور اپنے خداداد عقل و فہم کو بروئے کار لا کر نتیجہ اخذ فرمائیں۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ایک اشکال یہ ہے کہ اس سے بظاہر قبل از وحی آپ ﷺ سے ایمان کیساتھ موصوف و متصف ہونے کی نفی لازم آرہی ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے:

لان الانبياء عليهم السلام جميعا قبل البعثة مومنون لعصمتهم عن الكفر باجماع من يعتد به۔ ”کیونکہ تمام تر انبیاء علیہم السلام بعثت سے پہلے مومن ہوتے ہیں، کیونکہ معتد بہ اور معتبر علماء کرام کا اس پر اجماع کہ وہ کفر سے معصوم ہیں۔

اس اشکال کو ذکر کر کے علامہ فرماتے ہیں کہ اس کے کئی طرح پر جوابات دئے گئے

ہیں:

جواب اول:

یہاں پر ایمان سے فقط باری تعالیٰ کے وجود اور صفات کمال کے ساتھ اس کے اتصاف کی تصدیق مراد نہیں ہے بلکہ تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان اور عمل بالاکان کا مجموعہ مراد ہے، کیونکہ از روئے شرع شریف جس طرح تصدیق بالقلب پر لفظ ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے تینوں امور کے مجموعہ پر بھی ایمان کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور اس معنی پر مبنی ہے قول باری تعالیٰ: ما كان الله ليضيع إيمانكم..... اللہ تعالیٰ کی شان کے یہ لائق نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے حالانکہ مراد اس جگہ ایمان سے نماز ہے۔ جس میں تینوں امور جمع ہیں۔ اور

اعمال کی معرفت حاصل کر نیک طریق سماع شرعی ہے۔ آمدِ کریم برسرِ مطلب، جب ایمان مرکب اور مجموعہ ٹھہرا تین امور کا اور مرکب کی نفی (جس طرح ہر ہر جز کی نفی سے ہو سکی ہے، فقط ایک جز کی نفی سے بھی اس کی نفی ہو جاتی ہے۔)

فلا يلزم من انتفاء الايمان المركب بانتفاء الاعمال انتفاء الايمان بالمعنى الآخر اعنى التصديق وهو الذى اجمع العلماء على اتصاف الانبياء عليهم السلام به قبل البعثة ولذا عبر بتدرى دون ان يقال لم تكن مومنا وهو جواب حسن

”لہذا اس ایمان مرکب کی نفی سے بسبب اعمال کی درایت کی نفی کے ایمان کی دوسرے معنی یعنی تصدیق مجرد کے لحاظ سے نفی لازم نہیں آئیگی اور علماء اعلام کا انبیاء علیہم السلام کے قبل از بعثت جس ایمان کیساتھ اتصاف پر اجماع و اتفاق ہے وہ یہی ایمان بمعنی تصدیق ہے (نہ کہ امور ثلاثہ کا مجموعہ) اس لیے قرآن مجید میں ما کنت تدرى کہا گیا ہے لم تکن مومنا (کہ تم قبل ازیں مومن نہیں تھے۔) نہیں کہا گیا ہے اور یہ جواب خوب اور متحسن ہے (جس میں آپ ﷺ سے اپنی شریعت کے اعمال کی درایت و معرفت کی قبل از وحی نفی پائی گئی ہے۔)

جواب ثانی:

ایمان مذکور سے تصدیق باللہ اور تصدیق بالرسول کا مجموعہ مراد ہے نہ فقط تصدیق باللہ اور نہ تصدیق اور اعمال وغیرہ کا مجموعہ، جبکہ نبی کریم ﷺ اپنے رسول ہونے پر ایمان لانے کے اسی طرح مکلف ہیں جیسا کہ آپ کے امتی آپ کے رسول اللہ ہونے پر ایمان لانے کے پابند ہیں۔

ولا شك انتم ^{عليه السلام} قبل الوحي لم يكن يعلم انه رسول الله و ما علم ذلك الا بالوحي واذا كان الايمان هو التصديق بالله تعالى ورسوله ^{عليه السلام} ولم يكن هذا المجموع ثابتا قبل الوحي بل كان الثابت هو التصديق بالله تعالى خاصة المجمع على

اتصاف الانبياء عليهم السلام به قبل البعثة استقام نفى الايمان قبل الوحي والى هذا ذهب ابن المنير۔

”اور یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ محبوب کریم علیہ السلام وحی سے پہلے نہیں جانتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور آپ ﷺ کو علم صرف اور صرف وحی کے ذریعے حاصل ہوا اور جب ایمان تصدیق باللہ اور تصدیق بالرسول کا مجموعہ ٹھہرا اور یہ مجموعہ آپ کے لئے وحی سے پہلے ثابت نہیں تھا، بلکہ صرف اور صرف تصدیق باللہ ثابت تھی۔ جس کے ساتھ قبل البعثت انبیاء کے موصوف و متصف ہونے پر علماء اعلام کا اجماع اور اتفاق ہے تو آنحضرت ﷺ سے قبل از وحی ایمان کی نفی درست ہوگئی اور علامہ ابن منیر اس جواب کی طرف گئے ہیں۔ (جس میں قبل از وحی آپ کو اپنے رسول ہونے کی تصدیق نہیں تھی۔)

جواب ثالث:

اس مقام پر ایمان کی نفی سے مراد ہے ایمان کے شرائع اور معالم کی نفی۔ جن کے معلوم ہونے کا ذریعہ صرف سمعی دلائل ہیں، اور امام محی السنۃ اسی توجیہ کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے فرمایا:

ان النبى ﷺ كان قبل الوحي على دين ابراهيم عليه السلام ولم يتبين له

شرائع دينه۔

نہی کریم ﷺ نزول وحی سے قبل ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے اور اپنے دین کے اعمال آپ پر واضح اور عیاں نہیں تھے۔ (گویا یہاں ایمان بمعنی تصدیق باللہ کی نفی نہیں ہے بلکہ بمعنی اعمال شرع کی درایت کی نفی ہے۔)

اس جواب میں علامہ کے نزدیک ولا الايمان میں لفظ ایمان سے قبل مضاف محذوف

ماننا لازم ہے یعنی امور الايمان وغیرہ۔ ورنہ لفظ ایمان کا اطلاق فقط اعمال پر لازم آئیگا حالانکہ

اس کا کوئی عالم اور صاحب دانش و بینش قائل نہیں ہے وہو خلاف المعروف.....
بعض علمائے کرام نے فرمایا:

لعل الاشبه ان الايمان على ظاهره والآية واردة في معرض الامتحان
والايحاء يشمل الالتقاء في الروع وارسال الرسول فالايمن عرفه بالاول والكتاب
بالثاني على ان الآية دل على انك ^{صلى الله} عرفهما بعد ان لم يكن عارفا وهو كذلك اما
انه عليه الصلوة والسلام عرفهما بعد الوحي فلا فجاز ان يعرفهما بهما وجاز ان يعرف
واحداهما معينا به وقد دل الدليل على ان المعروف به هو الكتاب والايمن بعد
العقل وقبل الوحي

” امید ہے کہ زیادہ حق کے مشابہ اور قریب یہی ہے کہ ایمان اپنے ظاہری معنی پر ہے
، اور ایحاء کا لفظ (جو قول باری تعالیٰ و کذا لک اوحینا الیک روحامن امرنا میں
وارد ہے) عام ہے یعنی دل میں کسی امر کا ڈال دینا اور فرشتہ بھیج کر مطلع کرنا دونوں اس میں داخل
ہیں لہذا آپ نے ایمان کا علم حاصل کیا الہام اور القاء قلبی کے ذریعے اور کتاب کا علم ملک وحی
کے ذریعے۔

یہ قول مبنی ہے اس امر پر کہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ محبوب کریم علیہ
السلام نے کتاب اور ایمان کو جان لیا بعد اس کے کہ پہلے نہیں جانتے تھے اور یہ تو فی الواقع صحیح اور
درست ہے۔ لیکن یہ دعویٰ کہ آپ ^{صلی اللہ علیہ وسلم} نے دونوں کو وحی کے بعد معلوم کیا اس کا واقع کے مطابق
ہونا یقینی نہیں بلکہ جائز اور ممکن ہے کہ دونوں کا علم آپ کو وحی سے حاصل ہوا ہو اور جائز و ممکن ہے
کہ ان میں ایک معین کو وحی کے ذریعے جانا ہو اور دلیل اس پر دلالت کرتی ہے کہ وحی کے ذریعے
کتاب کا علم حاصل ہوا اور ایمان کا علم عقل کامل ہونے کے بعد اور وحی سے پہلے حاصل ہو گیا۔“
علامہ آ ^{صلی اللہ علیہ وسلم} ایک عالم کے اس قول پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وانت تعلم المتبادر انه عليه الصلوة والسلام عرفهما بعد الوحي
 اور تجھے اے مخاطب معلوم ہی ہے کہ آیت کریمہ سے متبادر اور واضح طور پر سمجھ آئیوا
 معنی و مفہوم یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دونوں کی معرفت وحی کے بعد حاصل ہوئی (نہ کہ ایمان
 کی معرفت وحی سے قبل حاصل ہوگئی جیسے کہ اس جواب کا ملخص ہے۔)

صاحب کشف نے یہاں پر پیدا ہونے والے ہیں اس وہم کا کہ ”جب آپ کو کتاب اور
 ایمان کی درایت اور معرفت حاصل نہیں تھی تو پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں پر عمل کس طرح
 کر سکتے تھے، لہذا یہ دعویٰ کہ آپ ﷺ وحی سے قبل پہلے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں پر
 عمل پیرا تھے، ٹھیک نہیں رہے گا“

جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

”یہ تمسک ضعیف ہے، لان عدم الدراية لا يلزمه عدم التعبد بل يلزمه

سقوط الاثم ان لم يكن تقصير

”کیونکہ درایت اور آگہی کے نہ پائے جانے سے عبادت کرنے کی نفی لازم نہیں آتی

بلکہ اس کو صرف یہی لازم ہے کہ تقصیر اور ذاتی کوتاہی نہ پائے جانے پر گنہگاری لازم نہیں آئیگی“

اس توہم کے اس جواب پر (جو صاحب کشف نے دیا) تبصرہ کرتے ہوئے علامہ

آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”اس پر اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ مدقق صاحب کا یہ فرمانا محل نظر ہے اور درجہ اعتبار

سے ساقط ہے، لانه عليه السلام اذا لم يدر شرعاً فكيف يتعبد به کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے جب کسی شریعت کو جانا ہی نہ ہو تو اس پر عمل کیونکر فرما سکتے تھے؟ تو اس کا جواب یوں

دیا جاسکتا ہے:

ان مراد المدقق ان الدراية المنغية هي الدراية بمعنى العلم الجازم الثابت

المطابق للواقع وعد ما لا يلزمه عدم التعبد اذا يكفى في التعبد بشرع من قبله عليه الصلوة والسلام الظن الراجح ثبوته فلعله كان حاصلًا لمطلب عليه السلام ومثل هذا الظن يكفى للمتعبدين اليوم بشرع نبينا عليه السلام فان اكثر الفرع ظنية

کہ مدقق کی مراد یہ ہے کہ جس روایت کی آیت کریمہ میں نفی کی گئی ہے اس روایت سے مراد علم الیقین ہے جو کہ نام ہے اعتقاد جازم کا جو ثابت اور پائیدار ہو اور واقع کے مطابق بھی ہو اور اس روایت کے معدوم و منقہی ہونے سے عبادت کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ پہلی شریعتوں پر عمل کرنے اور ان کے مطابق عبادت کرنے کیلئے ظن غالب ہی کافی ہے تو عین ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ ظن غالب ان شرائع کے بارے میں حاصل ہو اور اسی طرح کا ظن غالب اس زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ پر عمل پیرا حضرات صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کافی وافی ہے۔ کیونکہ اکثر فردوعات شرعیہ ظنی ہیں“

(روح المعانی ج ۲۵ ص: ۵۳، ۵۴، ۵۵)

تنبیہ نبیہ:

قابل غور امر یہ ہے کہ اپنی شریعت کی تفصیلات اور اعمال شرع کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وحی سے قبل منقہی ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے، اور اس کی نفی کو پہلے تینوں جوابوں میں علامہ موصوف تسلیم کر چکے ہیں بلکہ پہلے جواب کو مستحسن قرار دے چکے ہیں بلکہ دوسرے جواب میں آپ کو وحی سے قبل اپنی رسالت کی روایت اور معرفت سے بھی بے خبر اور لاعلم ثابت کر چکے ہیں۔ اور پہلی شریعتوں کا بھی ظن غالب اور گمان راجح کے طور پر علم و ادراک تسلیم کر رہے ہیں نہ کہ علم الیقین کے طور پر۔ اور ان کا مختار یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کی شریعت کا علم القاء قلبی اور کشف روحانی کے طور پر رکھتے تھے، اور اپنی شریعت کے علم سے قبل اس شریعت پر عمل پیرا تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از وحی نہ اپنی رسالت کا یقینی علم تھا اور نہ اس کے احکام کا۔

کیا کوئی عقل مند آدمی علامہ صاحب موصوف کی یہ تحریر پڑھ کر اور سمجھ کر یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان کے نزدیک حضور اکرم ﷺ پیدا ہوتے ہی بالفعل نبی تھے۔ اور اپنی شریعت مطہرہ کے مطابق عمل پیرا تھے۔ اور اسی کے مطابق عبادت کیا تھے۔ اللهم رنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتناءه۔

الحاصل اگر بعد از ولادت شریفہ کچھ عرصہ بھی ایسا نہیں گزرا جس میں آپ پر وحی جلی اور وحی خفی میں سے کوئی بھی نازل نہ ہوئی ہو اور آپ کو کتاب اللہ اور ایمان کی تفصیلات سے آگاہی نہ ہوئی ہو تو اس آیت کریمہ۔ ما کنت تدوی ما لکتاب ولا الایمان کا قطعاً کوئی معنی ہی نہیں رہے گا اور اس قول باری تعالیٰ کو مہمل اور بے مقصد ٹھہرانا لازم آئے گا جبکہ اس میں ماضی استمراری کے طور پر کتاب اور ایمان کی درایت اور آگہی کی نفی کی گئی ہے۔ اور یہ لازم سراسر باطل ہے اور اس کا بطلان روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے۔ تو اس آیت کریمہ سے نشأت دینویہ کے لحاظ سے ایک مدت تک کتاب اور ایمان (کی تفصیلات کی نفی آپ سے منصوص طور ثابت ہوگئی تو اس عرصہ میں آپ کے بالفصل نبی ہونے کا قول کیونکر کیا جاسکتا ہے؟

حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ اور عبارات:

امام آلوسی کی پہلی عبارت:

قيل لم يبعث نبی الا بعد الاربعةین وذهب الفخر الی خلافه مستدل لابان عیسیٰ ویحییٰ علیہما السلام ارسلنا صبیین لظوا هم احکمی فی الکتاب الجلیل عنہما وهو ظاهر کلام السعد حیث قال:

من شروط النبوة الذکورة وکمال العقل والذکاء والفتنة وقوة الراى ولوفی الصبا کعیسیٰ ویحییٰ علیہما السلام الی آخر ما قال

وذهب ابن العربي في آخرين الى انه لا يجوز على الله سبحانه بعث الصبي
 الا انه لم يقع وتاولوا آيتي عيسى ويحيى... قال اني عبد الله اتاني الكتاب وجعلني
 نبيا- واتيته الحكم صبيا... .. بالهما اخبار عما سيحصل لهما لاعما حصل بالفعل
 ومثله كثير في الآيات وغيرها- والواقع عند هؤلاء البعث بعد البلوغ، وحكى اللقاني
 عن بعض اشتراطه فيه ويترجم عندي اشتراطه فيه دون اصل النبوة لما ان النفوس
 في الاغلب تائف عن اتباع الصغير وان كبر فضلا كالرقيق والانش-

وصرح جمع بان الاعم الاغلب كون البعثة على رأس الاربعة كما وقع

(روح المعاني ص: ١٧ ج ٢٦)

لنبينا ^{عليه السلام} -

ترجمہ:

”کہا گیا ہے کہ کوئی نبی بھی مبعوث نہیں ہوا مگر چالیس سال کی عمر کے بعد، لیکن
 فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما
 السلام کو بچپن میں مبعوث فرمایا اور حالت صبا میں منصب رسالت عطا کیا گیا۔ کیونکہ کتاب جلیل
 میں اِنکے متعلق جو حکایت کیا گیا ہے بظاہر اسکا مطلب و مفہوم یہی ہے اور علامہ سعد تفتازانی
 کا کلام بھی بظاہر اس پر دلالت کرتا ہے جبکہ انہوں نے کہا کہ: نبوت کے شرائط میں سے ہے مذکر
 ہونا، عقل کا کامل ہونا، ذکاوت و فطانت میں کمال اور رائے اور سوچ و فکر میں پختگی خواہ حالت صبا
 میں ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام الی آخرہ۔

علامہ ابن العربی بمع دوسرے بہترے حضرات علماء کے اس طرف گئے ہیں کہ اللہ
 تعالیٰ کسی کو بچپن میں نبی بنا دے یہ ممکن اور جائز تو ہے، لیکن عملی طور پر اس کا تحقق اور وقوع نہیں
 پایا گیا اور حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے حق میں وارد آیات کی انہوں نے یہ تاویل
 کی ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو اپنے متعلق کتاب دیے جانے اور نبی بنائے جانے کا

دعویٰ کیا ہے، یا حضرت یحییٰ علیہا السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انہیں بچپن میں حکم عطا کیا تو یہ مستقبل میں ان کو حاصل ہونے والے منصب و مرتبہ کی خبر اور حکایت ہے نہ کہ جو مقام و مرتبہ بالفعل حاصل ہو چکا تھا اس کی خبر اور حکایت ہے۔ اور مستقبل میں حاصل ہونے والے مدارج و مراتب اور احوال و کیفیات کو ماضی کے صیغوں کیساتھ تعبیر کر دینا قرآن مجید کی آیات اور احادیث و محاورات عرب میں بکثرت ہے۔

اور ان حضرات کے نزدیک حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو بلوغت کے بعد جو مدت بعثت کی ہے اس کے پورے ہونے پر عادت جاریہ کے مطابق ہی نبوت عطا ہوئی۔ اور علامہ لقانی نے بعض علماء کرام کی طرف سے نبوت کیلئے بلوغت کا شرط ہونا بھی نقل کیا ہے اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ بلوغت بعثت کیلئے شرط ہے اصل نبوت کیلئے اس کو شرط ٹھہرانا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ نفوس انسانی اغلب طور پر صغیر السن کی اتباع و اطاعت سے نفرت و کراہت محسوس کرتے ہیں اگرچہ مرتبہ و مقام کے لحاظ سے بڑا ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ غلام اور عورت کی اتباع سے متنفر ہوتے ہیں۔

اور علماء اعلام کی عظیم جماعت نے تصریح فرمائی ہے کہ عام تر اور اکثر و اغلب یہی ہے کہ بعثت کا چالیس سال کی عمر مکمل ہونے پر پایا جانا۔ جیسے کہ ہمارے نبی ﷺ کیلئے یہی صورت حال اور کیفیت وقوع پذیر ہوئی۔“ (ترجمہ مکمل ہوا)

بیان الفوائد:

﴿ علامہ آلوسی علیہ الرحمہ کی اس تحریر سے واضح ہے کہ:﴾

اس پر تو اجماع ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام بچپن اور حالت صبا میں نبی نہیں بنائے جاتے اور مبعوث نہیں ہوتے، اختلاف ہے تو اسمیں ہے کہ کوئی نبی بھی بچپن اور حالت صبا میں نبی نہیں بنایا گیا یا بعض کو اس حال میں نبی بنایا گیا ہے، جیسے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہم

السلام کا بظاہر کلام مجید سے یہی شان اور مقام معلوم ہوتا ہے۔

لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ ہر نبی پیدا ہوتے ہی نبی ہوتا ہے بلکہ پیدا ہونے سے بھی پہلے جیسے کہ سید ذاکر حسین شاہ صاحب نے دعویٰ کیا ہے یہ اہل اسلام کے اجماع کا خلاف ہے (اور اجماع کی خلاف ورزی ضلالت و گمراہی ہوتی ہے۔)

﴿۲﴾ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے بارے میں قرآن مجید کی آیات وارد ہیں، اور ماضی کے صیغوں کے ساتھ ان کے کتاب و حکم دیے جانے اور نبی بنائے جانے کی تصریح ہے، اس کے باوجود ہمارے اسلاف کرام اور علمائے اعلام کی عظیم جماعت نے ظاہری معنی اور مفہوم مراد نہیں لیا بلکہ اس میں مجاز بالمشارفہ والی تاویل کی ہے یعنی مستقبل میں چونکہ یقینی طور پر ان کو یہ منصب عطا ہونے والا تھا تو اس کے متیقن وقوع پر تنبیہ کرنے کے لیے اس کو مضارع اور مستقبل کے صیغوں سے تعبیر کرنے کی بجائے ماضی کے صیغوں سے تعبیر کر دیا گیا، اور انہیں نبوت و رسالت ملی تو اسی عمر میں جو قانون قدرت اور سنت الہیہ کے مطابق تھی، یعنی چالیس سال کے بعد۔

تنبیہ نبیہ :

ہے کوئی صاحب عقل و خرد اور مالک دانش و بینش جو ان اکابر پر کفر و نفاق یا ضلالت و گمراہی کا فتویٰ لگائے، جب قرآن مجید کی قطعی الثبوت آیات میں تاویل کرنے والے تاویل کے باوجود مسلمان بھی ہیں، اکابر بھی ہیں، تو جن حضرات اکابر نے کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد..... میں اسی طرح کی تاویل فرمائی ہے (ہم تو صرف ناقل ہیں) ان پر بھی ایسا فتویٰ صادر کرنا سراسر ظلم و تعدی ہے، عظیم جہالت یا تجاہل کا مظاہرہ ہے۔ نیز جن حضرات نے اس مضمون کی احادیث کو بھی اپنے ظاہر پر رکھا ہے اور عالم ارواح اور عالم اجسام کے احکام کو جداگانہ تسلیم کر لیا ہے، ان پر کوئی عقلمند انسان گمراہی و ضلالت وغیرہ کے فتاویٰ جات کیونکر لگا سکتا ہے؟

﴿۳﴾ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کی نبوت و بعثت کے وقت میں اختلاف کرنے کے باوجود نبی مکرم ﷺ کے متعلق ایسے کسی اختلاف و نزاع کا ذکر کیے بغیر چالیس سال کے بعد آپ ﷺ کی بعثت اور نبوت کا ذکر فرمایا گیا اس امر پر اجماع اور اتفاق ظاہر کرنا ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سنت الہیہ اور معمول فطرت اور عادت جاریہ کے مطابق چالیس سال کے بعد ہی ہوئی۔ اور اعم و اغلب کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں تو ان حضرات کے قول سے احتراز کے لیے جو حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو بچپن سے ہی نبی مانتے ہیں نہ کہ آپ کے متعلق کسی اختلاف اور نزاع کی طرف اشارہ کرنے کیلئے۔ بلکہ آپ ﷺ کے چالیس سال بعد مبعوث ہونے پر اس اعم و اغلب کو متفرع کیا جا رہا ہے کہ جب سید الانبیاء والمرسلین اس شریف میں مبعوث ہو رہے ہیں۔ تو اعم و اغلب اور اصل وقاعدہ و ضابطہ یہی ہے۔ اس کا خلاف محتاج دلیل ہے نہ کہ یہ جو کہ اصل اور راجح ہے۔

اہم سوال:

مجتہدین زمانہ اور محققین عصر حضرات سے سوال ہے کہ کیا علامہ آلوسی صاحب کو وہ احادیث یاد نہیں تھیں، یا انہوں نے پڑھی بھی نہیں تھیں اور سنی بھی نہیں تھیں، جو ان حضرات کو یاد اور ازبر ہیں؟ جبکہ انہی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے بعض نبی بھائی بچپن میں اس عرفان کے مالک ہیں تو آپ ﷺ کیونکر اس عرفان اور وحی یا ظہور اور کشف قلبی اور فراست صادقہ کے مالک نہیں ہون گے جبکہ آپ عالم ارواح میں نبی ﷺ تھے۔ فتامل حق التامل لہذا عالم ارواح اور عالم اجسام کا فرق تسلیم لازم اور ضروری ہے اور اس سے آنکھیں بند کر کے رکھنا عقلمندی نہیں ہے۔

علامہ آلوسی کی دوسری عبارت:

علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

فلما نبی وهو ابن اربعین سنة آمن به وهو ابن ثمانية وثلاثین سنة فلما بلغ

الاربعین قال رب اوزعنی الایة (روح المعانی ج ۲۶ ص: ۱۸)

پس جب محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام لتسلیم نبی بنائے گئے، جبکہ آپ ﷺ چالیس سال کے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ جبکہ وہ اڑتیس سال کے تھے، پس جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو یہ دعا کی:

”اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیرا شکر ادا کروں اس نعمت پر جو تو نے مجھے عطا فرمائی اور اس نعمت پر جو میرے والدین کو عطا فرمائی“

فائدہ:

اس میں بھی علامہ موصوف نے آنحضور ﷺ کے چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے جانے کا ذکر کیا ہے نہ کہ اس عمر میں نبوت کے اعلان اور اظہار کرنے کا ذکر فرمایا جس سے انکا نظریہ و عقیدہ صاف ظاہر اور واضح ہے۔

نیز علامہ موصوف نے بحیرا راہب کے آپ کے متعلق نبوت کے انکشاف والے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فوقع فی قلبہ تصدیقہ فلم یکن یفارقة فی سفر ولا حضر فلما نبی وهو ابن اربعین سنة آمن به وهو ابن ثمانية وثلاثین۔

”تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں راہب کے اس قول کی تصدیق پیدا ہو گئی پس آپ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سفر و حضر میں جدا نہیں ہوتے تھے، تو جوں ہی آپ کو نبی بنایا گیا، جبکہ آنحضرت ﷺ چالیس سال کے تھے۔ تو آپ ﷺ پر ایمان لے آئے جبکہ

حضرت ابو بکر اڑتیس سال کے تھے“

فائدہ:

علامہ موصوف کی اس عبارت سے بھی واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ بحیرا راہب نے مستقبل میں آپ کو عطا ہونے والے منصب کی حضرت صدیق کو خوشخبری سنائی تھی نہ کہ اس وقت نبی ہونے کی۔ اسی لیے جب آپ کو چالیس سال کی عمر میں نبی بنایا گیا تو فوراً حضرت صدیق رضی اللہ عنہ آپ پر ایمان لے آئے اور پہلی تصدیق یہ تھی کہ آپ مستقبل میں ضرور بالضرور اس منصب پر فائز ہوں گے، اس لئے بحیرا کو صحابہ کرام میں شمار نہیں کیا گیا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اڑتیس سال کی عمر میں آپ ﷺ پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا گیا، حالانکہ آپ ﷺ بحیرا سے ملاقات کے وقت اٹھارہ سال کے تھے۔ اور نبی کریم ﷺ کے چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے جانے کی تصریح کی ہے جبکہ بحیرا کے اس بشارت دینے کے وقت آپ ﷺ کی عمر شریف بیس سال تھی۔

امام آلوسی کی تیسری عبارت:

یہی علامہ سید محمود آلوسی حنفی رحمہ اللہ قول باری تعالیٰ:

وما یبسط عن الہوی

کے تحت فرماتے ہیں:

وفی الکشف فی قولہ تعالیٰ وما یبسط مضار عامع قولہ سبحانہ: ماضل

صاحبکم وما غوی، ما یدل علیٰ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حیث لم یکن لہ سابقۃ

غواۃ وضلال منذ تمیز وقبل تحریکہ واستنبائہ لم یکن لہ نطق عن الہوی کیف

وقد تحنک ونبی، وفیہ بحث ان یشاہدوا منطلقہ الحیکم (روح المعانی، ج ۲۷، ص ۲۰۰)

”صاحب کشف نے ذکر فرمایا کہ وما یبسط قول باری تعالیٰ ہے اور مضارع کی

حالت میں ذکر کیا گیا ہے، جبکہ کلام مجید میں آپ سے ماضی زمانہ کے لحاظ سے بھی ضلالت و غوایت کی نفی کی گئی ہے، تو اس کا صریح مفہوم و مدلول یہی ہوا کہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت بھی غوایت و ضلالت سے محفوظ و مامون اور معصوم تھے جبکہ آپ ﷺ سن تمیز میں تھے۔ اور گھٹی دیے جانے اور نبی بنائے جانے سے قبل ہی معصوم تھے تو آپ ﷺ اس وقت خواہش نفس کے تحت نطق کیسے کر سکتے تھے جبکہ ان کو (عرفان اور روحانیت کی) گھٹی دی جا چکی تھی۔) اور نبی بنایا جا چکا تھا اور اس قول باری تعالیٰ میں اس امر پر لوگوں کو برا سمجھتے اور آمادہ کرنا مقصود ہے کہ لوگ آپ ﷺ کے سراسر حکمت بھرے کلام کو سنیں اور اس میں غور فکر کریں“

فائدہ:

علامہ موصوف کے اس کلام سے صرف ان کا ہی نہیں بلکہ صاحب کشف کا بھی یہی نظریہ اور عقیدہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ پیدا ہوتے ہی نبی ﷺ نہیں تھے اس لئے سن تمیز تک رسائی مان کر نبی بنایا جانا تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کے بعد اس منصب پر فائز کیے جانے کی بات کی ہے اور دلالت النص کے طور پر بھی آپ سے غوایت و ضلالت کی نفی کی ہے کہ جب سن تمیز تک پہنچنے کے باوجود آپ غوایت سے منزہ و مبرا تھے تو نبی ﷺ بنائے جانے کے بعد بطریق اولیٰ ضلالت و غوایت سے منزہ و مبرا ہوں گے، جیسے کہ وما یبطق عن الہوی باعتبار عبارت النص کے اس پر دلالت کر رہا ہے۔

مقام غور ہے کہ اگر آپ ﷺ آغاز ولادت سے ہی نبی تھے صرف اعلان چالیس سال کے بعد پایا گیا، تو اس تفریح اور دلالت النص سے استدلال و استنباط کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ ان مجتہدین کے نزدیک اس استدلال کا مفہوم و مدلول یہ ہو جائے گا کہ جب نبوت ملنے کے وقت سے نبی ضلالت و غوایت سے منزہ و مبرا ہوتا ہے تو اعلان نبوت کے بعد بطریق اولیٰ منزہ و مبرا ہوگا۔ حالانکہ عصمت لازمہ نبوت ہے نہ کہ لازمہ اعلان نبوت۔ اکابرین نے نبی

بنائے جانے سے قبل اور نبی بنائے جانے کے بعد والا فرق سامنے رکھ کر یہ تفریح مرتب کی ہے۔
چوتھی عبارت:

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ قول باری تعالیٰ:

علمہ شدید القوی ذومرۃ فاستوی (النجم: ۵)

کے تحت فرماتے ہیں:

ای فاستقام علی صورته الحقیقیۃ التي خلقه الله تعالى علیها وذلك عند حراء

(روح المعانی ص: ۴۰ ج: ۲۷)

فی مبادی النبوة

یعنی جبرئیل امین علیہ السلام نے اپنی صورت حقیقیہ میں ڈھل کر جس پر اللہ تعالیٰ نے

ان کو پیدا کیا تھا نبی مکرم ﷺ کو تعلیم دی اور ایصال وحی میں واسطہ و وسیلہ بنے اور یہ صورت

غار حراء کے پاس آغاز نبوت اور ابتداء نبوت میں وقوع پذیر ہوئی۔

فائدہ:

جبرئیل علیہ السلام کا اس حال میں مشاہدہ فرمانا فترت وحی کے بعد کا معاملہ ہے اور

فترت وحی کی مدت تقریباً تین سال ہے تو اس کے بعد والی اس حالت کو جس میں جبرائیل اپنی

اصلی اعتدالی صورت میں آپ ﷺ پر ظاہر ہوئے مبادی نبوت سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ جبکہ بقول

مجتہدین زمانہ اور محققین عصر کے آپ ﷺ کی نبوت پر ۴۳ سال گزر چکے تھے۔ دریافت طلب

امر یہ ہے کہ تینتا لیس سال تک اگر آپ ﷺ کی نبوت ابتدائی حالت میں تھی تو اس کے درمیان

اور آخری مراحل کا اندازہ کیا ہوگا فاعتبروا یا اولی الالباب۔

صلائے عام ہے یا ان نکتہ داں کے لیے

تنبیہ:

الغرض ان اکابرین ملت کا نظریہ واضح ہے کہ عالم اجسام میں آپ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی گئی اور ہم صرف ناقل اور انکے تابع ہیں۔ ہمیں کسی فتوے کا نشانہ بنانے سے قبل ان متقدمین علماء اعلام اور آئمہ کرام کے ارشادات اور نظریات بھی مد نظر رہنے چاہئیں اور عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹنا نہیں چاہیے۔ سب کو ایک جیسے فتووں سے نوازنا چاہیے۔ یہ امر عدل و انصاف اور دیانت سے بہت بعید ہے کہ نظریہ میں اتحاد کے باوجود فتوائے تھلیل و تکفیر میں فرق کیا جائے۔

پانچویں عبارت:

قول باری تعالیٰ:

انا انزلناه فی لیلة مبارکة (الدخان: ۳)

”ہم نے قرآن مجید کو مبارک رات میں نازل کیا“

کے تحت علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

واستشكل ذلك بان ابتداء السنة المحرم او شهر ربيع الاول لانه ولد فيه

عليه ^{عليه} ومنه اعتبر التاريخ في حياته عليه الصلوة والسلام الى خلافة عمر الفاروق

رضي الله عنه وهو الاصح وقد كان الوحي اليه ^{عليه} على رأس الاربعين سنة من

مدة عمره عليه الصلوة والسلام على المشهور من عدة اقوال فكيف يكون ابتداء

الانزال في ليلة القدر من شهر رمضان او في ليلة البراءة من شعبان واجيب بان ابتداء

الوحي كان مناماً في شهر ربيع الاول ولم يكن بانزال شيء من القرآن والوحي يقظة

مع الانزال كان في يوم الاثنين لسبع عشرة خلعت من شهر رمضان وقيل لسبع منه

(روح المعاني ص: ۱۰۲، ۱۰۳، ج ۲۵)

وقيل لاربع وعشرين منه

”یہاں پر اشکال یہ پیش آتا ہے کہ اسلامی سال کی ابتداء محرم الحرام سے ہے یا ربیع الاول شریف سے، کیونکہ آپ ﷺ اسی میں پیدا ہوئے اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ظاہرہ سے لے کر حضرت فاروق اعظم کی خلافت تک اسی مہینہ سے تاریخ اسلامی کا اعتبار کیا جاتا رہا، اور یہی قول اصح ہے۔ جبکہ آنحضرت ﷺ پر وحی کی ابتداء متعدد اقوال میں سے مشہور قول کے مطابق چالیس سال کی عمر پوری ہونے پر ہوئی۔ تو وحی کی ابتداء نزول رمضان کی لیلۃ القدر میں یا شعبان کی شب براءت میں کیونکر ہو سکتی ہے؟“

جواب یوں دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ پر وحی کی ابتداء نیند کی حالت میں (سچے خوابوں کی صورت میں) ربیع الاول شریف میں ہوئی اور قرآن مجید کی کسی آیت کریمہ کے نزول کے ساتھ یہ ابتداء نہیں ہوئی تھی اور بیداری کی حالت میں وحی کی ابتداء بمع نزول قرآنی بروز سوموار سترہ رمضان المبارک اور بقولے سات رمضان اور بقولے چوبیس رمضان کو ہوئی“

فائدہ اولی:

علامہ آلوسی کے اس قول سے پہلا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم ﷺ پر وحی کا نزول عمر شریف کے چالیسویں سال کے اختتام کے قریب ہوا اور یہ بیان بھی مطلق وحی کا ہے نہ کہ وحی قرآنی کا۔

فائدہ ثانیہ:

دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ نزول قرآن والی وحی کی ابتداء رمضان المبارک کی مذکورہ راتوں میں سے کسی میں ہوئی، جبکہ وحی منامی کی ابتداء ربیع الاول شریف میں ہوئی جبکہ دونوں طرح کی وحی کا درمیانی عرصہ چھ ماہ ہے تقریباً، لہذا اس عبارت سے آپ ﷺ کی نبوت کی ابتداء جسمانی لحاظ سے نشأۃ دنیا میں کب ہوئی، وہ بھی واضح ہو گئی جبکہ وحی کے بغیر کسی ہستی کے نبی

ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کما صرح بہ الالوسی رحمہ اللہ وقد ذکرناہ لہذا وحی منامی سے ہی آپ کی نبوت کا آغاز ہوا جبکہ آپ کی عمر شریف چالیس برس ہو چکی تھی۔

فائدہ ثالثاً

آپ کے سچے خواہوں اور آپ کی نبوت کے دورانہ میں ایک اور چھیا لیس کی نسبت پر دلالت بھی ثابت ہوگئی۔

تنبیہ:

اس عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت علامہ آلوسی محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز ولادت سے ہی بالفعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اور انکے حق میں اس طرح کا دعویٰ سراسر لغو اور باطل ہے اور خلاف واقع و حقیقت ہے۔ بلکہ عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر وحی کا آغاز ہوتا ہی ان کے نزدیک محقق اور مسلم امر ہے۔

بعثت کا مفہوم:

بعثت کا معنی ”مقرر کرنا“ اور ”کسی منصب پر فائز کرنا“ ہی ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں

درج ذیل نصوص ملاحظہ ہوں:

(۱) بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر حضرت شموئیل علیہ السلام سے عرض کیا:

ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ (البقرہ: ۲۶۳)

”ہمارے لئے کوئی شخص بادشاہ مقرر کرو (تا کہ اسکی سرکردگی میں) ہم اللہ تعالیٰ کی راہ

میں جہاد کریں“

تو انہوں نے ان کے مطالبے کو پورا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ

بادشاہ کی نشاندہی کی۔ ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً۔ (البقرہ: ۲۴۷) اللہ تعالیٰ نے

تمہارے لیے طاوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، اور اس کو یہ منصب عطا کیا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ اس کو ہم پر بادشاہی کیسے حاصل ہو سکتی ہے جبکہ ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں، اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔ تو حضرت شموئیل علیہ السلام نے فرمایا:

ان الله اصطفاه عليكم وزاده بسطقتي العلم والجسم والله يعطي ملكه من

يشاء والله واسع عليم (البقرة: ۲۴۷)

”اے اللہ تعالیٰ نے تم پر چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی ہے اور اللہ

تعالیٰ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ تعالیٰ وسیت والا علم والا ہے“

بنی اسرائیل کا مطالبہ یہ نہیں تھا کہ بادشاہ ہمارے اندر موجود ہے اور شاہی صفات اور

عادات و اخلاق کے ساتھ بالفصل متصف ہے، بس اس کا اعلان کر دو۔ بلکہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ

کسی شخص کو اس منصب پر متعین کرو اور اسے یہ اعزاز بخشو۔ اور آپ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے

طاوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے (کنز الایمان) اور طاوت کو فرمایا کہ میں تم کو بحکم الہی بنی

اسرائیل کا بادشاہ مقرر کرتا ہوں۔ اور بنی اسرائیل سے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے طاوت کو تمہارا

بادشاہ بنا کر بھیجا ہے (خزائن العرفان)

اگر پہلے سے بادشاہی منصب اور شاہی خصائل و خصائص کے ساتھ بالفعل متصف

شخص موجود تھا، صرف آپ کی زبان مبارک سے اعلان اور اظہار کروانا پیش نظر تھا۔ تو پھر اس کو

بادشاہ ماننے سے انکار کیوں کیا؟ اور اس کی اس منصب کیلئے اہلیت و صلاحیت کی نفی کیوں کی اور

حضرت شموئیل کو مختلف دلائل اور قرائن سے اس کے اس منصب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقرر اور

تعین کو ثابت کیوں کرنا پڑا؟

(۲) قال اللہ تعالیٰ..... وبعثنا منهم اثني عشر نقيبا (المائدة: ۱۲)

”اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار قائم کیے“

یہاں بھی ان کا از سر نو تقرر و تعیین مراد ہے نہ کہ وہ سرداری اور قیادت و سیادت کیساتھ پہلے بالفصل متصف تھے۔ اللہ نے صرف ان کا اعلان فرمادیا۔

(۳) قال..... ابعث الله بشر ارسولا (الاسراء: ۹۴)

”کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے“

قال تعالیٰ..... اهذالذی بعث الله رسولا (الفرقان: ۴۱)

”کیا یہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے“

ان دونوں آیتوں میں بھی منصب رسالت پر بشری صورت والی ذات کے مقرر اور متعین کئے جانے کا کفار کی طرف سے انکار بیان کرنا مقصود ہے۔ نہ کہ صرف ان کیلئے اس منصب کے فقط اظہار و اعلان پر انکار بیان کرنا مقصود ہے۔ وغیر ذلک من الآیات الکریمہ۔ نیز یہ دعویٰ کہ بعثت سے مراد رسال ہے محل نظر ہے کیونکہ ارسال کا لغوی معنی بھی اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ ہستی پہلے دوسری جگہ ہو پھر اس کو دوسری جگہ پر منتقل کیا جائے تو جس جگہ رسول کی ذات پہلے سے ہی موجود ہو وہاں اس کے ارسال کا کوئی معنی نہ ہوگا۔ گویا محبوب کریم علیہ السلام اہل مکہ کیلئے رسول اور مرسل نہ ہوئے کیونکہ پہلے سے ان میں موجود تھے۔ کیا کوئی عقلمند آدمی یہ قول کر سکتا ہے؟

لہذا یہاں شرعی معنی مراد ہے اور کسی شخص کو اس منصب پر فائز کرنا اور یہ ذمہ داری سونپنا مراد ہے اور چونکہ اس عہدہ اور منصب پر فائز ہونے اور اس اعزاز کے ساتھ معزز ٹھہرائے جانے کے بعد کی حالت پہلی حالت سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہوگئی تو گویا یہ شخص پہلے سے مختلف شخص بن گیا اس لئے اس نئی صورت حال کو بعثت اور ارسال کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے اور اس ہستی کو معبود اور مرسل سے تعبیر کر دیا گیا۔

اگر بعثت اور ارسال کا یہ معنی لیا جائے کہ نبی تو پہلے سے تھے۔ انکی نبوت کا اظہار اور

اعلان بعد میں پایا گیا تو قول باری: **فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرين (البقرة: ۲۱۳)** کا مطلب یہ بن جائیگا کہ تمام انبیاء علیہم السلام پہلے سے وصف نبوت کے ساتھ متصف تھے، انکی نبوت کا اظہار اور اعلان بعد میں کیا گیا۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط اور خلاف واقع دعویٰ ہے بلکہ خارج میں بالفعل وصف نبوت سے موصوف ہونا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام بھی ہنوز آب و گل کے درمیان تھے، صرف اور صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور امتیازی و انفرادی شان ہے۔ دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عالم اجسام میں بالعموم چالیس سال کی عمر تک رسائی کے بعد ہی نبی بنا یا گیا اور فریضہ تبلیغ سونپا گیا۔ اس سے استثناء پایا گیا ہے تو دو حضرات یعنی حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کا۔ اور وہ بھی اجماعی اور متفق علیہ امر نہیں ہے بلکہ صرف بعض حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ یہ دونوں حضرات بچپن میں ہی اس منصب پر فائز کر دیے گئے تھے۔

النبیین کا لفظ جمع ہے اور معرف باللام ہے اور عہدیت پر کوئی قرینہ موجود نہیں تو لامحالہ استغراق والا معنی مراد ہوگا، یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اس حال میں کہ وہ بشارات سنانیوالے تھے اور ڈرائیوالے تھے۔ تو یہاں لازم آ گیا کہ سارے انبیاء رسول بن جائیں اور نبوت و رسالت کا باہمی فرق ہی ختم ہو کر رہ جائے۔ نیز سارے ہی نبی پیدا ہوتے ہوں کیونکہ بعثت انکی بعد میں پائی گئی نبوت تو ان کو پہلے سے حاصل تھی۔ بقول ان مجتہدین کے تو ان سب کو آغاز ولادت سے مقام نبوت پر فائز اور صفت نبوت سے موصوف و متصف ماننا لازم ٹھہرائے گا حالانکہ دونوں لازم باطل ہیں، اور ناقابل تسلیم اور خلاف اجماع ہیں۔ فتامل حق التأمل۔

اہم سوال:

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: **متی وجبت لك النبوة يا رسول الله؟** اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **وآدم بين الروح والجسد**، تو اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ

صحابہ کرام علیہم الرضوان سمجھتے تھے، کہ اگرچہ اعلان نبوت آپ نے چالیس سال کی عمر پوری ہونے پر فرمایا، لیکن نبی بنے ہوئے پہلے سے تھے، تو گویا ان کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تو بچپن سے تھی لیکن اعلان اس کا بعد میں فرمایا گیا، لہذا اثبات ہو گیا حصول نبوت اور ہے اور اعلان نبوت اور ہے؟

الجواب

(۱) صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اگر سوال دنیا میں حاصل ہونیوالی نبوت کے متعلق کیا ہوتا تو آپ جواب بھی اس کے مطابق ارشاد فرماتے، اور یوں فرماتے وجبت لسی النبوة عند الولادة۔ مجھے وقت ولادت سے ہی نبوت حاصل ہو چکی تھی۔ عالم ارواح کی بابت بتلانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۲) وہ وقت ولادت سے حاصل ہونے والی نبوت کے متعلق تب درباقت کرتے اگر ان کا ذہن یہ تصور کر سکتا ہوتا اور ان کی عقل یہ باور کر سکتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، قدس نبوت ملنے پر اسے عرصہ تک چھپا بھی سکتی ہے، اور تقیہ بھی ہو سکتا ہے۔ جب ان کے اذہان اور عقول اس امر کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اور نہ ایسے محالات کو باور کر سکتے تھے، تو اس صورت کے متعلق وہ سوال ہی کیونکر کر سکتے تھے۔ تو لامحالہ ان کا سوال بھی عالم ارواح کے لحاظ سے تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب بھی اس کے مطابق عطا فرمایا

(۳) اگر ان کا سوال ہوتا دنیا میں اور عالم اجسام میں ملنے والی نبوت کے متعلق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب عطا فرماتے عالم ارواح والی نبوت کے ساتھ، تو کیا سوال و جواب میں مطابقت ہوتی؟ اور ایسا سوال پر غیر منطبق جواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سرچشمہ علم و حکمت کی طرف سے متصور ہو سکتا تھا؟

(۴) اگر جواب کا مطلب یہ ہوتا کہ میں عالم ارواح سے نبی چلا آ رہا ہوں اور یہ

چالیس کا عرصہ بھی اسی نبوت میں داخل ہے تو اس کا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ جس طرح نبوت کا حصول تھا چالیس سال کے عرصہ میں لیکن اعلان نہیں تھا، تو پہلی ہزاروں سال کی نبوت بھی اس طرح کی ہوگی جس میں نبوت کا حصول تھا لیکن اعلان و اظہار نہیں تھا۔ نہ افادہ و افادہ کی صورت تھی اور نہ استفادہ استفادہ کی، تو اس میں نبی اکرم ﷺ کیلئے کون سا کمال حاصل ہوا اور مخلوق کو آپ ﷺ سے کیا معتد بہ اور کارآمد فائدہ حاصل ہوا؟

ایک طرف اعتراضات کی بوچھاڑ ہو ان پر جو ہزاروں سال سے بالفعل نبی بھی مانیں اور ملائکہ کرام اور ارواح انبیاء علیہم السلام کا آپ ﷺ سے مستفید و مستفیض ہونا بھی تسلیم کریں اور دوسری طرف اپنا حال یہ ہو کہ ہزاروں سال میں آپ کو مہربلب اور آپ ﷺ کے دست جو دونوں کو مغلول تسلیم کریں اور جو دو سخا اور فیضان سے محروم تسلیم کریں فیما للعب

(۵) صحابہ کرام علیہم الرضوان یہ تو باور کر ہی نہیں سکتے تھے، کہ آپ ﷺ نے نبوت کو چھپائے رکھا ہو، لہذا ان کا سوال بھی عالم ارواح کے متعلق تھا اور آپ ﷺ نے جواب بھی اس کے مطابق دے دیا، ان کے سوال کا مبداء اور مبنی یہی تھا کہ نبوت صرف اب نہیں ملی بلکہ پہلے سے ملی ہوئی ہے اور آپ نے بھی پہلی نبوت کے متعلق ہی بتلایا۔ کیا عالم ارواح کی نبوت پہلے سے حاصل ہونے والی نبوت تھی یا نہیں؟ یقیناً وہ پہلے سے حاصل ہونیوالی نبوت ہی تھی۔

(۶) نیز صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سوال کے متعلق یہ روایات بھی ہیں:

متی کتبت نبیا قال و آدم بین الروح والجسد (مسند امام احمد)

”آپ کب نبی لکھے گئے“ اور آپ کے نبی بنائے جانے کا فیصلہ اور قضاء و تقدیر کب

وارد ہوئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے نبی ﷺ ہونے کی قضاء و تقدیر اس وقت وارد ہو چکی تھی جبکہ آدم علیہ السلام کی روح اور جسم اور اس کا باہمی ربط و تعلق قائم نہیں ہوا تھا۔

لہذا سوال ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کا خداوند تبارک و تعالیٰ کے فیصلہ قضاء و قدر کے

متعلق تھا اور جواب بھی آپ نے اس کے مطابق عطا فرمایا۔

اس سوال کا سبب اور باعث یہ ہو سکتا ہے کہ مدت مدیدہ اور عرصہ بعیدہ سے نبوت بنی اسرائیل میں آرہی تھی، اور ان کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ یہ اعزاز صرف اور صرف ہمیں ہی حاصل رہے گا۔ دوسرے کسی قبیلہ سے کوئی شخص اس منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے سوال کر دیا کہ آپ ﷺ کو اس منصب پر فائز کیا جانا مستأنف امر ہے اور اس کا فیصلہ بنی اسرائیل کی نازیبا حرکات اور برے اخلاق و عادات دیکھ کر کیا گیا ہے اور اس خاندان کی نبوت منسوخ کر دی گئی ہے اور آپ ﷺ کے خاندان میں از سر نو اس کو جاری کیا گیا ہے؟ تو سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہ امر نسخ و تبدیل اور تغیر قضاء کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ ابتداء سے یہ فیصلہ کر دیا گیا تھا، اور لوح محفوظ میں نقش کر دیا گیا تھا۔ اور یہ اس طرح کا فرمان ہو گا جیسے کہ فرمایا:

انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمجدل فی طہینہ

”میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین لکھا ہوا ہوں اور میرے لیے اس منصب کا فیصلہ

ہو چکا جبکہ آدم علیہ السلام کا ابھی جسم بھی مکمل نہیں ہوا تھا“

اور ارشاد نبوی ہے:

جعلنی فاتحاً وخاتماً

”اللہ تعالیٰ نے مجھے سلسلہ نبوت کا مبداء اور محل افتتاح بھی بنایا اور اس سلسلہ کا منتهی اور

خاتم بھی ٹھہرایا“

نیز حدیث شریف میں وارد ہے اور اسی کو علمائے کلام نے عقیدہ کا عنوان قرار دیا ہے:

اول الانبیاء آدم و آخرهم محمد ﷺ

”سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخر میں مبعوث ہونے

والے حضور سیدنا محمد ﷺ ہیں“ وغیر ذلک۔

لہذا ان تمام ارشادات کا خلاصہ یہی ہوا کہ قضاء و قدر کے لحاظ سے بھی اور روحانی و نورانی وجود کے لحاظ سے بھی آپ ﷺ اول الانبیاء ہیں، اور جسمانی لحاظ سے اور نبوی بعثت کے لحاظ سے آپ ﷺ آخری نبی ﷺ ہیں، جبکہ حدیث کا راوی، وہ بھی صحابی اور صحابی بھی ایسا جن کو نبی مکرم ﷺ نے دعا دی ہو.... اللهم فقهه فی الدین و علمه التاویل

”اے اللہ کریم ان کو دین کی کامل فقاہت اور سوچ بوجھ عطا فرما، اور قرآن مجید کا کامل اکمل علم عطا فرما“

لا محالہ وہی اس حدیث پاک کا معنی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور ان کا ہی ارشاد گرامی ہے: بعث رسول اللہ ﷺ لاربعین سنة

”یعنی آپ ﷺ عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر مبعوث ہوئے“

(باب المبعث و بدء الوحي، مشکوة شریف)

لہذا اس حقیقت کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ جسمانی لحاظ سے اور عالم عناصر میں ظہور کے لحاظ سے چالیس سال کی عمر شریف میں آپ ﷺ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی، اور احکام نبوت کی تبلیغ کا مکلف ٹھہرایا گیا۔ لہذا روحانی نورانی وجود کے اعتبار سے آپ ﷺ قصر نبوت کی اساس اور بنیاد ہیں اور جسمانی وجود کے اعتبار سے آخری اینٹ بھی ہیں، یہی ہمارا نظریہ ہے والحمد لله علیٰ ذالک

حضرت علامہ علی قاری علیہ الرحمہ کا نظریہ:

محقق حضرات علامہ علی قاری علیہ الرحمہ کی شرح فقہ اکبر میں منقول ایک عبارت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چالیس سال کے بعد آپ کے بالفعل نبی ہونے کا قول غلط ہے، کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے:

قال الامام فخر الدين الرازي الحق ان محمداً ﷺ قبل الرسالة ما كان

علیٰ شرعاً نبی من الانبیاء وهو المختار عند المحققین لانه لم یکن امة نبی قط لکنه
 کان فی مقام النبوة قبل الرسالة وکان یعمل بما هو الحق الذی ظهر علیه فی مقام
 نبوته بالوحی الخفی والكشوف الصادقة من شریعة ابراهیم وغیره کذا نقله القونوی
 فی شرح عمدة النفسی۔ وفيه دلالة علیٰ ان نبوته لم تكن منحصرة فیما بعد الاربعة
 كما قال جماعة بل اشارة الی انه من یوم ولادته متصف النبوة بل یدل حدیث :
 كنت نبیا و آدم بین الروح والجسد علیٰ انه متصف بوصف النبوة فی عالم الارواح
 قبل خلق الاشباح وهذا وصف خاص له۔ لانه محمول علیٰ خلقه للنبوة واستعداده
 للرسالة كما یفهم من كلام الامام حجة الاسلام فانه حیث لا یتمیز عن غیره حتی
 یصلح ان یكون محدوداً بهذا النعت بین الالام (شرح فقه اکبر ص: ۷۳)

”امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ عنہ نے فرمایا حق یہ ہے کہ محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام
 ﷺ اپنی رسالت سے قبل کسی نبی کی شریعت پر نہیں تھے اور احناف میں سے محققین کا مختار بھی
 یہی ہے، کیونکہ آں حضرت ﷺ کبھی بھی کسی نبی کے امتی نہیں رہے۔ لیکن آپ ﷺ منصب
 رسالت پر فائز ہونے سے قبل مقام نبوت میں تھے۔ اور اس پر عمل پیرا ہوتے تھے جو امر حق آپ
 ﷺ پر اپنے مقام نبوت میں وحی خفی اور انکشافات صادقہ کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام اور دیگر
 انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں سے ظاہر ہوتا تھا۔ علامہ قونوی نے عمدة النفسی کی شرح میں
 ایسے ہی ذکر کیا ہے۔

علامہ قونوی کے اس قول میں اس امر پر دلالت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت چالیس
 کھال کے بعد والے عرصہ میں منحصر نہیں تھی جیسے کہ علمائے کرام کی جماعت کا قول ہے، بلکہ اس
 قول میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے روز ولادت سے ہی نبوت والی صفت کیساتھ
 متصف تھے، بلکہ کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد والی حدیث اس امر پر دلالت کرتی

ہے کہ آپ ﷺ عالم ارواح میں ہی وصف نبوت کے ساتھ متصف تھے، قبل اس کے کہ عالم اجسام کی تخلیق ہوتی اور یہ آپ کا خاص (امتیازی اور انفرادی) وصف ہے۔ اس کا یہ محمل اور مصداق نہیں ہے کہ آپ ﷺ کو نبی بنانے کے لیے اور رسول بننے کی استعداد و صلاحیت پر پیدا کیا گیا ہے جیسے کہ امام حجۃ الاسلام (غزالی قدس سرہ) کے کلام سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ اندریں صورت دوسرے انبیاء علیہم السلام سے کوئی امتیازی اور انفرادی وصف آپ ﷺ کیلئے حاصل نہیں ہو پائے گا تا کہ آپ ﷺ اس کے ذریعے باقی مخلوق کے درمیان موصوف و مدوح ہوں“

(ملا علی قاری کی عبارت کا ترجمہ مکمل ہوا)

حضرت علامہ علی قاری علیہ الرحمہ کی پیش کردہ عبارت میں مستدل حضرات کے لیے

چند امور قابل غور ہیں:

اعلان نبوت سے قبل نبوت ماننے کی اہمیت کس قدر ہے؟

فائدہ اولی:

علامہ قاری کے اعتراف (کما قال جماعة) کے مطابق علمائے اعلام اور اسلاف کرام کی جماعت جو ان پر بھی سبقت رکھنے والے ہیں اس کے قائل و معترف اور معتقد ہیں کہ آپ کی نبوت جسمانی چالیس سال کے بعد والے عرصہ میں منحصر ہے تو ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟ وہ اہل سنت ہیں یا ان میں سے خارج ہیں؟ اور ضلالت و گمراہی کا شکار ہیں یا راہ راست اور ہدایت پر ہیں؟ اور کیا جماعت کی اتباع و اقتداء زیادہ وزنی اور راجح ہوتی ہے یا ایک دو افراد کی؟ فرمان نبوی ہے علیکم بالجماعة ”جماعت کا دامن تھام لو“۔ اور ید اللہ علی الجماعة اللہ تعالیٰ کا دست رحمت و شفقت جماعت پر ہوتا ہے تو لا محالہ جماعت کی رائے اور انکا نظریہ و عقیدہ ہی راجح اور وزنی ہوگا اور لائق اعتداد و اعتبار اور قابل اعتراف و تسلیم۔

فائدہ ثانیہ:

امام شیخ الاسلام غزالی رحمہ اللہ، کنت نبیاً الحدیث کا جو مدلول و مفہوم متعین فرما رہے ہیں اس کی رو سے ان متدل حضرات کی نظروں میں ان کا کیا مقام ہے؟ کیا وہ اہل سنت کے مقتدا اور امام و شیخ الاسلام رہ گئے یا سارے اعزازات کا لعدم ہو گئے؟ اور سنیت سے بھی خارج ہو گئے؟ کیونکہ وہ آپ ﷺ کو عالم ارواح میں بھی بالفعل نبی نہیں مان رہے؟؟؟

فائدہ ثالثہ:

آپ ﷺ حنفی اور کشف صحیح کے ذریعے اپنی شریعت کا علم حاصل کر کے اس پر عمل نہیں فرماتے تھے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں سے جو امر حق و صواب اور راجح اور روزنی معلوم ہوتا تھا اس پر عمل فرماتے تھے، تو اس نبوت میں اور ولایت کبریٰ میں کیا تفریق اور تمیز ہو سکے گی۔ کیونکہ ہر نبی نبوت کی ذمہ داری سنبھالنے سے پہلے ولایت عظمیٰ کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے اور اس میں بھی وحی حنفی اور انکشافات صادقہ پائے جاتے ہیں۔ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کو جب بھائیوں نے کنوئیں میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی:

قال تعالیٰ: واوحینا الیہ لتبیننہم بامرہم ہذا وہم لایشعرون۔

(سورہ یوسف:)

”اور ہم نے وحی کی یوسف (علیہ السلام) کی طرف کہ تم ضرور بالضرور نہیں ان کے اس معاملہ سے خبردار کرو گے جبکہ وہ احساس و شعور نہیں رکھتے ہوں گے“

حالاں کہ یہ بھائیوں کی طرف سے آپ کے کنوئیں میں پھینکے جانے کا موقعہ ہے اور نبوت آپ کو بہت عرصہ بعد میں عطا کی گئی۔

قال : ولما بلغ أشده آتيناها حكما وعلما و كذلك نجزي المحسنين۔

”اور جب اپنی قوت اور کامل توانائی تک پہنچ گئے تو ہم نے اس وقت ان کو حکم اور علم

عطا کیا اور ایسے ہی ہم نگو کاروں کو جزا دیتے ہیں“

لہذا اس وحی سے ان کا بالفعل اور عملی طور پر خارج میں نبی ہونا قطعاً ثابت نہیں ہو سکتا

حالانکہ ثبوت وحی قطعی ہے کیونکہ نص قرآنی سے ثابت ہے، لہذا اس وحی اور کشف صادق سے

صرف پہلی شریعتوں میں سے راجح اور مختار عمل آپ کو معلوم ہو جاتا تھا۔ اور اس کے مطابق آپ

عمل فرماتے تھے، نہ کہ آپ مستقل صاحب شرع نبی تھے اور اپنی شریعت پر عمل فرماتے تھے۔

یا پہلی شریعتوں میں سے ان اعمال پر عمل پیرا ہوتے جو آپ کی شریعت کے موافق ہوتے تھے۔

نیز اس تاویل و توجیہ میں بھی بنیادی محرک اور موجب یہ ہے کہ آپ اگر اپنے کشف صحیح

اور وحی خفی کے مطابق پیرا عمل نہ ہوں تو آپ کا ان انبیاء کرام کا امتی ہونا لازم بھی آئے گا اور یہ

لازم واجب التسلیم بھی ہوگا، حالانکہ ”انہ لم یکن امة نبی قط“ آپ ﷺ کبھی بھی کسی نبی

کی امت نہیں رہے ہیں؛

تو جو وحی خفی اور کشف صادق آپ ﷺ میں اس لیے تسلیم کیا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کا

دوسرے انبیاء علیہ السلام کا تابع اور امتی ہونا لازم نہ آئے بلکہ آپ ان کی اقتداء کی وساطت کے

بغیر ہی ان اعمال و احکام پر مطلع بھی ہوں اور عمل پیرا بھی ہوں تو یہ نبوت بھی خفی نبوت، باطنی اور

روحانی قسم کی نبوت ہوئی نہ کہ ارباب امم انبیاء علیہم السلام کی طرح لوگوں کے لیے امر بالمعروف

اور نہی عن المنکر والی اور دوسروں کو ہدایت دکھلانے والی، یا منزل مقصود تک پہنچانے والی۔ بلکہ

آپ ﷺ کو یا صرف اپنی ذات کے لیے اس وقت نبی ﷺ تھے حالانکہ یہ نبوت تو محل محسوس نہیں

جو حکم ولایت میں ہے اور نبوت خفیہ و باطنیہ ہے اور فقط آپ ﷺ کی ذات تک محدود ہے۔ نہ تو یہ

وہ نبوت ہوئی جو عالم ارواح میں آپ کو حاصل تھی اور ارواح انبیاء اور ملائکہ آپ ﷺ سے مستفید

ہور ہے تھے، اور نہ وہ نبوت اور ہوئی جو بعد میں آپ کو حاصل ہوئی اور جنات، ملائکہ، بلکہ حیوانات، نباتات، جمادات تک کو محیط ہوگئی اور ہر ایک آپ سے اپنی حیثیت کے مطابق استفادہ کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا تو اس سے تمسک کا ان حضرات کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟

قال تعالى: و اوحينا الي ام موسى ان ارضيعه الاية۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امی کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اپنے لخت جگر کو دودھ پلاؤ اور اس کی تربیت کرو اور اگر فرعون کیوں کی طرف سے خوف و خطر محسوس کرو تو اپنے اس نور نظر کو دریا میں پھینک دینا اور خوف و ہراس اور حزن و حلال کا شکار نہ ہونا۔ ان ارا دوة اليك وجاعلوه من المرسلين۔ ہم اس عزیز کو تمہاری طرف (اپنی کامل حکمت اور غالب تدبیر کے ذریعے) لوٹائیں گے اور اسے منصب رسالت پر بھی فائز فرمائیں گے۔ اور یہ وحی اتنی قطعی اور حتمی تھی کہ انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ اور ریب و تردد کے اس پر عمل کیا، (حالانکہ اولیاء کا الہام ظنی ہوتا ہے) مگر اس قطعی وحی سے ان کا (یعنی ام موسیٰ کا) نبی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ عالم شیر خوارگی میں رمضان المبارک کے روزے رکھا کرتے تھے، اگر ان کو شریعت مطہرہ کے احکام کا الہام اور وحی خفی اور کشف صادق نہیں تھا تو یہ عظیم عمل کیونکر اپناتے تھے؟۔ وغیر ذالک۔ اور اس آغاز سے انجام اور ابتداء سے انتہاء کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، اور اس فرع کا حال اس کے اصل کے حال کی دلیل و برہان بین ہے فتامل حق التأمل۔

نیز نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں بالفعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور ارواح انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام کو افادہ و افاضہ فرماتے رہے، تو لباس بشری، میں ملبوس ہونے پر وہ نبوت سلب تو نہیں ہوگئی تھی، اگرچہ اس پر بشریت ایک طرح کا ستر اور پردہ بن گئی تھی۔ اور پہلی نورانیت اور ضیاء پاشی وقتی طور پر پس پردہ چلی گئی، لیکن اس قدر مغلوبیت بھی طاری نہیں ہوئی تھی کہ بالکل غفلت

اور لاعلمی اور بے خبری اور بے شعوری والی کیفیت لاحق ہو جاتی تو یہ وحی خفی اور کشف صادق اس نبوت روحانیہ کا ثمرہ اور نتیجہ تھا نہ کہ یہاں عالم اجسام میں نئی نبوت آپ کو عطا ہو گئی تھی۔ اس لئے محل نزاع میں اس قول سے استدلال کی کوئی وجہ وجیہ نہیں ہو سکتی۔

بحث اس نبوت میں ہے جس سے لوگوں کے رشد و ہدایت اور فلاح و نجات کا سامان ہونہ کہ خود اس شخصیت کی تربیت و تہذیب اور تزکیہ و تطہیر مطلوب ہو، ایسی نبوت یا ولایت میں عند الناس کیا فرق ہو سکتا ہے؟

اور یہی وجہ ہے کہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ عنہ نے فرمایا:

والاظهر ان منصبہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ولیا ثم صار نبیا ثم صار رسولا

(مرقاۃ)

”زیادہ ظاہر اور واضح امر یہی ہے، کہ عالم اجسام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ولی تھے، پھر مقام نبوت پر فائز ہو گئے، بعد ازاں منصب رسالت پر فائز ہو گئے“

عذر لنگ:

مرقات والی عبارت سے خلاصی کی تدبیر یہ سوچی گئی کہ شرح فقہ اکبر بعد میں لکھی گئی اور مرقات پہلے لکھی گئی، لہذا مرقات کی عبارت گویا منسوخ ہو گئی۔ لیکن یہ معاملہ عقیدہ سے متعلق ہے نہ کہ اعمال جوارح سے۔ اور عقائد میں نسخ کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا؟ نیز کیا بے ادبی اور گستاخی بھی منسوخ ہو جاتی ہے؟ نیز دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب علامہ قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ نظریہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل ولایت کے مرتبہ پر فائز تھے۔ اس وقت کیا ملا علی قاری مسلمان تھے یا کافر؟ سنی تھے یا دیگر فرق باطلہ میں داخل تھے؟ اگر وہ نہ کافر تھے نہ ضال و مضل اور نہ دیگر فرق باطلہ میں داخل ہوئے تو دوسرے کسی شخص کو بھی اس مسئلہ کی بنا پر تکفیر و تفسیق اور کاہف بنانے اور کسی کو سنیت سے خارج کرنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے اور جب اکابر کا ہی اس معاملہ میں

اختلاف ہے تو زیادہ سے زیادہ ان میں سے کسی ایک فریق کے حق میں خطاً اجتہادی کا ہی قول کی کیا جاسکتا ہے۔ یا یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ کس کی رائے وزنی اور راجح ہے کس کی مرجوح اور غیر وزنی ہے، اس سے تجاوز کا کوئی جواز نہیں ہے۔

ابتدائے ولادت سے نبوت والے نظریہ کی حیثیت:

قابل غور امر یہ ہے کہ اگر اس عرصہ والی نبوت پر ایمان لانا اتنا لازم اور ضروری تھا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بخود اس کا دعویٰ کرنا لازم تھا۔ جیسے کہ چالیس سال بعد والی نبوت کا دعویٰ بھی فرمایا اور اس پر معجزات کے ذریعے دلائل بھی قائم فرمائے۔ لیکن ولادت پاک سے چالیس سال تک کے عرصہ والی نبوت کے متعلق کوئی دعویٰ نہ فرمایا اور نہ اس پر دلائل قائم فرمائے یہ تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سوال کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں اس امر کا انکشاف فرمادیا اگر وہ سوال نہ کرتے اور نہ ہی ان پر اس بارے میں سوال کرنا لازم اور ضروری تھا تو پھر ہمارے ایمان و اسلام میں کوئی نقص اور خلل لازم آتا؟

ناطقہ سر بگریباں ہے.....

جہاں قطعی نصوص سے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے بچپن سے نبی ہونے کا ثبوت مل سکتا ہے وہاں بھی مستقبل میں اس منصب کے عطا ہونے کے قائلین پر بوجہ مؤول ہونے کے ایسا کوئی فتویٰ صادر نہیں ہو سکتا ہے، تو اخبار آحاد سے ثابت ہونے والے ایک نظریہ میں اختلاف کرنے والوں اور تاویل کرنیوالوں پر ایسے فتوے لگانے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ اور بالخصوص ان پر جو عالم ارواح میں بھی بالفعل نبوت کے قائل ہوں اور صرف دونوں جہانوں کے احکانات میں تفرقہ کے قائل ہوں؟؟؟

”سیالوی صاحب“ کے کلام میں باہم تعارض کا تو ہم:

تنویر الابصار میں نبی اکرم ﷺ کی نبوت روحیہ کا تسلسل کے طور پر ثبوت و تحقق تسلیم کیا ہے۔ اور بعد میں چالیس سال بعد نبوت کا حصول تسلیم کیا ہے لہذا دونوں طرح کی عبارتوں میں تعارض آگیا۔

جواب، (۱):

سیالوی درویش اس روحانی نبوت کے منعدم یا مسلوب ہو جانے کا العیاذ باللہ قائل نہیں ہے فقط روح مجرد اور بدن سے روح کے تعلق اور اس میں حلول کی صورت میں ایک گونا گونا تفاوت کا قائل ہے۔ کیونکہ بدن کچھ نہ کچھ حجاب ضرور بن جاتا ہے۔ نیز عالم ارواح کی نبوت کو الگ اور عالم اجسام کی نبوت کو احکام و اعمال کے لحاظ سے مختلف مانتا ہے اور وہ بھی اکابر کی اتباع میں جو فریقین کے مسلم مقتداء ہیں اور ان کی تصریحات بندہ نے اپنی کتاب تحقیقات العلماء الاعلام میں درج کر دی ہیں، مطالعہ فرمائیں۔

(۲) نیز علامہ علی قاری علیہ الرحمہ کی عبارات میں تعارض دور کرنے کی صورت نظر آگئی تو سیالوی کی عبارت میں اس طرح کی توجیہ اور تاویل نہیں ہو سکتی تھی۔ العلووم تعدا یدیوما فیوما کیونکر نظر انداز ہو گیا؟ اور وقت کی تقدیم و تاخیر بھی ملحوظ نہ رہ سکی یہ امر منصف علماء کی شان سے بعید اور بہت بعید ہے۔

(۳) نیز بندہ نے تنویر الابصار کا حوالہ اس لیے دیا تھا کہ بندہ اس حدیث پاک کو اپنے ظاہری معنی و مفہوم پر محمول کرتے ہوئے ہزاروں سال کے لیے آنحضرت ﷺ کو عالم ارواح میں بالفعل نبی تسلیم کرتا ہے اس میں عالم عناصر کی حیثیت سے تعرض نہیں تھا۔ کیونکہ مد مقابل دیوبندی مولوی یوسف رحمانی سرے سے اس حدیث اور اس مضمون کی دیگر احادیث کا

منکر تھا اور ان کو اپنے عقل فاتر کی رو سے باطل سمجھتا تھا، کہ از روئے عقل محال ہے کہ بیٹا پہلے پیدا ہو جائے اور باپ بعد میں پیدا ہو، اس لیے وہاں پر صرف آپ کی عالم ارواح کی یہ خصوصیت ملحوظ خاطر رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نورانی اور روحانی لحاظ سے آدم علیہ السلام پر مقدم ہونا بھی اور ارواح انبیاء علیہ السلام کے لیے بالفعل نبی ہونا بھی مد نظر رہا۔ جبکہ عالم عناصر کے معاملے پر شاہ نصیر الدین صاحب کے ساتھ مباہلے پر تبصرہ کرنا پڑا۔

(۴) ظاہر ہے کہ ہزاروں سال کی پہلی عملی اور بالفعل روحانی نبوت اور چالیس سال بعد دائمی، ابدی اور لازوال نبوت عطا ہو جانے پر درمیانی چالیس سال کا عرصہ کیا حیثیت رکھتا تھا؟ تو اس کو القلیل کا المعدوم کے چیز و احاطہ میں رکھتے ہوئے تعرض کی ضرورت بھی نہیں، اور اسی باطنی اور روحانی استعداد و صلاحیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی اس عرصہ کی نبوت کو بالقوة سے تعبیر کر دیا گیا۔

اگر پہلی نبوت کو مسلوب اور معدوم مانا جاتا تب اس تو ہم کی کوئی گنجائش ہو سکتی تھی۔ واذلیس فلیس۔ فتدبر حق التدبر۔

تمتہ بحث

از صاحبزادہ علامہ غلام نصیر الدین سیالوی زید مجددہ
حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اقوال: رحمۃ اللہ علیہ
نوٹ:

ان تمام حوالہ جات میں ”بعثت“ سے مراد اعطائے نبوت ہے نہ اظہار نبوت، اسی کو
علمائے کرام کبھی ”بُعِثَ“ سے اور کبھی ”نَبِیُّ“ سے تعبیر فرماتے ہیں:
(۱) حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ ابن عساکر کے حوالے سے تحریر فرماتے
ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے
سے پہلے خواب دیکھا۔ (ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۲۴)

(۲) حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (مستدرک جلد ۳ ص ۳) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ
نے فرمایا کہ:

”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں تیرہ سال ٹھہرایا“

یہ تو بدیہی بات ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف میں ۵۳ سال جلوہ گر رہے پھر اس قول
کا یہی معنی لینا پڑے گا کہ نبوت کی حالت میں آپ مکہ میں تیرہ سال رہے۔ اس کا واضح مطلب
یہی بنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں نبوت حاصل ہوئی۔

(۳) امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس اثر کو صحیح قرار دیا ہے، اسی طرح کا قول حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہ سے مستدرک جلد دوم ص ۲۶۵ پر موجود ہے۔ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس

اثر کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) حضرت قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ ارشاد:

امام حاکم نے (مستدرک جلد دوم ص ۶۶۷) میں نقل فرمایا کہ انہوں نے ارشاد فرمایا

کہ:

”نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی“

(۵) حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں نقل فرمایا کہ حضرت سیدنا زید بن حارثہ ارشاد

فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کے بعد میں نے کبھی کسی بت کو ہاتھ نہیں لگایا حتیٰ کہ اللہ

تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا (خصائص کبریٰ جلد اول ص ۹۰)

اس اثر کو امام حاکم اور علامہ ذہبی نے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر کا ارشاد:

سیرت حلبیہ میں آپ کا ارشاد موجود ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت

چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی (سیرت حلبیہ جلد اول)

(۷) حضرت عبداللہ ابی الحسائم کا ارشاد:

حضرت کا ارشاد ابوداؤد شریف اور خصائص کبریٰ اور دیگر کتب حدیث کے اندر موجود

ہے انہوں نے فرمایا

”میں نے سرکار علیہ السلام سے آپ کو نبوت ملنے سے پہلے خرید و فروخت کا ایک

معاملہ کیا“

(۸) حضرت عائشہ صدیقہ کا ارشاد:

بخاری شریف اور مسلم شریف اور سیرت حلبیہ میں آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”نبی پاک ﷺ کی نبوت کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی“ دیگر بزرگان دین کے اقوال:

(۹) حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت اپنی کتاب کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: جب تک نبی پاک ﷺ پر وحی نہیں آئی تھی تو سب لوگ آپ کی تعریف کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے اپنی دوستی کی خلعت پہنائی اور آپ کو اپنی محبوبیت والے مقام پر فائز فرمایا تو سب لوگ آپ کے مخالف ہو گئے (کشف المحجوب ص: ۵۰)

تو نبی پاک ﷺ اگر وقت ولادت سے ہی نبی ہوں تو پھر حضرت داتا صاحب کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا۔

(۱۰) حضرت امام ابن ہمام کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب مسایرہ میں فرماتے ہیں کہ: نبی پاک ﷺ کے وہ خوارق جو نبوت سے پہلے صادر ہوئے ان کو ارہاص کہا جائے گا معجزہ نہیں کہا جائے گا مثلاً پتھروں کا سرکار ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام پیش کرنا“ (مسایرہ ص ۲۲۳ اسی طرح کی عبارت اس کی شرح مسامرہ میں بھی موجود ہے)

(۱۱) علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت اپنی کتاب مجمع البحار (جلد ۵ ص ۲۲۲) میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور اس وقت سرکارِ دو عالم ﷺ کی عمر پینتیس سال تھی اور

یہ نبوت سے پانچ سال پہلے کی بات ہے“

(۱۲) صاحب نورالابصار کا ارشاد:

حضرت نورالابصار کے صفحہ ۱۲ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”جب سرکار علیہ السلام کی عمر چالیس برس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے

سرفراز فرمایا“

(۱۳) حضرت شیخ اکبر ابن عربی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”نبی وہ ہوتا ہے جس پر فرشتہ وحی لے کر آئے اور وہ وحی احکام شرعیہ پر مشتمل ہو“

(فتوحات مکیہ جلد اول ص ۲۰۳)

(۱۴) امام شعرانی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب کشف الغمہ (جلد دوم ص ۲۲۵) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”جب سرکار علیہ السلام کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت

سے سرفراز فرمایا“

(۱۵) امام جلال الدین سیوطی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب خصائص کبریٰ (جلد اول ص ۹۳) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک ﷺ چالیس سال کی میں منصب نبوت پر فائز ہوئے اسی طرح کی عبارات

ص ۹۲ ص ۹۷ ص ۹۸ اور ص ۸۹ پر بھی موجود ہیں۔ نیز امام سیوطی اپنی کتاب اتقان (جلد اول ص

۲۵) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

”نبی پاک علیہ السلام چالیس سال کے بعد نبوت کے منصب سے سرفراز ہوئے“

(۱۶) علامہ خفاجی کا ارشاد:

حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”نبی کریم ﷺ کو نبوت چالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی“

(نسیم الریاض جلد دوم ص ۹۴)

اسی طرح کی عبارات نسیم الریاض جلد چہارم ص ۲۵ پر بھی موجود ہیں

(ملاحظہ ہو نسیم الریاض جلد چہارم ص ۲۵ تا ۲۸)

(۱۷) علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب مطالع المسرات (ص ۴۱۷) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”جبرائیل علیہ السلام سرکار ﷺ کے لیے وحی اور نبوت لے کر آئے“

اور اسی کتاب کے ص ۲۴۷ پر لکھتے ہیں کہ:

”بعثت سے پہلے جو خوارق ظاہر ہوئے وہ کرامات ہیں“

(۱۸، ۱۹) امام بوسیری اور ملا علی قاری علیہما الرحمہ کا ارشاد:

حضرت اپنے معروف عالم قصیدہ بردہ شریف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

سرکار علیہ السلام کو سچے خواب اس وقت شروع ہوئے جب نبوت کا زمانہ قریب آیا اس

کی شرح کرتے ہوئے علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”نبی پاک ﷺ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی اور آپ ﷺ کی نبوت

کا آغاز چالیس سال کے بعد ہوا“

(زبدہ شرح قصیدہ بردہ ص ۸۲ اور اسی طرح علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح میں تحریر فرمایا)

(۲۱، ۲۰) علامہ ابن عبدالبر اور علامہ تقی الدین مقریزی رحمہما اللہ کا ارشاد:

علامہ ابن عبدالبر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کے بعد نبی بنایا گیا اور جو اس بات کے قائل ہیں ان میں حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت قباث بن اشیم، حضرت محمد بن جبیر بن مطعم، حضرت سعید بن مسیب، حضرت طاووس رضی اللہ عنہم عطاء فرمائے ہیں“

(الاستیعاب جلد اول ص ۲۴ طبع بیروت)

مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”یہی قول اہل علم اور اہل سیر اور محدثین کے نزدیک صحیح ہے“ (یعنی تینتالیس سال والا

قول صحیح نہیں ہے)

اور علامہ تقی الدین مقریزی نے اسی سے ملتی جلتی بات اپنی کتاب امتاع الاسماء (جلد

اول ص ۲۰) پر تحریر فرمائی ہے۔

(۲۲) حضرت علامہ جامی رحمہ اللہ ارشاد:

مشہور صوفی اور نقشبندی بزرگ اپنی کتاب تعدد النصوص فی شرح الفصوص کے

(ص ۱۳۷) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”ہر نبی کو نبوت چالیس کے بعد ہی ملتی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے پنگھوڑے کے اندر

چالیس سال کے بعد ملنے والی نبوت کی خبر دی“

(کیا ہمارے مہربان امام بوصیری اور علامہ جامی رحمہم اللہ سے زیادہ عاشق ہیں یا ان

صحابہ کرام سے زیادہ سرکار علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں جنہوں نے چالیس کے بعد نبوت ملنے

کا قول کیا)

(۲۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب ازالة الخفاء (جلد اول ص ۶۷۲) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

”نبی پاک ﷺ کے ﷺ چالیس برس کے بعد نبوت عطا ہوئی اور اس کتاب کے (ص

۵۱) پر) تحریر فرماتے ہیں کہ جب جبرائیل امین علیہ السلام کسی نبی کے دل پر وحی لے کر اتریں تو اس

وقت کہا جاتا ہے کہ اللہ نے فلاں کو نبی بنا دیا اور اس کو تبلیغ احکام کا پابند کر دیا“

(۲۴) امام اہل سنت حضرت الشاہ امام احمد رضا بریلوی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب فتاویٰ رضویہ (جلد ۱۰ ص ۶۳۸) نیز (جلد ۴ ص ۶۵۸ طبع قدیم) پر

تحریر فرماتے ہیں کہ:

”سیدنا جبرائیل علیہ السلام ۲۷ رجب کو پیغمبری لے کر آئے“

(اور یہ متفقہ امر ہے کہ جبرائیل علیہ السلام چالیس کے بعد وحی لے کر حاضر ہوئے)

(۲۵) مفسر قرآن مفتی احمد یار خان نعیمی کا ارشاد:

حضرت تفسیر نعیمی (جلد سوم ص ۴۲۷) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”ہمارے رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا اسی وقت ہوئی جب سورہ علق کی پہلی آیت اقرء

باسم ربک نازل ہوئی“

(اب یہ واضح امر ہے اقرء باسم ربک چالیس سال کے بعد نازل ہوئی)

مواعظ نعیمیہ (ص ۷ اور ص ۹) پر یہی مضمون تحریر ہے۔

(۲۶) حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب فیوض الباری شرح صحیح بخاری (جلد اول ص ۷۹) پر ارشاد فرماتے

ہیں (پہلی وحی کی تشریح کرتے ہوئے):

”ابتدائی مرحلہ میں نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کے نبھانے کے متعلق حضور کو عارضی فکر ہو جانا قدرتی تھا اس وقت کے حالات کو ذہن میں لائیے کہ آپ کو نبی بنایا گیا آپ ﷺ تنہا ہیں“

حضرت کچھ آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں:

”نبی کو نبوت کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں فرائض نبوت کو نبھانے کا عارضی فکر ہو جانا شان نبوت کے خلاف نہیں ہے“

اور اسی کتاب کے (ص ۸۰) پر ارشاد فرماتے ہیں:

”اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کا نبوت کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں فرائض نبوت کی ادائیگی اور رسالت کی ذمہ داریوں کے متعلق عارضی طور پر ذرا دیر کے لیے باقتضاء بشریت خوف و اضطراب میں مبتلا ہو جانا منافی شان نبوت نہیں ہے“

اسی کتاب کے (ص ۴۳) پر ارشاد فرماتے ہیں:

”نبی ہونے کے لیے وحی ہونا ضروری ہے“

اور ص ۶۸ پر ارشاد فرماتے ہیں ”وحی نبوت کے مترادف ہے“

نوٹ (حضرت تو نبوت اور وحی کو مترادف قرار دے رہے ہیں یہ علیحدہ امر ہے کہ آجکل وحی کے ذریعے نبوت ماننا کفر کے مترادف ہے)

(۲۷) حضرت علامہ منظور احمد فیضی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب مقام رسول میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”نبی پاک ﷺ ولادت کے وقت سے لے کر نبوت ملنے تک اکابر عارفین کا ملین میں

(مقام رسول ص ۲۴۱)

سے تھے“

(۲۸) حضرت قبلہ غزالی زمان علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مقالات کاظمی جلد اول ص ۸۱ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:
 ”قریش آپ کو نبوت سے پہلے امین کے لقب سے یاد کرتے تھے“
 مزید اسی صفحہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”ورقہ بن نوفل نے کہا کہ اس امت میں ایک نبی ہونے والا ہے“
 مزید ارشاد فرماتے ہیں:

”جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کے ہوئے آپ کو خلوت محبوب ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز رہتے اور نبوت سے چھ ماہ قبل ہی سچے اور واضح خواب دیکھنے لگے تھے کہ ایک دن اچانک ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ دوشنبہ کے دن جبرائیل علیہ السلام سورہ علق کی شروع کی آیتیں آپ پر لائے اور آپ مشرف بہ نبوت ہو گئے“

یہی مضمون سیر اعلام النبلاء (جلد اول ص ۲۵) پر موجود ہے۔ سیرت ابن ہشام (ص ۱۵۲) الروض الانف (ص: ۱۵۲ جلد اول)، سیرت حلبی (جلد اول ص ۱۰۲)، سبل الہدی والارشاد (جلد دوم ص ۲۲۵) وغیرہ میں اسی مضمون کی عبارات موجود ہیں۔

(۲۹) حضرت شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت اپنی کتاب تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری (ص ۴۲) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:
 ”نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا میں جانا صرف قرب الہی کے لیے تھا نبوت حاصل کرنے کے لیے نہیں تھا کیوں کہ نبوت کسی نہیں ہے محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے“
 (یہی عبارت مدارج النبوت میں بھی موجود ہے)

(۳۰) علامہ نور بخش توکلی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب سیرت رسول عربی (ص ۴۹) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

”جب سرکار علیہ السلام کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر فائز فرما دیا جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ پر سورہ علق کی پہلی پانچ آیتیں لے کر نازل ہوئے“

(۳۱) حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا ارشاد:

حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ:

”اولیاء میں سے جس پر عنایت بے غایت ہوئی اور مقصود ہوا کہ ان سے دعوت خلق کا کام لیا جائے تو انہیں نبوت کے مقام پر فائز فرمایا اور یہ کام ان سے لیا اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ مقام ولایت کی انتہاء مقام نبوت کی ابتدا ہے“ (فوائد حضرت بندہ نواز ص ۱۰۳)

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

”پس کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ اول ولایت کے درجہ پر پوری طرح سرفراز نہ ہوا ہو پہلے ولایت ملی ہے اس کے بعد نبوت کی دولت نصیب میں آئی ہے“

(اسی طرح کا مضمون امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر جلد ۲۵ زیر آیت ما کنت تدوی ما الکتاب ولا الایمان تحریر فرمایا ہے)

(۳۲) امام احمد رضا بریلوی کا ایک اور ارشاد:

حضرت اپنی کتاب فتاویٰ رضویہ شریف (طبع کراچی جلد نہم ص ۷۵) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

”جب سرکار علیہ السلام پر وحی سے پہلے امر اور نہی ہی نہیں وارد ہوا تھا تو آپ ﷺ سے گناہ کس طرح ہو سکتا تھا اور گناہ مخالفت فرمان کا نام ہے جب فرمان نہ تھا تو پھر مخالفت کس طرح متصور ہو سکتی ہے“

نوٹ:

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سرکار علیہ السلام بچپن سے نبی ہوں لیکن آپ پر امر و نہی وارد نہ ہو حالانکہ شرح عقائد، شرح مواقف، نبراس، المعتقد المنتقد میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ احکام کی تبلیغ کے پابند ہوتے ہیں جب امر و نہی کا ورود ہی نہ ہو تو تبلیغ کے پابند کیسے ہونگے؟

نوٹ: اعلیٰ حضرت نے یہ عبارت شفا شریف اور نسیم الریاض شرح شفاء للقاری سے نقل کی ہے۔

(۳۳) علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت اپنی کتاب المعتقد المنتقد میں ارشاد فرماتے ہیں:

”فلاسفہ کا عقیدہ یہ ہے کہ کسی نبی کو جو نبوت ملتی ہے وہ آسمان سے جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے سے نہیں ملتی جبکہ اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ کسی نبی کو جو نبوت ملتی ہے وہ جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے سے ہی ملتی ہے“

(ص: ۱۰۳)

اسی کتاب کے (صفحہ ۱۰۵ پر) ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”شیخ عز الدین ابن سلام نے فرمایا کہ نبوت وحی کا نام ہے“

مزید اسی صفحہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”نبوت اللہ کی وحی کو سننے کا نام ہے فرشتہ کے واسطہ سے ہو یا بلا واسطہ“

اور ۱۲۴ صفحہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”ارباب بصائر نبی پاک علیہ السلام کی نبوت پر دو طریقوں سے استدلال کرتے ہیں

ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام کے وہ حالات جو نبوت سے پہلے تھے اور وہ صفات جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے پہلے عطا فرمائی جن کی وجہ سے کوئی دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر

طعن نہیں کر سکتا تھا“

اس عبارت میں قبل از نبوت کے الفاظ موجود ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اس کتاب کا حاشیہ بھی لکھا ہے لیکن آپ نے اس عبارت پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا بلکہ اس کی تائید فرمائی ہے اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ شرح عقائد کا حوالہ بھی دیا۔

نوٹ:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کتاب اثبات النبوة کے (صفحہ ۱۰) پر یہی عبارت شرح عقائد سے نقل فرمائی ہے اور اسی مضمون کی عبارات مسائرہ، مسامرہ، شرح عقائد جلالی اور شرح مقاصد وغیرہ میں موجود ہیں۔

(۳۴) حضرت صدر الشریعہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب بہار شریعت (جلد اول ص ۱۰) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”نبی ہونے کے لیے اس پر وحی ہونا ضروری ہے خواہ فرشتہ کی معرفت یا بلا واسطہ“

مزید فرماتے ہیں کہ:

”انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد معصوم ہوتے ہیں“

اور ص ۱۱ پر لکھتے ہیں کہ:

”نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو“

نوٹ:

مقام غوریہ ہے کہ ہمارے اکابر تو فرمائیں کہ نبوت کا ثبوت وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا لیکن ہمارے مہربان فرماتے ہیں کہ جو وحی سے پہلے نبوت نہ مانے وہ کافر ہے اور وحی سے پہلے نبوت نہ ماننے والا نبوت کا ہی منکر ہے اب حضرت صدر الشریعہ پر کیا فتویٰ لاگو ہوگا؟

(۳۵) علامہ نور محمد قادری کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب مواعظ رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”نبی پاک ﷺ چالیس سال کی عمر میں منصب نبوت پر فائز ہوئے اور آپ ﷺ کی نبوت کی عمر تیس ۲۳ سال ہے“

حضرت نے یہ عبارت جذب القلوب سے نقل فرمائی جو حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف ہے۔

(۳۶) حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان صاحب اور ارشاد:

حضرت اپنی مشکوٰۃ شریف کی شرح مرآة میں حضرت ابن عباس کے قول بعث رسول اللہ ﷺ لادبعین سنة کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”نبی پاک ﷺ چالیس کی عمر میں مبعوث ہوئے یعنی نبی بنے“

(مرآة جلد ہشتم ص ۹۱۔ اسی مضمون کی عبارات انہوں نے اپنی کتاب شان حبیب الرحمان ص ۹۱

ص ۹۲، ص ۲۲۰ پر تحریر فرمائی)

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات سرکارِ دو عالم ﷺ کے وقت ولادت سے ہی نبی ہونے پر مہر نبوت کو دلیل بناتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ جب سرکارِ علیہ السلام کی مہر نبوت وقت ولادت سے ہی موجود تھی تو سرکارِ علیہ السلام وقت ولادت سے ہی نبی ہیں اس کے بارے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ خصائص کبریٰ (جلد اول ص ۹۷ پر) امام سیوطی نے تحریر فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آئے تو اس وقت سرکارِ علیہ السلام کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہرِ مثبت کی مزید گزارش یہ ہے کہ ہم تقریباً دس صحابہ کرام کے اقوال پیش کر چکے ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ سرکارِ علیہ السلام کو نبوت چالیس برس کے بعد عطا ہوئی تو کیا ان کو مہر نبوت کا علم نہیں تھا نیز جن

حضرات نے مہر نبوت والی روایت کو نقل کیا ہے کہ سرکار علیہ السلام پر بوقت ولادت ہی مہر نبوت موجود تھی تو انہوں نے خود اس امر کی بار بار تصریح کی ہے کہ سرکار علیہ السلام کو نبوت چالیس سال کے بعد عطا ہوئی اور کتب سیران تصریحات سے بھری پڑی ہے، تو کیا ان ناقلین کو مہر نبوت والی روایت کا مطلب سمجھ نہ آیا، گزشتہ اوراق میں ہم ایسی عبارات پیش کر چکے ہیں جن میں مذکور ہے کہ سرکار علیہ السلام کو چالیس برس کے بعد نبوت ملنے پر اجماع ہے تو کیا پوری امت کے علماء اس دلیل سے بے خبر تھے اللہ رب العزت کو مہر نبوت کا علم ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کروایا ﴿فقد لبثت فيكم عمرا من قبله﴾ ﴿ما كنت ترجوا ان يلقى اليك الكتاب الا رحمة من ربك﴾ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فوالله ما هممت ولا عدت بعد هما لشي من ذلك حتى اكرمني الله

بنبوتہ

پس بخدا میں نے نہ ارادہ کیا اس کے بعد کسی ایسی چیز کی طرف (جو اہو و لہب کے قبیل سے ہو) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی نبوت کیساتھ اعزاز و اکرام بخشا

(خصائص کبریٰ ص ۸۹، شفاء شریف جلد اول ص ۸۰)

امام سیوطی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے امام حاکم نے مستدرک جلد ۲ کتاب التوبہ میں اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے علامہ ذہبی نے بھی امام حاکم کی موافقت کی۔ نیز امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں تصریح فرمائی ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام پر وقت ولادت سے ہی مہر نبوت موجود تھی لیکن ان انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی تو اگر فریق ثانی کی یہ دلیل صحیح ہے تو پھر سارے انبیاء علیہم السلام کو بچپن سے ہی ماننا پڑے گا حالانکہ پوری امت میں کوئی بھی

اس کا قائل نہیں ہے۔ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور
تکئی علیہ السلام بچپن سے نبی تھے لیکن صحیح اور مختار قول یہی ہے کہ ان کو بھی باقی انبیاء علیہم السلام کی
طرح چالیس برس کے بعد نبوت حاصل ہوئی۔
(زرقانی جلد اول ص ۲۲، ۲۳)

ایک اور استدلال کا جواب:

بعض حضرات آیت کریمہ **آتیناہ الحکم صبیا** پیش کر کے فرماتے ہیں جب سیدنا
تکئی علیہ السلام کو بچپن سے نبوت مل گئی تو سرکار علیہ السلام کو بطریق اولیٰ بچپن میں نبی ہونا چاہیے،
اس کے بارے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ امام سیوطی نے درمنثور میں اور امام ابن ابی حاتم نے
اپنی تفسیر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور حضرت ابن عباس کا ارشاد نقل فرمایا کہ یہاں حکم سے مراد
اعلیٰ درجہ کی فہم و فراست ہے کیونکہ جب بچوں نے انہیں کہا **آؤ مل کر کھیلیں** تو انہوں نے کہا کہ ہم کھیلنے
کے لیے پیدا نہیں کیے گئے اگر مان بھی لیا جائے کہ حکم سے مراد نبوت ہے تو سیدنا موسیٰ اور سیدنا
ابراہیم علیہم السلام کو بھی بچپن سے ہی نبی ماننا پڑے گا کیوں کہ وہ دونوں حضرات تکئی علیہ
السلام سے بالاتفاق افضل ہیں نیز حضرت تکئی علیہ السلام کو بچپن سے نبوت ملنے کی وجہ یہ ہے کہ
ان کی پیدائش بطور خرق عادت ہوئی نبوت بھی ان کو بطور خرق عادت جلدی مل گئی نیز یہ جزوی
فضیلت ہے۔

لہذا اگر تکئی علیہ السلام بچپن سے ہی نبی ہوں تو ان کا سرکار علیہ السلام سے افضل ہونا
ثابت نہیں ہوتا جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونا ثابت
نہیں ہوتا نیز ان حضرات کی دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں ہی نبوت عطا کی
جائے کیوں کہ آپ تکئی علیہ السلام سے افضل ہیں لیکن ہمارے معترضین عالم ارواح میں ملنے والی
نبوت کا دوام تسلیم کرتے ہیں اور انقطاع ماننے کو کفر تسلیم کرتے ہیں اور یہاں پر خود اس نبوت کا
انقطاع اور نبی نبوت کا حصول ثابت کرنے کے درپے ہیں اور آپ اپنے فتوے کی زد میں ہیں نیز

اگر تکلی علیہ السلام کو بچپن میں نبوت ملی ہے تو سرکار علیہ السلام کو سب سے پہلے عالم ارواح میں نبوت ملی ہے جیسے کہ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حدیث پاک ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے نبوت کا آغاز بھی مجھ سے کیا اور نبوت کا اختتام بھی میرے اوپر کیا تو کیا ان کے نزدیک اس روحانی نبوت سے آپ کو انبیاء علیہم السلام پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہوئی۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے سرکار علیہ السلام کے بچپن سے نبی ہونے پر یہ دلیل دی ہے کہ نبی پاک ﷺ کی نبوت کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا حالانکہ اس امر پر تمام محدثین اور سیرت نگار شارحین حدیث اور مفسرین کرام متفق ہیں کہ سرکار علیہ السلام کو سچے خواب چالیس سال کے بعد دکھائی دینے شروع ہوئے تو یہ تو ہماری دلیل ہے کہ سرکار علیہ السلام چالیس برس کے بعد نبی بنے نیز اگر مان بھی لیا جائے کہ ساڑھے انتالیس کے بعد سچے خواب شروع ہوئے تو اگر ساڑھے انتالیس سال کے بعد نبوت تسلیم کرنا گستاخی نہیں ہے تو اگر مزید چھ مہینے کا وقفہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ گستاخی کیسے ہو جائے گی۔

امام نووی نے شرح مسلم (جلد اول ص ۸۸ پر) اعلیٰ حضرت کے والد گرامی مولانا نقی علی خان نے اپنی کتاب انوار جمال مصطفیٰ (ص ۱۱۲) پر تحریر فرمایا ہے کہ اگر سرکار علیہ السلام کو پہلے سچے خواب نہ دکھائے جاتے اور اچانک صریح نبوت آجاتی تو آپ ﷺ ہر داشت نہ کر سکتے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ملا علی قاری کی ایک عبارت شرح فقہ اکبر سے نقل کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی ولادت سے ہی نبی تھے نہ کہ چالیس کے بعد نبوت ملی جیسے کہ ایک جماعت کا خیال ہے تو اس بارے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اسی کتاب میں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ نبی پاک

صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی کفر و شرک اور دیگر کبار اور صغائر سے معصوم تھے اور ملا علی قاری اپنی آخری کتاب شرح شفاء میں فرمایا کہ سرکار علیہ السلام کو نبوت جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے کے بعد حاصل ہوئی اور اس سے پہلے چھ مہینے سچے خواب دکھائے گئے (ملاحظہ ہو شرح شفاء للقاری جلد ۲ ص ۲۵ تا ۲۸) اس طرح علامہ علی قاری نے شرح شفاء جلد اول پر بھی تحریر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوتے ہیں (ص ۲۸۶)

نوٹ:

حضرت کی عبارت مطلق ہے تمام انبیاء علیہم السلام کو شامل ہے نیز حضرت نے اپنی کتاب جمع الوسائل میں تحریر فرمایا کہ چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی۔ حضرت نے یہ بات حضرت انس کی اس بات کی تشریح کرتے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس کی عمر میں مبعوث فرمایا نیز مرقاۃ اور زبدہ کی عبارات پہلے پیش ہو چکی ہیں۔ کہ آپ کو نبوت چالیس سال کے بعد عطا ہوئی نیز اسی شرح فقہ اکبر کے اندر حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یزید چھٹا خلیفہ تھا اور ان خلفاء میں سے تھا جن کے دور میں دین نے ترقی کی ہمارے ناقدین ملا علی قاری کی اس عبارت کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ مرقاۃ کی طرف رجوع کرتے ہیں نیز ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین معاذ اللہ مسلمان نہیں تھے ہمارے ناقدین اس عبارت کے جواب میں ملا علی قاری صاحب کی آخری کتاب شرح شفاء کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ان کی آخری کتاب ہے لہذا اسی کا اعتبار ہوگا تو کیا ہم ان سے اس مقام پر اس انصاف کی توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ میں بھی انکی آخری کتاب کے حوالے کو ہی معتبر اور مستند سمجھیں۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات علامہ آلوسی کے ایک عبارت پیش کرتے ہیں جو انہوں نے آیت کریمہ

ما کنت تدري مالک کتاب ولا الایمان کی تفسیر کرتے ہوئے لکھی ہے کہ سرکار علیہ السلام پر ہر آن میں ایک طرح کی وحی ہوتی تھی اس کے جواب میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ بخاری شریف میں باب بدء الوحی موجود ہے جب صحیح بخاری شریف کے اندر وحی کا آغاز چالیس سال کے بعد تسلیم کیا گیا تو پھر بخاری شریف کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

مزید گزارش یہ ہے کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت ما کنت تدري مالک کتاب ولا الایمان کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے پہلے نبی نہ تھے۔

اسی طرح کی عبارت تفسیر جمل کے اندر موجود ہے مزید علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گمراہ نہیں ہوئے اور نبوت سے قبل بھی سرکار علیہ السلام گمراہی سے معصوم تھے تو نبوت کی گھٹی ملنے کے بعد اور نبی بنائے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم گمراہ کس طرح ہو سکتے ہیں (زیر آیت ما یناطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی)

اور آپ کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام کی نبوت کا آغاز غار حرا میں ہوا نیز آیت کریمہ الم نشرح لک صدرک کی تشریح کرتے ہوئے علامہ آلوسی نے فرمایا کہ سرکار علیہ السلام کا شق صدر پایا جانا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارہا ص ہے ارہا ص نبوت سے پہلے ہو سکتا ہے۔

(روح المعانی پارہ نمبر ۳۰)

نیز علامہ آلوسی نے آیت کریمہ حتی اذا بلغ اشده و بلغ اربعین سنہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس برس کے بعد نبوت حاصل ہوئی۔ نیز علامہ آلوسی کی جو عبارت ہمارے مخالفین پیش کرتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام پر ہر وقت وحی آتی تھی تو اس وحی سے مراد وحی الہام ہے۔ کیونکہ المعتقد المنتقد میں تصریح ہے کہ وحی دو قسم کی ہے وحی نبوت اور وحی الہام۔ تو روح المعانی کی عبارت میں وحی سے مراد وحی الہام ہے اور الہام

اولیاء کرام کی طرف ہوتا ہے تو روح المعانی کی عبارت ہماری دلیل تھی نہ کہ ہمارے مخالفین کی۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبوت کی تقسیم کرنا بالقوہ اور بالفعل کی طرف یہ بہت بڑی جسارت ہے۔

اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ختم نبوت میں تحریر فرمایا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں پہلے نبوت کی صلاحیتیں رکھی جاتیں ہیں اور ان کے اندر نبوت کی استعداد کامل طور پر موجود ہوتی ہے اس کے بعد ان کو نبوت عطا کی جاتی ہے تو اگر یہ تقسیم کرنا جسارت ہے تو یہ جسارت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ سچے عشق رسول کا تقاضا یہ ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ لگایا جائے جو دیگر مخالفین پر لگایا جاتا ہے۔

نبوۃ بالقوۃ اور نبوۃ بالفعل کے بارے میں امام بیضاوی کا نقطہ نظر:

بالقوۃ اور بالفعل کی تقسیم کے بارے میں جلیل القدر مفسر، امام بیضاوی علیہ الرحمہ کا نقطہ

نظر بھی ملاحظہ ہو:

انی جاعل فی الارض بملیغہ کے تحت فرماتے ہیں:

الاتری ان الانبیاء لما فاقت قوتهم واشتعلت قریحتهم بحیث یکاد زیتها

یضیی ولولم تمسسه نار ارسل الیہم الملائکة ومن کان منہم اعلیٰ رتبه کلمہ بلا

واسطۃ کما کلم موسیٰ علیہ السلام فی المیقات ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج

”کیا دیکھتے نہیں ہو کہ جب انبیائے کرام علیہم السلام کی قوت فائق ہو جائے اور ان کی

طبیعت مشعل نور بن جائے اس حد تک کہ اس میں جلنے والا زیتون خود بخود روشن ہو جائے اگرچہ

اس کو آگ نہ چھوئے تب اللہ تعالیٰ ان کی طرف ملائکہ کو بھیجتا ہے اور جو ان میں اعلیٰ رتبے والے

ہوں تو ان سے بلا واسطہ کلام فرماتا ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ میقات میں اور محمد کریم علیہما

السلام کے ساتھ شب معراج میں براہ راست کلام فرمایا“

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہماری وہابیوں کے ساتھ موافقت ہو جائے گی۔ تو اس بارے میں گزارش یہ ہے علامہ پرہاروی نے نیر اس کے اندر انبیاء علیہم السلام کی عصمت کی بحث کرتے ہوئے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ انبیاء کو معصوم سمجھنا تو شیعہ کا عقیدہ ہے ارشاد فرمایا اہل سنت کا مقصد دلائل کی اتباع ہے نہ کہ شیعہ کی موافقت اور اتفاتی موافقت میں کچھ حرج نہیں۔ یہی گزارش ہم بھی کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھی دلائل کی اتباع ہے نہ کہ وہابیہ دیوبندیہ کی موافقت۔ نیز جن حضرات کے ہم نے حوالہ جات بیان کیے ہیں وہ مدرسہ دیوبند کے وجود میں آنے سے پہلے کے ہیں بعض حضرات یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تو مودودی کا عقیدہ تھا تو اس کے بارے میں گزارش یہ ہے جن حضرات کے اقوال ہم نے پیش کیے ہیں ان میں سے کوئی بھی جماعت اسلامی کا رکن نہیں ہے۔ مزید گزارش یہ ہے عقائد کا دار و مدار دلائل شرعیہ پر ہوتا ہے نہ کہ کسی باطل فرقہ کی ضد پر۔ نیز اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب استمداد (ص ۱۵۰) پر وہابیہ کا عقیدہ یہ بیان کیا ہے کہ وہ وحی سے پہلے معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد سرکار علیہ السلام کو مومن بھی تسلیم نہیں کرتے جب کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام وحی سے قبل ولایت کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز تھے تو وہابیہ کے عقیدہ اور ہمارے عقیدہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

امام رازی علیہ الرحمہ کا موقف:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام رازی نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن سے نبی تھے مگر

رسالت بعد میں ملی۔

ہمیں امام رازی کا یہ قول ان کی کسی کتاب میں نہیں ملا۔ جو کچھ ہمیں ان کی کتب میں ملا

ہے وہ ہم ہدیہ قارئین کرتے ہیں:

ماضی صاحبکم کی تفسیر میں امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

ای ماضل حین اعتزلکم وما تعبدون فی صغره۔ وما غوی حین اختلی
بنفسه وراى منامه ما رأى وما ينطق عن الهوى الآن حیث ارسل الیکم وجعل
رسولا شاهدا علیکم۔

”یعنی نہ گم راہ ہوئے جب کہ اپنی نوعمری میں تم سے اور تمہارے معبودوں سے الگ
تھلگ رہے، اور نہ بھٹکے جب خلوت گزریں ہوئے اور خواب میں دیکھا جو دیکھا، اور خواہش نفس
سے کلام نہیں فرماتے اب جب کہ تمہاری طرف مبعوث ہوئے اور تم پر گواہ اور حاضر و ناظر رسول
بنائے گئے“

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

فانقلبنا انتھی وبلغ الغایة و صار نبیا کما صار بعض الانبیاء نبیا یاتیه

الوحی فی نومه وعلی ہیئته (ص: 238)

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم منجہ کمال کو پہنچے اور منصب نبوت پر فائز ہوئے جیسا کہ دوسرے
حضرات اس منصب پر فائز ہوئے، ان پر حالت نیند میں اور دیگر احوال میں وحی نازل ہوتی رہتی
ہے“

آیہ مبارکہ حتی اذا بلغ اشده کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

والنبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث عند الاربعین (جلد 10 ص: 19)

”آپ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے“

آیہ مبارکہ و آتیناہ الحکم صبیبا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بچپن میں مبعوث ہوئے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور

حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے بعد مبعوث ہوئے۔

آیہ مبارکہ الذی انتقض ظہوک کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ان المراد من الوزر والثقل الحيرة التي كانت له قبل البعثة وذلك انه بكمال عقله لما نظر الى عظيم نعم الله تعالى حيث اخرجته من العدم الى الوجود واعطاه الحياة والعقل وانواع النعم ثقل عليه نعم الله وكاد ان ينتقض ظهره من الحياء لانه ^{صلوات الله} كان يرى ان نعم الله لا تنتقطع وما كان يعرف انه كيف كان يطيع ربه فلما جاءته النبوة والتكليف عرف انه كيف ينبغي له ان يطيع ربه (ج 11 ص: 208)

”وزر اور ثقل سے مراد وہ حیرت تھی جو بعثت سے قبل آپ کو دامن گیر ہوئی کیوں کہ آپ نے کمال عقل سے جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ملاحظہ فرمایا کہ اس نے (مجھے) عدم سے وجود کی طرف منتقل کیا، زندگانی اور عقل و فہم کی دولت سے نوازا اور طرح طرح کی نعمتیں آپ نے ملاحظہ فرمائیں تو یہ نعمتیں (ادائے شکر کے اعتبار سے) بڑی عظیم اور گراں بار محسوس ہوئیں اور قریب تھا کہ کما حقہ شکر ادا نہ کر سکنے کے شرم و حیا سے آپ کی کمر دو لخت ہو جائے، کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ یہ نعمتیں دائم اور باقی ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تفصیلات سے آپ آگاہ نہیں تھے، جب آپ کو نبوت ملی اور احکام تکلیفیہ نازل ہوئے تو آپ نے معلوم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیسے کرنی ہے“

اگر امام رازی کے تمام اقوال کا استیعاب کیا جائے تو ایک پورا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔

شفا شریف کی عبارات:

شفا شریف کا موضوع ہی فضائل محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بیان ہے، آئیے اس

کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) وقد كانوا يسمونه قبل النبوة الامين (ج 1 ص: 18)

(۲) وقصد لما قصد انما كان قبل لقاء جبريل عليهم السلام وقبل

اعلام الله تعالى له بالنبوة واظهاره واصطفائه له بالرسالة (ج 2 ص: 86)

(۳) وتترادف نفحات الله عليهم وتشرق انوار المعارف في قلوبهم حتى

يصلوا الى الغاية ويبلغوا باصطفاء الله تعالى لهم بالنبوة (ج 1 ص: 58)

مزید ملاحظہ ہو:

شفاء جلد اول ص: 11, 78, 155

جلد دوم ص: 96, 97, 152, 85, 78, 95, 242

تفسیر اعراب القرآن میں زیر آیہ حتی اذا بلغ اشده تصریح فرمائی کہ نبی کریم کو

چالیس سال کے بعد نبوت عطا ہوئی۔ (ج 13 ص: 184)

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال سے پہلے نبی تو تھے مگر تبلیغ

اس لیے نہیں فرمائی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں تھا۔

شرح عقائد اور المعتقد المعتقد کی قابل فکر تصریح:

ان حضرات کی خدمت میں شرح عقائد اور المعتقد المعتقد کی یہ عبارت پیش کی جاتی ہے:

الانبياء معصومون مأمونون من خوف الخاتمة مكرمون بالوحي ومشاهدة

الملك مأمورون بتبليغ الاحكام وارشاد الانام

”انبیائے کرام (گناہوں سے) معصوم ہوتے ہیں، خاتمہ کا انہیں کوئی خوف نہیں ہوتا

، وحی کے نزول اور فرشتے کو دیکھنے سے مشرف ہوتے ہیں، اور احکام کی تبلیغ اور لوگوں کی رہنمائی پر

مأمور ہوتے ہیں“

علمائے کلام تو فرماتے ہیں کہ انبیاء تبلیغ پر مأمور ہوتے ہیں مگر ہمارے مہربان کچھ اور ہی

فرما رہے ہیں۔ اور ہم تو بہر حال اپنے اسلاف کے تابع ہیں۔

ایک اہم شبہ کا ازالہ..... بَعَث اور نَبِي کا معنی کیا ہے؟

ہمارے بہت سے مہربان یہ فرماتے ہیں کہ جن عبارات میں بَعَث کا ذکر ہے اس سے

مراد اعلان نبوت ہے نہ کہ اعطائے نبوت۔

ان لوگوں کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی یہ عبارات پیش خدمت ہیں:

فتاویٰ رضویہ طبع جدید ج 10 ص: 648 پر اعلیٰ حضرت نے ”بَعَث“ کا ترجمہ

”اعطائے نبوت“ کیا ہے۔

الامن والعلیٰ میں حدیث مبارکہ ”لَوْلَمَا بَعَثَ فَيَكْمُ لِبَعَثِ عَمْرٍ“ کا ترجمہ اس

طرح فرمایا:

”اگر میں نبی نہ بنایا جاتا تو عمر نبی بنا دیے جاتے“

نیز فتاویٰ رضویہ میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ کیا اس کا

مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے بعد کوئی نبی اعلان نبوت نہیں کرے گا یا یہ معنی لیا جائے کہ کوئی نبی نہیں

آئے گا اور نہیں بنایا جائے گا۔

اسی لفظ ”نَبِي“ کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے کتاب ختم نبوت میں یہ فرمایا ہے کہ

آپ کو نبوت عطا کی گئی ہمارے خیال میں اعلیٰ حضرت کو ان معترضین کی بہ نسبت عربی لغت اور

ترجمہ کا زیادہ علم تھا۔

تکملة ثانیہ

از عمدة العلماء حضرت علامہ صاحبزادہ غلام نصیر الدین سیالوی

(۱) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب عوارف المعارف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک ﷺ کا شق صدر اس لیے کیا گیا تا کہ دل اقدس کا وہ حصہ جس میں شیطان کے دوسے کو قبول کرنے کی صلاحیت تھی اور دل میں حسد، بغض اور کینہ وغیرہ پیدا ہو سکتا تھا۔ اس کو نکال دیا جائے۔ اگر وہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آغاز ولادت سے ہی نبی تسلیم کرتے تو شق صدر کی یہ وجہ کیوں بیان کرتے۔ (عوارف المعارف مترجم، ص 222) کذافی نسیم الریاض

جلد دوم، ص 244 و ص 281، (و کذا فی شرح الشفا للقاری جلد دوم، ص 281)

اس کے بعد انہوں نے پہلی وحی والی حدیث کے ماتحت بھی لکھا ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت اسی وقت عطا ہوئی جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

(۲) علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ:

بعثت سے پہلے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو خوارق صادر ہوئے۔ وہ کرامات ہیں۔ یا ان کو ارباب صابری بھی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وہ اظہار نبوت کے لئے بنیاد ہیں۔

(نسیم الریاض جلد اول، ص 55)

(۳) امام ابو بکر حصّاص کا ارشاد:

حضرت اپنی مشہور عالم کتاب ”احکام القرآن“ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بادلوں کا سایہ کرنا یا باقی خوارق کا صادر ہونا یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارباب صابری ہیں۔ کیونکہ یہ بعثت سے پہلے واقع ہوئے۔

(احکام القرآن جلد دوم، ص 12)

حضرت اپنی اسی تصنیف میں آیت کریمہ والرجز فاجبر (:) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی دونوں حالتوں

میں بتوں کی پوجا سے محفوظ اور معصوم تھے۔ (تفسیر احکام القرآن جلد

ثالث)

(۴) قاضی ابو بکر مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب تفسیر احکام القرآن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت چالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی۔ (حوالہ؟)

(۵) علامہ خطیب شربینی کا ارشاد:

حضرت اپنی تفسیر سراج منیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک علیہ السلام کو چالیس برس کی عمر میں نبی بنایا گیا۔

(زیر آیت ”حتی بلغ اشده وبلغ اربعین سنة“)

(۶) علامہ قرطبی کا ارشاد:

حضرت اپنی مسلم شریف کی شرح المفہم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ابوطالب نبی پاک علیہ السلام سے ہمیشہ محبت کرتے رہے اور حفاظت کرتے رہے حتیٰ

کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

(المفہم شرح مسلم، ص 192)

اور اسی کتاب کے صفحہ 374 پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اللہ رب العزت نے پہلے آپ علیہ السلام کو آوازیں سنوائیں اور پتھروں سے اور

درختوں سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کہلوا یا۔ اللہ رب العزت نے آپ کو نبوت کے

ذریعے عزت دینے کا ارادہ فرمایا تھا تا کہ یہ چیزیں اُس کی تمہید بن جائیں اور آپ کو عالم ملکوت

سے اُنس حاصل ہو جائے

اسی کتاب کے ص 318 پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد فرمانا خشیت علی نفسی یہ نبوت کی ذمہ داریوں کی

وجہ سے تھا کہ میں نبوت کے فرائض کس طرح سرانجام دوں گا اور بار نبوت کو کس طرح اٹھاؤں

گا۔

نوٹ: یہ امام قرطبی صاحب تفسیر امام قرطبی کے اُستاد ہیں، رحمہما اللہ۔

(۷) امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب معرفة علوم الحدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اس امر پر پوری امت کے علماء متفق ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں

مبعوث ہوئے۔ (معرفة علوم الحدیث، ص 202)

(۸) علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب نسیم الریاض (جلد دوم ص 14) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

بعثت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نبی اور رسول بنا دے۔ اُن کے اصل الفاظ

اس ظرخ ہیں۔ حتی من اللہ علی بالبعثة و جعلنی نبیا رسولا۔

(کذافی شرح الشفاللقاری ص 114)

(۹) حافظ ابن کثیر کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب البدایہ والنہایہ (جلد دوم ص 164) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں مبعوث

ہوئے۔

(۱۰) علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب سیرت حلبی میں ارشاد فرماتے ہیں البعثة عبارة عن النبوة

نیز صحیح مسلم شریف میں بعثت کے الفاظ تھے، علامہ حلبی نے بعثت کا ترجمہ نبوت کے

ساتھ کیا یعنی مجھے نبی بنایا گیا۔

(۱۱) علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت نے اپنی کتاب لطائف المعارف میں حدیث پاک اس طرح نقل کی ہے کہ
نبی پاک علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ سوموار کو روزہ کیوں رکھتے ہیں تو سرکار علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے ارشاد فرمایا کہ:

فیه ولدت وفیہ انزل علیّ النبوة

اب ظاہر امر ہے کہ پہلی وحی تو چالیس برس کے بعد نازل ہوئی ہے اسی سوموار کو تو وحی
نازل نہیں ہوئی جس سوموار کو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے۔ (جبکہ آپ کی روح اقدس کو تو
ہزار ہا سال پہلے نبوت حاصل ہو چکی تھی تو اس کو ولادت پر متفرع کیسے کیا جاسکتا تھا لہذا ثابت ہوا
کہ یہ علیحدہ نبوت ہے۔)

(۱۲) علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت آیتہ کریمہ حم والکتاب المبین انا انزلنہ فی لیلة مبارکنا: کی تفسیر میں
لکھتے ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام پر وحی چالیس سال کی عمر میں نازل ہوئی۔ اور ظاہر امر ہے کہ
نبوت کا ثبوت وحی کے ذریعے ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری جلد ہفتم)

(۱۳) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنے مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:
تبلیغ دین ہر نبی پر فرض ہے۔ تقیہ کو انبیاء پر جائز رکھنا زندگی کی طرف لے جاتا ہے۔

(مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر 80)

(۱۴) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی مشہور کتاب ”تحفہ اثنا عشرہ“ میں ارشاد فرماتے ہیں

اگر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو نبوت عطا کرے اور تبلیغ کرنے سے منع کر دے تو یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کسی کو قاضی بنایا جائے اور فیصلہ کرنے سے روک دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ جب لوگ تمہارے سامنے جھگڑالے کر آئیں تو آپ نے فیصلہ نہیں کرنا، ظاہر امر ہے کہ امر اس کے ساتھ مذاق کرنے کے مترادف ہے اور اگر خود بخود انبیاء تبلیغ نہ کریں تو اللہ کے امر کی خلاف ورزی لازم آئے گی اور یہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے منافی ہے۔

(تحفہ اثنا عشرہ باب التقیہ، ص 10)

(۱۵) علامہ اُبی مالکی کا ارشاد:

حضرت اپنی شرح مسلم اکمال اکمال المعلم بفوائد المسلم میں ارشاد فرماتے

ہیں کہ:

نبی پاک علیہ السلام کا پہلی وحی کے بعد ارشاد فرمانا خشیت علی نفسی یہ نبوت کی ذمہ داری کی وجہ سے تھا۔ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام کو سچے خوابوں کا دکھایا جانا، پتھروں اور درختوں کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام پیش کرنا یہ سب نبوت کی تمہید تھی۔ کیونکہ اچانک اگر صریح نبوت وارد ہو جاتی تو نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قوائے بشریہ متحمل نہ ہو سکتے۔

(جلد اول، ص 10 کذافی شرح السوسی علی ہاشم اکمال)

(۱۶) امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب ختم نبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”جب سے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت ملی کسی کو نہیں ملی“

(ختم نبوت، ص 56)

تنبیہ ضروری اور قابل غور امر:

جو لوگ نبی کریم کو پیدائشی طور پر بالفعل نبی تسلیم کرتے ہیں ان کے لیے دعوتِ فکر ہے

کہ وہ اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور سوچیں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کس نبوت کی بات کر رہے ہیں؟ کیا یہ عالم ارواح والی نبوت کی بات ہو رہی ہے یا عالم اجسام والی نبوت کی؟ اگر اس سے مراد عالم ارواح والی نبوت ہے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ جب سے سرکار کی روح اقدس کو عالم ارواح میں نبوت سے ممتاز کیا گیا اس کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملی حالاں کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو اس کے بعد ہی نبوت ملی ہے، تو ماننا پڑے گا کہ لامحالہ یہ کسی اور نبوت کی بات ہو رہی ہے اور وہ یہی عالم اجسام والی نبوت ہے جو حکمت الہیہ کے تحت چالیس سال کے بعد عطا کی گئی۔

نیز ہمارے مخالفین خود غور فرمائیں اگر سرکار علیہ السلام نے اسی نبوت کا اظہار فرمایا ہے جو سب سے پہلے ملی تھی۔ تو پھر آپ آخری نبی کیسے ہو گئے؟۔ ایک آدمی کسی سے سب سے پہلے تعلیم حاصل کرے اور اعلان آخر میں کرے اور ایک آدمی کسی سے سب سے آخر میں تعلیم حاصل کرے تو بدیہی بات ہے کہ آخری متعلم اُس کو کہا جائے گا جس نے سب سے آخری میں تعلیم حاصل کی۔ ہمارے مخالفین جو عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام کو نبوت سب سے پہلے ملی اور اسی نبوت کا آپ نے چالیس سال کے بعد اظہار فرمایا تو ایسی صورت میں ختم نبوت کا کیا مطلب ہوگا؟

حالاں کہ آیہ کریمہ ”ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین“ کی تفسیر میں ہر مفسر نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ نبی پاک علیہ السلام سب سے آخر میں اس نشاۃ عنصری میں وصف نبوت سے متصف ہوئے۔ اور مفسرین نے اس اشکال کا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کیوں کر ہوگا جبکہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی ہیں، جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آخری نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی کو وصف نبوت نہیں عطا ہو سکتا اور عیسیٰ علیہ السلام کو سرکار علیہ السلام سے پہلے نبی بنایا گیا۔ لہذا اُن کا نازل ہونا ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔

معلوم یوں ہوتا ہے کہ ان بزرگم خورش محققین نے مطالعہ اور کتب بینی کو ترک فرمایا ہی ہے، عقل و خرد کو بھی چھٹی دے رکھی ہے، اللہم انا نعوذ بك من الجهل والعناد وسوء الفهم۔
علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی معروف عالم شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

فتمم اللہ علیہ النبوة بان ارسل الیہ الملك فی القیظۃ وصحة ما یوحی الیہ
فیہ تو شبا للنبوة وابتدائها حتی اکملیا اللہ لہ فی القیظۃ تفضلا من اللہ تعالیٰ۔
(شرح صحیح البخاری، جلد 1، ص 37)

ترجمہ: پہلے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھائے گئے پھر فرشتہ کو بیداری میں نازل فرما کر آپ کی نبوت کی تکمیل فرمادی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی فضل و کرم کا مظاہرہ فرمایا۔
(کذا فی الطیبی علی مشکوٰۃ، جلد 11، ص 46)

نوٹ: علامہ طیبی علیہ الرحمہ بلند پایہ محدث اور صاحب مشکوٰۃ المصابیح کے استاذ ہیں۔
علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بخاری کی شرح میں یہی عبارت تحریر فرمائی ہے۔
(کرمانی علی البخاری، جلد 1، ص 31، طبع بیروت)

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

لما دنا مبعث رسول اللہ بالنبوة رسولا والی الخلق بشیرا و نذیرا انتشر فی
الامر ان اللہ تعالیٰ سیبعث نبیا فی هذا الزمان۔
ترجمہ: جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی بنائے جانے کا زمانہ مبارک قریب آیا اور مخلوق کی طرف
بشیر و نذیر بن جانے کا زمانہ قریب ہوا تو تمام امتوں میں اس بات کی تشہیر ہو گئی کہ اللہ رب العزت

اس وقت میں ایک نبی مبعوث فرمانے والا ہے۔

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نبوت قریب آیا تو اللہ جل وعلی نے آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت ڈال دی۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

ولما جد الامر بالنبوة ودنا وقتها حبب الله تعالى الى رسوله الخلاء بعد اربعين سنة من عمره حين تكامل نهاه واشتد قواه۔

(جواهر البحار، جلد 1، ص 103، 104)

نوٹ: علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ الامام الكبير احد اعيان العلماء النحارير وائمتهم المشاهير اقضى القضاة ابو الحسن الماوردي رضی اللہ عنہ 450 علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد: حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

انه عليه السلام تحمل التشديدات والمجاهدات قبل النبوة وبعدها۔

(الحديقة النديه، جلد 1، ص 236)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے اور بعد مجاہدے اور ریاضتیں اختیار فرمائیں۔

اسی کتاب کے ص: 289 پر ارشاد فرماتے ہیں:

الانبياء عليه السلام معصومون عن الكفر قبل النبوة وبعدها

اسی کتاب کے ص: 167 پر ارشاد فرماتے ہیں:

اقام النبي عليه السلام يوحى اليه ثلاثا وعشرين سنة۔

اسی کتاب کے ص: 30 پر ارشاد فرماتے ہیں:

انما يفترق الحال قبل بلوغه الاربعين

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب مطلع القمیرین کے ص: 146 پر ارشاد فرماتے ہیں:

”جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا شریف میں آیۃ اقرء شریف نازل ہوئی اور حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت رسالت حاصل ہوئی صدمہ فشار جبریل اور ہیبت مکرم جلیل سے دل نازک ہلتا تھا

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پرواز روح کا خوف ہوا“

نوٹ:

اعلیٰ حضرت کی اس عبارت میں رسالت کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے بلکہ لغوی معنی

مراد ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی درج ذیل آیات مبارکہ میں رسالت اپنے لغوی معنی میں ہے:

وَسَلَّمْنَا مِنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسَلْنَا (الزخرف: ۴۵)

وَرَسَلْنَا قَدْ قَصَصْنَا لَهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرَسَلْنَا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ

(النساء: ۱۶۴)

كُلٌّ آمِنٌ بِاللَّهِ وَمِلْثَکُتِهِ وَکِتَابِهِ وَرَسُولِهِ، لَانْفِرُقَ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رَسَلِهِ

(البقرة: ۲۸۵)

کَلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ - (البقرة: ۸۷)

نیز صحیح حدیث جو صحیح ابن حبان اور مستدرک للحاکم میں اہل بیت کی سند سے مروی

ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں حتیٰ اکرم منی اللہ بنبوته اور شفا شریف ص: 80 پر یہ الفاظ بھی

ہیں حتیٰ اکرم منی اللہ برسالتہ۔ ان آیات و احادیث سے ثابت ہوا کہ کبھی نبوة و رسالت ایک

ہی معنی میں استعمال ہو جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن سے استدلال:

اعلیٰ حضرت نے آیت کریمہ میا کنت تدروی ما للکتاب والا الایمان (سورۃ شوریٰ ۵۲) کا ترجمہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

”اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم نزول وحی سے پہلے قرآن کریم اور احکام شرح کی تفصیل نہیں جانتے تھے“

اگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن سے نبی تسلیم کرتے ہوتے تو آپ یہ ترجمہ نہ فرماتے۔

کیونکہ اعلیٰ حضرت اپنے ترجمہ قرآن میں عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔ ہمارے مخالفین کا ادھر تو یہ حال ہے کہ اگر کوئی سنی صحیح العقیدہ عالم دین کنز الایمان شریف کے ایک دو مقامات سے بادل لیل اختلاف کرے اور اس کے پاس مضبوط اور ٹھوس دلائل ہی کیوں نہ ہوں اسے دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیتے ہیں۔ انہیں تو کم از کم کنز الایمان شریف کے اس ترجمہ کو صحیح ماننا چاہئے۔

یاد رہے کہ یہ ترجمہ صرف اعلیٰ حضرت کا نہیں ہے بلکہ تمام اکابرین نے اس آیت کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو تفسیر جلالین شریف، صاوی، جمل، قرطبی، مظہری، شیخ زادہ علی البیضاوی، عنایت القاضی شرح بیضاوی، تفسیر انوار التنزیل، تفسیر ابوسعود، خازن، مدارک، کشاف، روح المعانی، روح البیان، البحر المحیط، نیشاپوری، ابن کثیر، ابن جریر، معالم التنزیل، تفسیر کبیر، سراج منیر، حسینی اور تفسیر جامع البیان نیز شفا شریف، نسیم الریاض، مدارج النبوة، مواہب لدنیہ، زرقانی، تفسیر حداد، تفسیر ثعالبی، تفسیر قشیری، تفسیر ماتریدی ان جملہ حضرات نے آیت کریمہ کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔

حضور غوثِ پاک علیہ الرحمہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”جبریل علیہ السلام ستائیس رجب کو پیغمبری لے کر آئے“

علامہ ذہبی علیہ الرحمۃ نے میزان الاعتدال میں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لسان المیزان میں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریف میں اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نزہۃ الخواطر میں تصریح کی ہے کہ غنیۃ الطالبین حضور غوث پاک کی کتاب ہے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلع القمرین میں فرمایا کہ یہ کتاب غوث پاک کی طرف سے مشہور ہے۔

علامہ زحشری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

علامہ زحشری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تفسیر کشاف جلد چار میں آیت کریمہ حتیٰ اذا بلغ اشده و بلغ اربعین سنة (الاحقاف: ۱۵) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کوئی نبی بھی چالیس سال سے پہلے مبعوث نہیں ہوا۔

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب البرہان فی علوم القرآن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام کو نبوت اس وقت عطا ہوئی جب سورۃ اقرآن نال ہوئی۔ اصل عبارت قیل اول ما نزل للرسالة یا ایہا المدثر و للنبوة اقرآن باسم ربک۔

بعض شبہات کا ازالہ:

بعض حضرات تمہید عبدالشکور سالمی کی یہ عبارت پیش کر کے ہماری تکفیر کا فریضہ انجام دیتے ہیں کہ ”جو کسی نبی سے نبوت کا زوال جائز مانے وہ کافر ہے“

اس کے بارے میں گزارش ہے کہ اسی تمہید کے ص ۸۲ پر مذکور ہے کہ نبوت و رسالت کی تعریف یہ ہے کہ وحی بھی پائی جائے اور تبلیغ بھی پائی جائے۔ یہ عبارت ان حضرات کو کیوں نظر

نہیں آتی؟

مزید گزارش یہ ہے کہ عالم ارواح میں نبوت تسلیم کرنے کے بعد چالیس سال کے بعد نبوت تسلیم کرنا اور اس سے پہلے ولی تسلیم کرنا۔ اس میں پہلی نبوت کا زوال نہیں ہے۔ بلکہ روح اقدس کے بدن اقدس کے مجرد ہونے کے بعد بدن اقدس سے حلول کرنے کی وجہ سے احکام کا اختلاف تسلیم کیا گیا ہے کیونکہ روح مجرد عن البدن ہو تو احکام اور ہیں اور روح بدن سے متعلق ہو تو احکام اور ہیں۔

مزید گزارش ہے کہ متی وجبت لك النبوة خبر واحد ہے اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے۔ اگر کوئی ظنی دلیل میں تاویل کرے اور دیگر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اس تاویل پر شاہد عادل تو پھر وہ تاویل کرنے والا کیسے کافر ہوگا۔ جبکہ خبر واحد کا منکر بھی کافر نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ شارحین کے بیان کردہ مطلب کو نقل کرنے والا۔ کاش کہ معترضین اعتراضات میں وقت برباد کرنے کی بجائے تھوڑا سا وقت نکال کر اکابر کی کتب کے مطالعہ کی زحمت گوارا فرما لیتے۔

مزید گزارش یہ ہے کہ مسند امام احمد (جلد 5، ص: 73) پر یہ الفاظ بھی ہیں متی کتبت نبیاً ”آپ کی نبوت کا فیصلہ کب کیا گیا؟“ جب یہ حدیث پاک مختلف الفاظ سے مروی ہے تو پھر اس سے عالم ارواح میں بالفعل نبوت کا ثبوت قطعی کیسے ہو گیا۔

ناطقہ سر بگریاں ہے اسے کیا کہیے :

ہمارے ہم عصر مدعیان علم و فضل تو اسے بھی کافر بنانے پر تلے ہوئے ہیں جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم اجسام میں چالیس سال تک بالفعل نبی نہ مانے، لیکن ان مہربانوں کو کون بتائے کہ محدثین کی اکثریت عالم ارواح میں بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بالفعل نبی تسلیم نہیں کرتی۔ یہ عجیب لطیفہ ہوگا کہ جو عالم ارواح میں نبی تسلیم نہ کریں وہ کافر نہ ہوں اور جو عالم ارواح میں نبی تسلیم کرنے کے بعد

چالیس سال تک انقطاع (اور وہ بھی معترضین کے بقول) تسلیم کریں وہ کافر ہو جائیں۔

نیز قرآن پاک میں ارشاد باری ہے واللہ خلقکم وما تعملون (الصافات: ۹۶) معز لہ اس آیت کو دلیل بنا کر بندوں کو اپنے افعال کا خود خالق مانتے ہیں۔ اس کے باوجود علماء نے انہیں کافر نہیں قرار دیا کیونکہ وہ مؤول ہیں۔

جب قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل میں تاویل کرنے والا کافر نہیں ہے تو ظنی الثبوت اور ظنی الدلالت میں تاویل کرنے والا کیسے کافر ہو گیا؟

مزید استفسار یہ ہے کہ مفتیان کرام ارشاد فرمائیں کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ بحر العلوم یہ حضرات سرکار علیہ السلام کو عالم ارواح میں نبی تسلیم کرتے ہیں مگر دنیا میں چالیس سال سے پہلے نبی تسلیم نہیں کرتے۔

کیا یہ حضرات کافر ہیں؟

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ، عالم ارواح میں سرکار علیہ السلام کو نبی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن دنیا میں حصول نبوت سے پہلے سرکار کو ولی مانتے ہیں تو پھر صدر الشریعہ کافر ہیں؟ حضرت مفتی اعظم ہند مفتی مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سرکار علیہ السلام کو عالم ارواح میں نبی مانتے ہیں لیکن دنیا میں وحی سے پہلے ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز مانتے ہیں تو پھر کیا انہیں بھی کافر کہا جائیگا۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا:

انہی عند اللہ لمکتوب خاتم النبیین وادم لمنجدل فی طینتہ

اس کے بارے گزارش ہے کہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں کیونکہ اگر سرکار

علیہ السلام کو سب سے پہلے نبوت ملی ہے تو آپ خاتم النبیین کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اگر سب سے پہلے سرکار علیہ السلام ختم نبوت سے متصف تھے تو پھر بعد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کیسے مبعوث ہوئے؟

اس طرح تو پھر نانو توئی کا کلام ٹھیک ہو جائے گا کہ اگر بعد از زمانہ نبوی کوئی اور بھی نبی آجائے تو ختم نبوت میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔

نیز دیگر انبیاء علیہم السلام صرف علم الہی میں نبی تھے بالفعل نہیں تھے۔ تو پھر سرکار علیہ السلام ان سے آخری کیسے ہو گئے۔ آخری نبی ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام کے بعد نبوت کا اعطاء ہو اور اس ہستی کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا جائے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ جلد 11 میں اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ”ختم نبوت“ میں اس حدیث پاک کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کا آخری نبی ہونا لوح محفوظ میں لکھا جا چکا تھا۔ کسی شارح حدیث نے یہ معنی بیان نہیں کیا جو ہمارے ہم عصر ”مدعیان علم و فضل“ بیان فرما رہے ہیں۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب خصائص کبریٰ سے امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں۔ جس میں انہوں نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کی صرف بعثت اور تبلیغ موخر ہے۔ لیکن آپ کا نبی بنایا جانا اس میں کوئی تاخیر نہیں ہے۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور رسالت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں کو شامل ہے۔

اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام وقت ولادت سے ہی نبی ہیں اور ان کی اسی عبارات کے اندر یہ الفاظ بھی موجود ہیں انما یفترق الحال فیما قبل بلوغ الاربعین من حسدہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مزید گزارش یہ ہے کہ علامہ نبہانی نے جواہر البحار جلد دوم میں شیخ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام پیش کیا کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ:

”نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت دو بار عطا کی گئی۔ ایک بار عالم ارواح جو ارواح انبیاء کیلئے تھی۔ اس لحاظ سے تمام انبیاء آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہو گئے اور ان کی امتیں بالواسطہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امتیں ہو گئی۔ اس لحاظ سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام اولین کے نبی ہو گئے۔ یعنی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم اقدس کے ظہور سے پہلے کے لوگ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالم ارواح میں (ارواح انبیاء کیلئے) مربی ہونے کی وجہ سے آپ کی امت میں شامل ہو گئے۔ دوسری بار آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت چالیس سال بعد عطا کی گئی“

یہی عبارات جو ہمارے مہربان خصائص کبریٰ سے نقل کرتے ہیں۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

”اگر کوئی نہ کہے کہ نبوت تو چالیس سال کے بعد ملتی ہے تو پھر نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب سے پہلے نبوت ملنے کا کیا مطلب ہے۔ اس کے جواب میں امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت اس صورت میں ملتی ہے جب روح کا تعلق جسم کے ساتھ ہو اور جسمانی طور پر عمر چالیس سال کی ہو چکی ہو اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح اقدس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا۔ اور روح اقدس کو اسی وقت نبوت عطا فرمائی“

علامہ خفاجی رحمۃ اللہ نسیم الریاض میں فرماتے ہیں کہ:

”عالم اجسام میں انبیاء علیہم السلام سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی نہیں ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف صحیح میں وارد ہوا ہے۔ کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں عرض کیا کہ اے اللہ مجھے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتی بنا دے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ تم مقدم ہو اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام موخر ہیں“

مزید علامہ خفاجی نے ارشاد فرمایا کہ

”ارشاد باری تعالیٰ ہے انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ
مزید ارشاد باری ہے واتبع ملة ابراهیم حنیفاً اسی طرح ارشاد باری ہے اولئک الذین ہدی اللہ فبہدہم اقتدہ۔

مزید انہوں نے یہ ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ آپ کے امتی ہوں جیسے اللہ رب العزت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اللہ رب العزت آپ علیہ السلام کا امتی ہے“

(نسیم الرياض جلد اول ، ص 243)

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ:

”علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام یہ مطلب نہیں ہے کہ عالم اجسام میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام دیگر انبیاء کے نبی ہیں۔ بلکہ ان کے کلام کا مطلب ہے کہ اگر وہ انبیاء سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ اقدس میں ہوتے یا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زمانہ میں مبعوث ہو جاتے تو وہ نبی پاک علیہ السلام کے امتی بننے کے پابند ہوتے۔ جس طرح اللہ رب العزت نے ان سے عہد لیا تھا“

(زرقانی جلد اول ص 24)

مزید گزارش یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام کے انبیاء میں مبعوث ہونے سے پہلے سارے انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی شریعت کی تبلیغ کرتے رہے۔ اور اپنے اپنے کلمے پڑھواتے رہے۔ بلکہ

عیسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا: انسی رسول اللہ الیکم۔ لیکن یہی عیسیٰ علیہ السلام جب قیامت کے قریب نازل ہوں گے تو نبی پاک علیہ السلام ﷺ کے دین کے مبلغ بن کر تشریف لائیں گے۔ اپنا کلمہ نہیں پڑھائیں گے بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کا کلمہ پڑھائیں گے۔ تو ثابت ہوا کہ نبی پاک ﷺ کو عالم ارواح میں جو نبوت ملی تھی۔ وہ صرف ارواح کیلئے تھی۔ دنیا میں موثر نہیں تھی ورنہ انبیاء علیہم السلام ﷺ اپنے اپنے دین کی تبلیغ نہ کرتے۔ اسی لئے جب سرکار علیہ السلام کو عالم اجسام میں نبوت عطا ہوئی تو باقی سب انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں منسوخ ہو گئیں۔ ہمارے مہربان اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ معراج کی رات عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام فرما رہے ہیں: غلام بعث بعدی اگر وہ سرکار علیہ السلام کے عالم اجسام میں امتی ہوں۔ تو پھر یہ الفاظ وہ کس طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ القول المحرز میں امام سبکی سے نقل کیا ہے کہ:

”نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ نبوت سے پہلے بھی معصوم ہیں اور نبوت کے بعد

بھی“

یہی عبارت شیخ محقق نے بھی مدارح النبوت میں درج فرمائی ہے۔ اگر علامہ سبکی دو مرتبہ نبوت میں متماثل ہوتے تو وہ قبل النبوة کے الفاظ کیوں استعمال فرماتے؟۔ کیونکہ تقدم الشیخی علی نفسه تو باطل ہے۔ اگر نبوت سے پہلے بھی نبوت ثابت ہو تو پھر قبل النبوة کا کوئی مطلب نہیں رہتا۔ کیونکہ جب سارا دور انبیاء ہی بعد از نبوت کا ہے تو لفظ قبل ذکر کرنا مہمل ہو جائے گا۔ نیز اگر قبل کا بھی وہی معنی ہے۔ جو بعد کا ہے تو بعد قبل اور بعد میں فرق کیا رہے گا؟۔ حالانکہ قبل اور بعد آپس میں متقابلین ہیں اور تقابل کا معنی یہی ہے کہ دونوں کا معنی ایک دوسرے کے برعکس ہو۔ اس سلسلے میں آخری گزارش یہی ہے۔ کہ علامہ سبکی کا مذکورہ رسالہ التعمظیم والمنعہ علامہ نبھانی نے حجة اللہ علی العالمین میں نقل کیا ہے۔ اور علامہ زرقانی نے اپنی شرح

مواہب میں نقل کیا ہے، اس کے باوجود علامہ زرقانی نے اپنی شرح مواہب جلد پنجم میں اور علامہ نبہانی نے حجتہ اللہ علی العالمین میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ نبی پاک ﷺ نبوت سے پہلے مقام ولایت پر فائز تھے۔ ثابت ہوا علامہ نسکی کے مذکورہ رسالہ کا جو مطلب ہمارے بزرگ سمجھ رہے ہیں۔ وہ مطلب ان جلیل القدر بزرگوں کو بھی سمجھ نہیں آیا۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ ولی پر بھی تبلیغ ضروری ہے تو پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ نے تبلیغ کیوں نہیں فرمائی؟۔ اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ نبی پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہوتی ہے۔ جبکہ ولی پر اس صورت میں فرض نہیں ہوتی جب کوئی معاند ہو، جیسا کہ جامع ترمذی شریف میں سید الانبیاء ﷺ کا ارشاد گرامی مروی ہے کہ:

”جب تم دیکھو کہ لوگ اپنی رائے کو حرف آخر سمجھتے ہیں تو پھر تم صرف اپنا خیال کرو ان کو

اپنے حال پر چھوڑ دو“

نیز اس بات کی بھی ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ نبی پر تبلیغ فرض نہ ہو اور ولی پر فرض ہو حالانکہ

نبی کی شان یہی ہے فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ۔ اِنَّا ارسلناك شاهداً ومبشرواً وناذيراً وادعياً الى الله باذنه ظاہر بات ہے مبشر نذیر ہونا بغیر تبلیغ کے ممکن ہی نہیں۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ چالیس سال تک آپ ﷺ نے تبلیغ اس لئے نہیں

فرمائی کہ آپ کو حکم نہیں تھا۔ ان سے گزارش ہے کہ ہمیں دکھائیں یہ حکم کہاں نازل ہوا تھا کہ آپ

ﷺ نے تبلیغ نہیں فرمائی۔ شرح مواقف میں ہے کہ نبی ﷺ ہوتا ہی وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ

فرمائے کہ میں نے تمہیں فلاں قوم کی طرف بھیجا ہے، کہ تم انکو تبلیغ کرو۔

قبلہ کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ”مقالات کاظمی“ جلد سوم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیاء کے حق میں اخفائی دعوت اور ترک تبلیغ محال ہے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ نیا مسئلہ چھیڑ کر خواہ مخواہ فتنہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس بارے میں گزارش ہے کہ جس مسئلہ پر تقریباً چھ قرآنی آیات موجود ہوں اور پانچ احادیث صحیحہ موجود ہوں، اور اجماع امت ہو اس کو فتنہ کہنا بجائے خود بہت بڑا فتنہ ہے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کو چھپانا چاہیے، اور اپنے دلائل کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرنے چاہئیں۔ اس بارے میں گزارش یہ ہے کہ جن حضرات کا عقیدہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چالیس سال تک نبوت چھپائی، ان کو چاہیے کہ کم از کم چالیس سال تو خاموشی اختیار کریں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ خود ایک حدیث پاک بھی نہیں چھپا سکتے اور ایک مہینہ بھی خاموشی اختیار نہیں کر سکتے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ آپ نے چالیس سال تک نبوت کو معاذ اللہ چھپائے رکھا۔ ہمارے مہربان ان آیات پر ذرا توجہ فرمائیں:

ان الذین یکتفون ما انزلنا من البینت والهدی الخ

وما انزلنا علیک الكتاب الا لتبیین لهم الذی اختلفوا فیہ

ان هذا القرآن یقصر علی بنی اسرائیل اکثر الذی ہم فیہ یختلفون

ایک اور شبہ کا ازالہ، حضور پیر سیال علیہ الرحمہ کا عقیدہ:

بعض حضرات کو جب کوئی اور دلیل نہیں ملتی تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ عقیدہ حضور پیر سیال

کے خلاف ہے۔ اس بارے میں گزارش ہے کہ حضور پیرسیاں علیہ الرحمہ کے ملفوظات مبارکہ جو مرآة العاشقین کے نام سے چھپ چکے ہیں (فارسی ایڈیشن کے صفحہ ۲۰ مترجم ۲۹) پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ:

”ورقہ بن نوفل نے عرض کیا کہ اے خدیجہ تمہیں مبارک ہو کہ نبی پاک اس امت کے نبی ہیں اور یہ ان کی نبوت کا آغاز ہے“

اب ہمارے مہربان حضرت خواجہ شمس العارفین قدس سرہ کے بارے میں کیا ارشاد فرمائیں گے؟

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ پیدا ہوئے تو یہودیوں نے دیکھ کر کہا کہ یہ اس امت کے نبی ہیں۔ یہودی بھی آپ ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بچپن سے نبی مانتے ہیں۔ تو چالیس ۴۰ سال کے بعد نبوت ماننے والے یہودیوں سے بھی گئے گزرے ہو گئے۔

جواباً گزارش ہے کہ گزشتہ اوراق میں ہم اس مسئلہ کے بارے میں اجماع امت، تقریباً دس صحابہ کے اقوال اور اگر حضرت ورقہ کو بھی صحابی مان لیا جائے جیسا کہ نسیم الریاض جلد دوم ص ۳۷ پر جمہور علماء کا قول ذکر کیا گیا ہے، تو پھر گیارہ صحابہ کے اقوال بن جائیں گے، پانچ مرفوع حدیث اور پانچ آیات قرآنیہ بھی پیش کر چکے ہیں، ہمارے مخالفین بجائے ان دلائل شرعیہ پر ایمان لانے کے یہودیوں کا قول کیوں پیش کرتے ہیں؟ اور یہودیوں کے قول پہ کیوں ایمان لاتے ہیں؟

سرکار علیہ السلام ﷺ نے خود ارشاد فرمایا۔ ”حتیٰ اکرمنی اللہ بنبوۃ“ سرکار علیہ السلام ﷺ خود بھی اپنے آپ کو بچپن سے نبی نہیں مانتے تو پھر نبی پاک علیہ السلام ﷺ کے بارے میں یہ لوگ معاذ اللہ تم معاذ اللہ کیا گل افشانی کریں گے؟

نیز جو حضرات یہ دلیل دیتے ہیں کہ یہودیوں نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کو بچپن سے نبی مانا، جو بچپن سے نبی نہ مانے وہ یہودیوں سے بھی بدتر ہے، ان کو شفا شریف کی اس عبارت پر غور کرنا چاہیے۔

و كذلك قطع بتكفير كل قائل قال قولاً يتوصل به الى تضليل الأمة
 ہمارے مہربان حضرات کو غور کرنا چاہیے کہ سیرت نگاروں نے صرف یہودیوں کا قول نقل کیا ہے یا انہوں نے خود چالیس سال بعد نبوت کے ملنے کا قول کیا ہے۔ انہوں نے تو اجماع بھی نقل کیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کو نبوت چالیس سال کے بعد ملی۔ نیز یہودی کا یہ قول کہ آپ ﷺ اس امت کے نبی ہیں مستقبل کے لحاظ سے تھا۔ کیونکہ وہ توراہ میں نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کی علامات پڑھ چکا تھا۔

وٹ:
 ہمارے مہربان اس مسئلہ میں شرح فقہ اکبر پر بہت اعتماد کرتے ہیں، حضرت ملا علی قاری نے اس کتاب کے صفحہ ۱۳۴ پر ارشاد فرمایا کہ ”حضرت قاسم، نبوت سے پہلے پیدا ہوئے۔“
 حضرت عبداللہ اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔“

حسنین اہلنست سے ایک استفار:

ہمارے یہ مہربان ارشاد فرمائیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کے والدین کریمین صحابی نہیں۔ جبکہ حضرت آمنہ کا وصال اس وقت میں ہوا جب آپ کی عمر چھ سال تھی۔ زید بن عمرو بن نفیل نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کا زمانہ پایا ہے لیکن اعلان نبوت کا زمانہ نہیں پایا اس لیے امام ابن صلاح نے اپنے مقدمہ میں اور علامہ عراقی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ زید

بن عمرو بن نفیل صحابی نہیں ہیں۔ کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ کو نبوت سے پہلے دیکھا اور صحابی ہوتا ہے جو نبوت کے بعد سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کی زیارت کرے، اگر نبی پاک ﷺ ہوتا ولادت سے نبی تھے تو علماء کے ان اقوال کا کیا مطلب ہے؟

آخری گزارش:

بعض اہل علم ایسے ہیں کہ جب ان کا اور کوئی بس نہیں چلتا تو کہہ دیتے ہیں کہ ٹھیک ہے۔ اکابر نے یہ لکھا ہے لیکن ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ ہمارے پاس حدیث موجود ہے۔ اس سے گزارش ہے کہ جن بزرگان دین کے اقوال اس مسئلہ کے بارے میں ہم نے پیش کیے ہیں انہی کے اقوال ہم دیوبندیوں، وہابیوں کے خلاف پیش کرتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ان کے خلاف ان کے اقوال قابل غور ہیں تو اس مسئلہ میں کیوں قابل قبول نہیں ہیں؟

نیز کسی آیت یا حدیث کا وہ مفہوم معتبر ہوگا جو محدثین، علمائے کلام، مفسرین اور شارحین بیان کریں گے یا جو ہمارے یہ مہربان اپنے ذہن زسنا سے پیش فرمائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، واتبع سبیل من اناب الی

”میری طرف رجوع کریں والوں کی اتباع کرو“

نیز فرمایا : اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم

(مجھ سے دعا کیا کرو کہ) ہمیں سیدھی راہ پر چلا یعنی ان کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا

اور منع علیہم یہ حضرات ہیں

انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشهداء والصادقین۔

مراد ما نصیحت بود و کردیم حوالہ با خدا کردیم و رفتیم

الاستدراکات:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جو حوالہ جات دیے گئے ہیں وہ بعثت کے بارے میں

ہیں اور بعثت سے مراد اعلان ہے نہ کہ اعطائے نبوت۔

اس بارے میں گزارش ہے کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا

اس طرح ارشاد باری ہے: ولقد بعثنا في كل امة رسولا

اسی طرح فرمایا: وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا

اسی طرح فرمایا: عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا

اسی طرح کی بہت سی آیات ہیں،

اسی طرح حدیث پاک میں ہے:

وابعثه مقاما محمود الذي وعدته۔ (بخاری شریف)

ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے:

ان الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی: ربنا وابعث فيهم رسولا منهم

نہی پاک علیہ السلام نے فرمایا: انا دعوة ابني ابراهيم

نیز ہمارے بزرگ اس بات پر غور فرمائیں کہ بعثت تو ہر نبی کی پائی گئی ہے، کما قال اللہ

خالی: محمد ﷺ

فبعث الله النبيين

کیا سارے انبیاء علیہم السلام نے چالیس سال کے بعد اعلان کیا نبی بچپن ہی سے

تھے؟ پھر اس میں نبی پاک علیہ السلام ﷺ کی کیا خصوصیت ہوگی؟ حالانکہ کنت نبيا۔۔۔ الخ

مقام اختصاص میں وارد ہے۔

ایک اور شبہ اور ازالہ:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہر نبی ہر وقت نبی ہوتا ہے چاہے مہد میں ہو یا شباب میں۔
اس سلسلے میں گزارش ہے کہ قرآن پاک میں ارشاد باری ہے:

ولما بلغ أشده واستوى آتینه حکماً وعلماً

اس کی تفسیر میں تقریباً ہر مفسر نے یہ لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت چالیس برس کی عمر میں ملی ہے۔ اور ہر نبی کو نبوت چالیس برس کی عمر میں ملتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

صاوی علی الجلائین، قرطبی، معالم، حازن، مدارک، کشاف، بیضاوی، شیخ زادہ، عنایت
القاضی، ابو منصور، البحر المحیط، نیشاپوری، مظہری، ابن جریر، ابن کثیر، روح البیان، تفسیر حسینی
، زاد المسیر، روح المعانی، تفسیر کبیر، نسیم الریاض جلد اول ۲۸۴،

نیز موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد قرآن پاک میں موجود ہے:

فقررت منکم لما خفتکم فوہب لی ربی حکماً وجعلنی من المرسلین

ارشاد باری ہے: اِنِّی اَخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی

نیز ہارون علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ووهبنا له من رحمتنا اجاه هارون نبیاً

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

واجعلی لی وزیراً من اہلی ہارون اخی اشد بہ ازری واشکر کہ فی امری

اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا: لقد اوتیت سوء لک یا موسیٰ

ان آیات سے صاف ہے کہ ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا۔

نبوت ملی۔ اگر حضرت ہارون پیدائشی نبی تھے تو حضرت موسیٰ کے ان کے لیے نبوت مانگنے کا

مطلب ہوگا؟ نیز یہ تو پوری امت میں سے کسی کا نظریہ نہیں ہے کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے۔

ادعی فعلیہ البرہان

ایک اور شبہ کا ازالہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا دل نہیں مانتا کہ نبی پاک علیہ السلام ﷺ چالیس سال کے بعد نبی بنے ہوں۔ جواب میں گزارش یہ ہے کہ دلائل شریعت کے جار ہیں، قرآن و سنت، اجماع اور قیاس۔ دل دلیل نہیں ہے۔ پھر اگر دل کی بات مانیں تو ہمارا دل بھی نہیں مانتا کہ آپ علیہ السلام ﷺ چالیس برس نبوت کو چھپائے رکھیں۔ نیز دل کی ماننے والوں سے گزارش ہے کہ درج ذیل آیات و احادیث کو غور سے لکھیں:

ارشاد باری ہے: فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم
 لا يبجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما۔
 اسی طرح فرمایا: وما كان لدمون ولا مومنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان
 يكون له لهم الخيرة من امرهم۔
 حدیث پاک جو سند صحیح مروی ہے: لا يؤمن احدكم حتى يكون هواه تبعالما
 جنت به ارشاد باری ہے: لو اتبع الحق اهواءهم لفسدت السماوات والارض۔
 ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبوت وحی کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

گزارش ہے کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما ارسلناك من قبلك الا رجالا نوحي اليهم

اسی طرح ارشاد باری ہے: لولا انزل هذا القرآن على رجل من القريتين

عظيم ما امر يقسمون رحمة ربك اسی طرح ارشاد باری ہے: قل انما انشأ

مثلكم يوحى الى

المعتقد میں تصریح موجود ہے کہ نبی پاک علیہ السلام کی جہت امتیاز باقی انسانوں سے وحی نبوت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے انزل علیہ الذکر من بینن ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ علامہ خیالی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی سرکار علیہ السلام کو چالیس سال سے پہلے نبی مانتے ہیں۔

جو اب ان کے ارشاد ہے کہ علامہ خیالی اپنی شرح عقائد کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ کا امر نبوت کو مستلزم تب ہی ہوتا ہے جب تبلیغ کے لیے ہو“

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمہ بھی اس پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”نبوت اللہ اور بندوں کے درمیان سفارت کا نام ہے، وہ تبھی ثابت ہوگی جب تبلیغ

کے لیے حکم پایا جائے“

ان دونوں حضرات نے یہ بات شرح عقائد کے اس قول کے ماتحت لکھی ہے ”ابو

الانبیاء آدم“

ایک اور شبہ کا ازالہ: بعض حضرات کہتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام پر چالیس سال سے

قبل بھی وحی آتی تھی۔ اس بارے میں گزارش یہ ہے کہ وہ وحی الہام ہے نہ کہ وحی نبوت، وحی

الہامی بھی ہوتی ہے ”اذیوحی ربك الى الملائكة“، ”اوخینا الی امر موسیٰ“

ایک اور شبہ کا ازالہ: بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ ”بسی“ کا معنی اعلان ہے

، اس کے بارے میں گزارش ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنی کتاب ختم نبوت میں تحریر

فرمایا ہے کہ نبی کا مطلب عطائے نبوت ہے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اگر اس کا معنی اعلان بھی ہو تو اعلان فوراً بھی تو ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ چالیس سالہ اختفاء کے بعد اعلان پایا جائے۔

تنبیہ: امام ابن جریر، طبری اور امام تغلبی نے آیہ مبارکہ جعلنی نبیاً کا مطلب یہی بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی) نبوت کا فیصلہ فرمادیا ہے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارا استدلال حدیث پاک سے ہے جبکہ دوسری طرف اقوال علماء ہیں، اور ظاہر ہے کہ اقوال علماء کی حدیث پاک کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔

اس کے جواب میں گزارش ہے کہ صرف اقوال علماء ہی نہیں بلکہ اقوال خدا بھی ہیں گذشتہ اوراق میں ہم سورۃ یونس کی آیت نمبر ۱۶، سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۵۲، سورۃ قصص کی آیت نمبر ۸۶، آیہ کریمہ ما کان محمد اباً حد من رجالک ولیکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ نیز سورۃ الاحقاف کی آیت کریمہ و وجدک ضالاً فهدی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ اور ان کی تفسیر اپنی رائے سے نہیں بلکہ مسلمہ مفسرین اور اکابر علماء کے اقوال کی روشنی میں پیش کر چکے ہیں۔ قرآن پاک کی یہ آیات قطعی الثبوت ہیں اور ہمارے مخالفین جو حدیث پاک پیش کرتے ہیں وہ خبر واحد ہے۔

اور اصول کے مطابق خبر واحد کا ایسا معنی کیا جائے گا، جو آیات کریمہ کے مطابق ہو۔ لہذا حدیث پاک سے مراد عالم ارواح کی نبوت ہوگی۔ اور ان آیات کریمہ سے مراد یہی لیا جائے گا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر شریف کی چالیس برس کا عرصہ ولایت کبریٰ کا دور ہے۔

نیز اگر کنت نبیا و آدم بین الماء والطين حدیث پاک ہے تو صحیح ابن حبان کی یہ حدیث پاک بھی تو موجود ہے۔ اول الانبیاء آدم و آخرهم محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔
تطبیق یہی ہوگی کہ عالم اجسام میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی اور آدم علیہ السلام اول ہیں، جیسا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد پاک ہے:

جعلنی فاتحا وخاتما

نیز بدء الوحی والی حدیث پاک تو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے۔ اور ہمارے مخالفین جو روایت پیش کرتے ہیں وہ جامع ترمذی کی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ متفق علیہ حدیث پاک کو کوئی اہمیت نہ دی جائے اور سنن ترمذی کی حدیث پاک کا خود ساختہ مفہوم لے کر اہل حق کی تکفیر کی جائے۔

نیز یہ کہنا کہ ہمارے پاس حدیث ہے اور تم علماء کے اقوال پیش کر رہے ہو درست نہیں، اس لیے کہ ہم اقوال علماء کو حدیث پاک کے مقابلے میں پیش نہیں کر رہے بلکہ جامع ترمذی کی حدیث کا معنی متعین کرنے کے لیے پیش کر رہے ہیں، اور یہ رستہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے، اس کا حکم ہے فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

آخری شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ چالیس برس کے بعد نبوت کیوں عطا کی گئی؟ یہ تو بہت زیا وقفہ ہے۔ جواباً گزارش یہ ہے کہ یہ اللہ رب العزت کا فعل ہے اور آیت کریمہ

لا یسئل عما یفعل نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: فعال لما یرید

اور مشہور مقولہ ہے فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

اکابر علماء اور صوفیائے کرام کے ارشادات

○ حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

جبرئیل علیہ السلام 27 رجب کو پیغمبری لیکر آئے۔ (غنیۃ الطالبین)

خواجہ حضور پیر سیال کے استاد شارح بخاری حافظ عمر دراز رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا ارشاد:

حضور ﷺ کی نبوت کی مدت 23 سال اور حضور ﷺ کا فرمان ”خشیت علی نفسی“ بار نبوت کی

وجہ سے تھا کہ میں نبوت کی ذمہ داری کس طرح ادا کروں گا۔ (مخ الباری ص 9)

کذافی تیسیر القاری ص 8 شیخ نور الحق۔

○ حضور پیر سیال خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

پہلی وحی کے بعد ورقہ بن نوفل نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تمہیں خوشخبری ہو

حضور ﷺ اس امت کے نبی ہیں اور یہ آپ کی نبوت کا آغاز ہے۔ (مرآة العاشقین، قاری ص

20 اردو ص 29)

○ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

جب سورۃ اقرآن نازل ہوئی تو آپ ﷺ کو فضیلت رسالت حاصل ہوئی تو قریب تھا کہ کلام

الہی کی ہیبت سے روح اقدس پرواز کر جائے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا مجھے چادر اڑھاؤ جب

چادر اڑھائی گئی تو آپ ﷺ کا اضطراب کم ہو گیا۔ (مطلع القمرین ص 123) نوٹ: یہاں رسالت

سے مراد نبوت ہے۔

○ حضور پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

چوں رسید ﷺ پچھل سال ویک روز خدا تعالیٰ بروے نبوت نازل فرمود جبرئیل علیہ السلام

در غار حرا بروے فرستاد۔ (تحقیق الحق ص 133)

جب حضور ﷺ کی عمر 40 سال اور ایک دن کو پہنچی اللہ تعالیٰ نے نبوت کو آپ پر نازل فرمایا

اور غار حرا میں جبرئیل علیہ السلام کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ کی نبوت کا آغاز 8 ربیع الاول

سوموار کو ہوا۔

جامعہ فضیلتیہ مدرسہ اسلامیہ پورنہ پٹی روڈ سرگودھا